الحمدللہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

تفسیر رفیع الشان و قامع بدع الادیان و مشید ارکان العرفان

مسمی بہ

انوار القرآن

مصنفہ
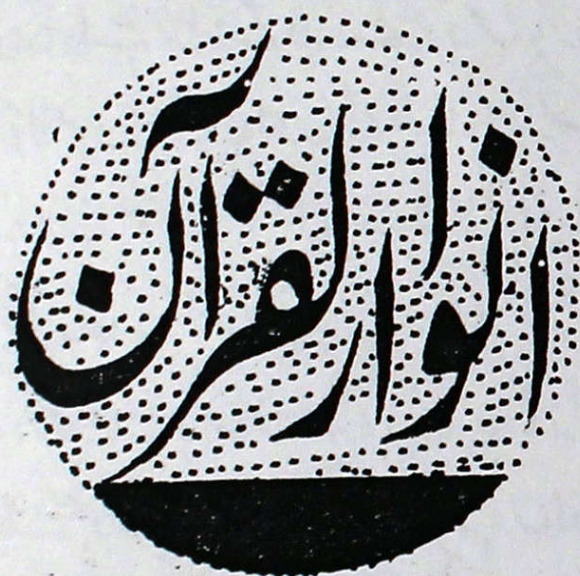
جناب صفوۃ العلماء المحققین قدوۃ الفقہاء والمفسرین حامی الملۃ والدین زین المجتہدین آیۃ الحجۃ الاسلام والمسلمین جناب

مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ رضوی گوپال پوری اعلی اللہ مقامہ

باہتمام جناب مولانا سید اظہار الحسنین صاحب عشروی صدر الافاضل و واعظ مدرسۃ الواعظین
و مدیر دائرہ تحقیق کجھوا (صوبہ بہار)

از جانب

دائرہ تحقیق کجھوا (صوبہ بہار)

در مطبع اصلاح کھجوا مطبوع گردید

ضروری معذرت

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ الطاہرین

ولعنۃ اللہ علی اعدائہم اجمعین من یومنا ھذا الی یوم الدین ۔

امابعد اوراق کے ان سفید اور روشن دامنوں کو داغدار کرنے والا ناچیز راحت حسین ابن سید طاہر حسین صاحب مرحوم رضوی ساکن گوپال پور ضلع سارن صوبۂ بہار حضرات مومنین کی خدمت میں اس قدر عرض کردینا ضروری سمجھتا ہے کہ اس ناچیز کی عمر ساٹھ کے قریب پہونچ گئی جوانی نے ساتھ کیا چھوڑا کہ جسمانی قوت کے ساتھ ہی ساتھ دماغی قوت بھی رخصت ہو گئی علاوہ اس کے دوام مرض اور عموماً پورے جسم کے اور خصوصاً داہنے شانہ کے درد نے جو دس بارہ سال سے رفیق بدن ہے بالکل بیکار کر رکھا ہے اور دنیادی آلام و نزدوات اور مالی قلت اور سرمایہ کی کمی نے جو اس کو بھی مختل کر دیا ہے ۔ اور باوجود علمی بے بضاعتی کے جو خلقی چیز ہے کام ایسا شروع کیا ہے جو صاحبان فضل و کمال کا وظیفہ ہے اور ارادہ یہ کر رکھا ہے کہ اس ناچیز تحریر یعنی تفسیر میں ان کل آیتوں کی تفصیل کر دی جائے جو فضائل اہلبیتؑ اور مذمت دشمنان اہل بیت میں نازل ہوئی ہیں اور ان اعتقادی غلطیوں کی اصلاح کر دی جائے جو قرآن مقدس کے اکثر ترجموں اور تفسیروں میں پائی جاتی ہیں اور مذاہب باطلہ جیسے دہریہ و نیچریہ اور آریہ اور قادیانی اور عیسائی اور اہل قرآن اور اہلسنت کے اعتراضوں کے جوابات دیئے جائیں جو وہ مذہب حق پر بے بنیاد کرتے رہتے ہیں اور ان پر جو منصفانہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں ذکر کئے جائیں جس کا نمونہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے ۔ باوجود اس کے کہ کتابوں کی بہت کمی ہے اور ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میرا ہاتھ بٹائے اور کم سے کم موجودہ کتابوں سے مضامین نکال کر سامنے رکھ دیا کرے ۔ ایسے عظیم مہم کو انجام دینے کے لئے بس میری غم آلود جان ہے اور دردمند جسم اور پریشان دماغ ۔ البتہ خداوند منان کی توفیقات کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا کہ اس کی مدد سے ہمت بلند ہے اس لئے حضرات مومنین کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرمائیں اور اگر کمی دیکھیں تو معذور سمجھیں اور بنظر ہمدردی بارگاہ رب العزت میں ہر نماز کے بعد میرے فراغ بالی اور وسعت مالی اور صحت جسمانی اور انجام بخیر ہونے کے لئے دعا سے فراموش نہ فرمائیں کیونکہ مومن کی دعائے خیر اس کے دینی بھائی کے حق میں رد نہیں ہوتی ۔ والسلام

ناچیز راحت حسینؔ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

سورۃ فاتحۃ الکتاب

ابن عباس اور قتادہ کہتے ہیں کہ سورہ الحمد مکہ میں نازل ہوا۔ اور مجاہد نے کہا ہے کہ مدینہ میں نازل ہوا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ دو دفعہ نازل ہوا ایک مرتبہ مکہ میں دوسری دفعہ مدینہ میں [1]

سورہ الحمد کی فضیلت (بطریق شیعہ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر سورہ الحمد کسی مردہ پر پڑھا جائے اور خدا اوسمیں روح ڈال دے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے [2] اور حضرت امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس بیمار کو سورہ الحمد سے صحت نہ ہو اوسکو کسی چیز سے نہ ہوگی [3] حضرت امیر المومنین علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ و آلہ سے سُنا وہ فرما رہے تھے کہ خداوند عالم نے مجھ سے فرمایا کہ اے محمدؐ میں نے تم کو سبع[ع] مثانی اور قران عظیم (بزرگ) دیا ہے۔ پس خدا نے صرف مجھ پر یہ احسان کیا ہے کہ مجھ کو فاتحۃ الکتاب (یعنی سورہ الحمد) دیا اور اوسکو قرآن بزرگ کے مقابل میں ذکر کیا ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد قران کے باقی کل سوروں کے مجموعہ کا مرتبہ میں ہم پلہ ہے) اور البتہ سورہ الحمد شرافت اور بزرگی میں کل اون چیزوں سے زیادہ ہے جو عرش کے خزانوں میں ہیں اور خدائے بزرگ و برتر نے سورہ الحمد کے ساتھ حضرت محمد مصطفےٰؐ کو خاص کیا اور اس سے اونکو عزت دی اور اوسمیں سوا حضرت سلیمانؑ کے کسی نبی کو اون کا شریک نہیں بنایا اور حضرت سلیمان کو بھی

---

[1] مجمع البیان ص۔ [2] برہان ص۲۶ جلد الجوالہ کافی۔ [3] برہان بہ نشان وحوالہ بالا۔

[ع] سبع مثانی یعنی سات آیتوں والا سورہ یا سات آیتیں جو نماز میں دکم سے کم

اس سورہ میں سے صرف (ایک آیت یعنی) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دی جس کو اوس نے بلقیس کی زبانی قرآن میں ذکر کیا ہے جو اوس نے (اپنی قوم سے) کہا تھا کہ میرے پاس ایک بزرگ خط (ہدہد کی معرفت) بھیجا گیا ہے اور وہ حضرت سلیمان کا خط ہے اور مضمون اوس کا یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مجھ پر تم لوگ بڑائی نہ کرو اور سب کے سب مسلمان ہو کر میرے پاس چلے آؤ) حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ سمجھ لو کہ جو شخص حضرت محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السّلام پر اعتقاد رکھتے ہوئے سورہ الحمد کو پڑھے اور اوسمیں جو کچھ ہے اوس کو (سر جھکا کر) مان لے اور اوس کے ظاہری اور باطنی معنی پر ایمان لائے تو خداوند عالم اوس کے ہر حرف کے بدلے ایک ثواب ایسا دے گا جو دنیا سے اور دنیا کی کل چیزوں سے بہتر ہوگا۔ خواہ وہ چیزیں مال ہوں یا کوئی دوسری نعمت اور جو شخص سورہ الحمد پڑھنے والے سے توجہ کر کے سنے تو اوس کو بھی اوسی قدر ثواب ملے گا جتنا پڑھنے والے کو ملے گا۔ پس چاہیئے کہ تم لوگ اس بھلائی کو بہت زیادہ انجام دو۔ کیونکہ یہ ایک نعمت ہے ایسا نہ ہو کہ اس کا وقت نکل جائے اور تمہارے دلوں میں حسرت رہ جائے (اور افسوس کرنا پڑے)۔ [۱] (بطریق سنی) حضرت سرور عالم نے ارشاد فرمایا کہ سورہ الحمد (پڑھنے سے) زہر دفع ہوتا ہے۔ [۲] پھر ارشاد فرمایا کہ سورہ الحمد (پڑھنے سے) کل بیماری دفع ہوتی ہے [۳] پھر ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے جن چیزوں کے ساتھ مجھ پر احسان کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے تم کو فاتحۃ الکتاب دی اور وہ ایک خزانہ ہے میرے عرش کے خزانوں میں سے [۴]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدد	بزرگی یا بزرگ	خدا رحم کرنے والا سب پر	رحم کرنے والا خاص مومنوں پر

(دیکھو) (فلاں کام کرتا ہوں)، مدد سے خدائے بزرگ کے جو سب پر اور خاص کر کے مومنوں پر رحم کرنیوالا ہے

[۱] تفسیر برہان ج ۱ ص ۲۶ بحوالہ ابن بابویہ علیہ الرحمہ [۲] کنز العمال جلد ۱ [۳] کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۹ [۴] کنز العمال جلد ۱ ص ۲۰

[۵] جس طرح صورت دیکھنے کے لیے آئینہ دیکھنے والوں کی اصلی غرض صورت کو دیکھنا ہوتی ہے اور آئینہ صورت دیکھنے کا صرف ذریعہ ہوتا ہے اوسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو پکارنا یا بتانا چاہتا ہے تو اوس کا نام لیتا ہے اور نام کو جو لفظ ہے اوس کو پکارنے یا بتانے کا ذریعہ قرار دیتا ہے اور اصلی غرض اوس کی اوس شخص کی ذات سے ہوتی ہے جس کا نام لیتا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غرض کا تعلق اصل میں ذات سے ہوتا ہے اور ذات ہی سے غرض حاصل ہوتی ہے نام جو لفظ ہے صرف ذریعہ ہوتا ہے ذات کو سمجھنے اور سمجھانے کا نہ تو غرض کو اوس سے کوئی خاص تعلق ہوتا ہے (باقی حاشیہ ص ۵ پر)

(اسکی فضیلت) **بطریق شیعہ**[۱] حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب مومن پل صراط سے گذریگا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا جس سے جہنم کا شعلہ بجھ جائے گا۔ پس جہنم کہے گا کہ اے مومن جلد گذر جا کیونکہ تیرے نور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اور نہ غرض اوس سے حاصل ہوتی ہے اب دیکھو کہ بسم اللہ کے معنی میں طبرسی علیہ الرحمہ والرضوان نے تین کلام نقل کیے ہیں ایک یہ کہ اصل اسکی استعینوا بان تسموا اللہ باسماء الحسنیٰ ہے یعنی خدا سے اس طرح مدد چاہو کہ اوس کا نام لو اوس کے اسماء حسنے کے ساتھ۔ دوسرے[۲] یہ کہ اصل اس کی استعینوا باللہ ہے یعنی مدد چاہو خدا سے۔ تیسرے[۳] یہ کہ اصل اس کی ابتدئ بتسمیۃ اللہ ہے یعنی شروع کرتا ہوں ساتھ ذکر اسم اللہ کے اور طبرسی علیہ الرحمہ اس تیسرے کلام کو فرماتے ہیں کہ ادنیٰ بصواب ہے یعنی حق ہونے کا زیادہ حقدار اور حقیقت سے زیادہ نزدیک ہے اوس کی حقیقت کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ ہم کو خدا کا حکم ہے کہ ہر امر کے شروع میں اوس کا نام لیں نہ یہ کہ اوس کی بڑائی اور بزرگی کی خبر دیں جیسا کہ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کھانے۔ پینے۔ ذبح کرنے کے وقت اوس کا نام لیں۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ذبح کرنے والا اگر باللہ کہے اور بسم اللہ نہ کہے تو یہ حکم خدا کے خلاف ہوگا طبرسی علیہ الرحمہ کے آخری کلام سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ذکر خدا میں لفظ اسم کے ذکر کو ضروری سمجھتے ہیں ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ ان مرحوم نے جو تین کلام ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے پہلے اس وجہ سے کہ تینوں میں بے فائدہ تکلف ہے دوسرے اس وجہ سے کہ لفظ استعینوا کے بسم اللہ سے پہلے پوشیدہ ہونے یا لفظ اسم کے ذکر کرنے پر کوئی شاہد اور ثبوت نہیں ہے بلکہ بسم اللہ کی ب خود استعانت کے معنی میں ہے حضرت علی علیہ السلام بسم اللہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں استعین علے ہذا الامر الذی لا یحق العبادۃ لغیرہ الا لہ (برہان صفحہ ۲۹) اس فرمایش میں لفظ استعین سے ب کے معنی کو بیان فرمایا ہے اور علے ہذا الامر سے اوس فعل کو جس کو کرنا چاہے اور الذی آہ سے لفظ اللہ کے معنی کو ہشام نے حضرت جعفر صادقؑ سے اسماء خدا کو پوچھا تو حضرت جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ الاسم غیر المسمے فمن عبد الاسم فقد کفر ولم یعبد شیئا من عبد الاسم والمعنے فقد اشترک وعبد اثنین ومن عبد المعنے دون الاسم فذالک التوحید (برہان جلد ۱ صفحہ ۲۸) یعنی نام غیر ہے ذات کا پس جس نے نام کی عبادت کی وہ کافر ہوا اور کسی چیز کی عبادت نہ کی اور جس نے نام اور معنی دونوں کی عبادت کی اوس نے شرک لیا اور جس نے صرف معنی کی عبادت کی وہی موحد ہے۔ تیسرے اس وجہ سے کہ معنی اس کا ہر جگہ پر درست نہ ہوگا جب تک کہ اس کے ساتھ لفظ فی اکلی (اپنے کھانے میں)، فی شربی۔ (اپنے پینے میں) مثلاً اضافہ کر کے یوں نہ کہا جائے۔ **استعین فی اکلی باللہ** یعنی مدد چاہتا ہوں اپنے کھانے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶ پر ملاحظہ ہو)

[۱] اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا کے ننانوے نام ہیں اگر اسم (نام) اور مسمیٰ (ذات) دونوں ایک ہوں تو ہر نام خدا ہو جائے گا لیکن ذات خدا ایک معنی ہے جس کو یہ نام بتاتے ہیں اور یہ کل نام ذات سے جدا ہیں اے ہشام خبز نام ہے روٹی کا ماء نام ہے پانی کا ثوب نام ہے کپڑے کا نار نام ہے جلانے والی چیز کا کیوں ہشام سمجھ گئے ۱۲۔

نے میرے شعلے کو بجھا دیا ۲ حضرت پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ خداوند عالم اوس کو جہنم کے اونیس شعلوں سے نجات دے اوس کو چاہیئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے جس میں انیس حروف ہیں تاکہ خداوند عالم ہر حرف کو ایک شعلہ کے لیے سپر قرار دے ۳ حضرت پھر ارشاد

(بقیہ حاشیہ ص۵) میں خدا سے اور ابتدائی اکلی باسم اللہ یعنی شروع کرتا ہوں اپنا کھانا خدا کے نام سے اور یہ سب تطویل لاطائل ہے۔ چوتھے اس وجہ سے کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ الفاظ صرف ذات کی طرف اشارہ کا ذریعہ ہوتے ہیں اور اصل غرض ذات سے متعلق ہوتی ہے اور اوسی سے حاصل ہوتی ہے۔ لفظ کو غرض کے حاصل ہونے میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ پس مدد لفظ اللہ سے نہیں چاہی جاتی بلکہ ذات پروردگار سے چاہی جاتی ہے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ فانی فافزعوا فی کل اما تاخذون وترجون بتمامہ وبلوغ غایتہ (برہان ص۲۸ جلد ا) یعنی جس امر کو چاہتے ہو کہ پورا ہو جائے اور اپنی آخری حد تک پہونچ جائے تو اوسکے شروع میں میری طرف پناہ لو۔ اور اس سے بدتر یہ ہے کہ لفظ اسم کو غرض کے حصول میں موثر سمجھا جائے کیونکہ لفظ اسم خدا کے ناموں میں داخل نہیں ہے طبرسی علیہ الرحمہ کا لفظ اسم کے ذکر کو ضروری سمجھنا تعجب خیز ہے صحیح یہ ہے کہ ہر امر کے ابتدا میں کو خدا کا نام لینا چاہیئے لیکن خدا کا نام نہ لفظ اسم۔ جو اوس کا نام نہیں ہے ہم قرآن اور حدیث جس کو بھی دیکھتے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ غرض کے حصول میں خدا کی ذات کو دخل ہے خواہ لفظ اللہ سے پکاریں یا اسماء حسنیٰ میں سے کسی دوسرے لفظ سے۔ لفظ اسم کے دخل کا پتہ کہیں سے نہیں ملتا۔ خداوند عالم نے سورہ الحمد میں ایاک نستعین (خاص تیری ذات سے مدد چاہتا ہوں) فرمایا ہے بلفظ اسم اللہ نستعین نہیں فرمایا۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بسم اللہ کی تفسیر میں الذی لا یحق العبادۃ لغیرہ الا الہ فرمایا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا بسم الذی نہیں طبرسی مرحوم کی یہ فرمائش کہ ذبح میں اگر بعوض بسم اللہ کے باللہ کہے تو مخالف حکم ہوگا۔ تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ یعنی نہ کھاؤ اس چیز سے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اور خدا کا نام اللہ اور دوسرے اسماء حسنیٰ ہیں نہ لفظ اسم یا اسم اور اللہ سے مرکب۔ اور حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تاکل ذبیحتہ اذا ذکر اللہ عز وجل (وسائل الشیعہ جلد ۳ کتاب فی باخ ص۲۴۴ باب ۲۷) یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ کھا سکتے ہو اگر وہ اللہ عز وجل کا ذکر کریں۔ حضرت نے اسم اللہ نہیں فرمایا بسند صحیح محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے معصوم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص نے سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ یا الحمد للہ کہہ کر ذبح کیا ہے تو فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے یہ سب خدا کے نام ہیں (وسائل جلد ۳ کتاب باخ باب ۱۶ ص۲۴۲) بحوالہ کافی و تہذیب و من لا یحضرہ الفقیہ اور فقہاء نے اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے (دیکھو مسالک و کفایہ وغیرہ) پس صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کی ....

ع لفظ اللہ سے اپنی ذات اقدس کو مراد لیا ہے اور لفظ اسم سے اسماء حسنیٰ میں سے کسی ایک نام کو نہ خاص کر کے فقط اسم اللہ کو ۱۲۔

فرماتے ہیں کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے خداوند عالم اوس کے نامہ عمل میں حرف کے بدلے چار ہزار نیکیاں لکھے گا اور چار ہزار گناہ مٹائے گا اور چار ہزار درجے اوس کا مرتبہ بڑھائے گا[۱۲] پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جب معلوم کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھاتا ہے۔

- - - - - - - (بقیہ حاشیہ ص۶) ب مدد کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث مذکور بالا میں ذکر کیا گیا اور اسم نکالا گیا ہے سمو سے جو علو اور عظمت کے معنی میں ہے اور وسم یا سمۃ سے اس کا نکالا جانا جیسا کہ بعض نے کہا ہے صحیح نہیں ہے (مجمع البیان جلد ا ص۲) پس یا تو لفظ اسم کو جو اسم مصدر ہے اوس کے اضافی معنی پر باقی رکھ کر اسم اللہ کا معنی عظمۃ اللہ و علو اللہ لیا جائے گا اور بسم اللہ کا معنی یوں کیا جائے گا۔ خدا کی عظمت کی مدد سے فلاں کام کرتا ہوں۔ جیسے بحول اللہ و قوتہ اقوم و اقعد کا معنی خدا کی قدرت و قوت کی مدد سے اٹھتا اور بیٹھتا ہوں۔ یا اس بنا پر کہ خدا کے صفات عین ذات ہیں اضافت صفت بسوئے موصوف کے قاعدے سے مثل زید عدل کے اس کو بطور مبالغہ کے قرار دے کر معنی اسم اللہ کا خدائے برتر قرار دیا جائے اور بسم اللہ کا معنی یوں کیا جائے (فلاں کام کرتا ہوں خدائے برتر کی مدد سے) اور محاورہ کے لحاظ سے فصیح اور مناسب بھی یہی معنی ہے۔ اور "خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں" معنی کرنا صواب و استقامت سے ہٹا ہوا ہے اور خدا کے کلام میں جو بسم اللہ ہے خواہ قرآن میں ہو یا غیر قرآن میں اوسکے پہلے لفظ قل (کہو) کو پوشیدہ ماننا ضروری ہے کیونکہ اوس بسم اللہ کو اپنے فعل کی ابتداء کے لیے خدا خود نہیں کہنا چاہتا بلکہ وہ بندوں کی تعلیم کے لیے اون کو حکم دیتا ہے کہ تم کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم **تنبیہ** یہ اشتباہ نہ ہو کہ "مدد سے" میں جب ب مدد کے معنی میں ہوئی تو لفظ "سے" کا اضافہ کہاں[عہ] سے ہوا۔ کیونکہ یہ لفظ "سے" اردو کے محاورہ کی وجہ سے بڑھا ہے جیسے سئلت زیدا (پوچھا زید سے) میں لفظ "سے" مفعول کے معنی میں بڑھ گیا ہے دیکھو عربی محاورہ میں یہ اضافہ نہیں ہوا کیونکہ حضرت علی علیہ السلام نے گذشتہ حدیث میں بسم اللہ کی تفسیر میں اَسْتَعِینُ عَلٰی هٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ لَا یَحِقُّ اہ فرمایا ہے یا لذی لا یحق نہیں فرمایا ہے اور لغہ میں بھی لفظ استعانت کے بے صلہ کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا ہے چنانچہ صاحب منجد نے استعان فلانا و بفلان دونوں طرح کے استعمال کو جائز لکھا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ ب مدد کے معنی میں ہے اور لفظ "سے" اردو محاورہ کی وجہ سے بڑھا ہے عہ (اللہ) (دھریہ) دہریہ خدا کو موجود نہیں مانتے آگے چل کر انشاء اللہ تعالےٰ مناسب مقام میں میں کافی دلیلیں ان کے اس عقیدہ کی رد میں لکھوں گا اس مقام پر صرف یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ ان کی عقلوں کی آخری حد یہ ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ ایک پہاڑ کے نیچے لوہے کے ریزے پڑے تھے اون پر پانی برسا پس وہ ریزے پانی سے ملکر اکٹھے ہوئے اور رفتہ رفتہ پرزے وغیرہ بنتے بنتے ایک

(عہ یعنی لفظ سے کے بڑھ جانے سے معین ہوتا ہے کہ ب کا معنی "سے" ہے اور بسم اللہ سے پہلے استعینو پوشیدہ ہے جیسا کہ گذشتہ دو کلام میں لکھا۔ ۱۲-

تو خداوند عالم خود بچہ کے لیے اور اوس کے ماں باپ کے لیے اور پڑھانے والے کے لیے جہنم کی آگ سے نجات کا پروانہ لکھ دیتا ہے [1] بطریق سُنّی۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ جس دعا کے پہلے بسم اللہ

(بقیہ حاشیہ صلہ) انجن ریل کا تیار ہوگیا اور اوس کے آگے بجلی کی روشنی بھی پیدا ہوگئی اور اندر اوس کے آگ بھی دہکنے لگی اور بغیر ڈرائیور کے دوڑتا ہوا پٹری پر چڑھ کر دوڑتا اور ہر اسٹیشن پر ٹھہرتا تھا" تو کہنے والے پر ہنستے اور اوس کو بے عقل سمجھتے ہیں لیکن آفتاب و ماہتاب وغیرہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مٹی کے ذروں اور پانی کے باہم ملنے سے یہ چیزیں خود بخود پیدا ہوگئی ہیں نہ ان کا کوئی بنانے والا ہے نہ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک حرکت دینے والا (حمیدیہ ص۱۰۲ و ۱۱۳ و ۱۱۴) حالانکہ انجن کی صنعتوں (کاریگروں) کو آفتاب و ماہتاب وغیرہ کی صنعتوں سے اوتنی بھی نسبت نہیں ہے جو ایک عدد کو ایک سو کروڑ سے ہے پس یا تو یہ عقیدہ ان کی انتہا بے عقلی کا ثبوت ہے یا انتہا عناد و دشمنی کا ذات پروردگار سے اور انتہا بہیمیت و نفس پرستی کا کہ مذہب کی پابندیوں میں داخل ہونا نہیں چاہتے۔ (عیسائی) عزیزم اجتبیٰ حسین سلمہ فرزند ارجمند جناب داروغہ اظہر حسین صاحب مرحوم نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک عیسائی نے لکھا ہے کہ لفظ اللہ اسلام میں کفار قریش سے لیا گیا ہے اصل اس کی لاہ ہے جس پر الف لام بڑھا دیا گیا ہے اور لفظ لاہ مذکر ہے اور لفظ لات مونث کا جو طائف کے بنی ثقیف کی دیوی تھی **جواب** یہ اعتراض جہالت اور نادانی اور تعصب سے پیدا ہوا ہے کیونکہ اوّلاً میں نہیں کہتا بلکہ ایک عیسائی ہی کہتا ہے جو علوم عربیت کا ماہر ہے یعنی لوئس معلوف عیسائی بیروت کا رہنے والا المنجد میں لکھتا ہے کہ لات نام ہے بت کا جو "ل۔ وت" کے مجموعہ یعنی لفظ لَوْتٌ سے نکالا گیا ہے جس کا معنی چھپانا اور سوال کے خلاف خبر دینا اور لفظ اللہ ا۔ ل۔ ہ کے مجموعہ یعنی لفظ اَلَهٌ سے نکالا گیا ہے جس کا معنی عبادت کرنا ہے اور اللہ کا معنی ذات واجب الوجود (جو مستحق عبادت ہے) اور میرے ائمہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متعدد حدیثوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ مشتق من اَلَهَ و اَلَهٌ یقتضی مالوھا یعنی لفظ اللہ بنایا گیا ہے اَلَهٌ سے جس کا معنی عبادت کیا ہے اور عبادت چاہتی ہے معبود کو (اور معبود اللہ ہے) دوسرے لات نام ہے اور اللہ صفت چنانچہ مولانا ابوالفتح محمد بن علی کراجکی علیہ الرحمہ شاگرد شیخ مفید و سید مرتضےٰ و شیخ طوسی علیہ الرحمۃ والرضوان جو ہمارے مذہب کے بہت بڑے عالم فقیہ اور متکلم گذرے ہیں ....

[1] تفسیر برہان جلد ۱ ص۲۷ چاروں حدیثیں ۱۲۔

الرحمن الرحیم پڑھا جائے وہ دعا رد نہیں ہوتی۔ (یعنی ضرور مقبول ہوتی ہے) پس قیامت کے دن میری امت کے لوگ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے آئیں گے۔ جس سے ترازو پر ان کی نیکیوں کا بوجھ بھاری ہو جائے گا پس دوسری امت کے لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و

(بقیہ حاشیہ صفحہ) تحریر فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم کے کل ناموں کی بازگشت صفت کی طرف ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ معانی پر دلالت کرتے ہیں اور فائدوں کو شامل ہیں۔ ان ناموں میں کوئی نام ایسا نہیں ہے جو معنی وصفی سے خالی ہو پھر فرماتے ہیں کہ واجب ہے کہ خدا کے کل نام معانی (وصفی) پر دلالت کریں جس طرح صفتیں دلالت کرتی ہیں۔ (کنز الفوائد کراجکی رہ صفحہ ۲) (آریہ) آریہ مذہب کے موجد دیانند جی نے بسم اللہ پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ اگر قرآن خدا کا کلام ہوتا تو شروع ساتھ نام اللہ کے نہ کہتا بلکہ شروع واسطے ہدایت انسانوں کے کہتا دوسرے یہ کہ اگر انسانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ تم ایسا کہو تو وہ بھی درست نہیں کیونکہ اس سے گناہ کا شروع بھی خدا کے نام سے ہونا صادق آئے گا اور خدا کا نام بھی بدنام ہو جائے گا[1] جواب: مسلمان اور آریہ خدا کو ہادی مانتے ہیں دونوں شریک ہیں اور ہدایت کرنیوالے کا فریضہ اور وظیفہ یہ ہے کہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اسکو ہر اچھے کام کی ہدایت کرے۔ لیکن حکیم اور سمجھدار اور بے عقل اور بے سمجھ اور مہذب اور غیر مہذب ہادی میں فرق یہ ہے کہ حکیم اور عاقل اور مہذب ہادی اچھے اور برے میں فرق کو سمجھتا اور اچھے کام کی ہدایت کرتا اور برے کام سے منع کرتا ہے اور اچھے کاموں میں بھی ہر ایک کام کے درجوں کو پہچانتا اور اعلےٰ درجے کے اچھے کام کو پہلے اور ہر حال اور ہر وقت میں کرنے کا اور اس سے پست درجہ کے اچھے کاموں کو خاص خاص وقتوں میں کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے عقل اور بے سمجھ اور غیر مہذب ہادی اپنی بے تمیزی اور ناسمجھی سے زیادہ تر تو اعلےٰ درجہ کے کاموں کو نہ پہچاننے کی وجہ سے ان کی ہدایت ہی نہیں کرتا اور جن کاموں کی ہدایت کرتا بھی ہے تو ان کے آپس کے درجوں اور مرتبوں کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور بسا اوقات برے کام کو اچھا سمجھ کر اس کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور اچھے کام کو برا سمجھ کر اس کو چھوڑنے کی فرمائش کرتا ہے! اسلامی خدا! چونکہ حکیم اور عاقل اور مہذب ہے اور جانتا ہے کہ احسان اور بھلائی کرنے والوں کے حق کو پہچاننا انسانیت کا اصلی معنی اور مغز ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ احسان کرنے والے کے احسان سے اس کا احسان بڑھا ہوا ہے۔ جس نے پیدا بھی کیا اور ہر طرح کی نعمتوں سے ہر وقت اور ہر لحظ سرفراز بھی کرتا رہتا ہے اور ایسا محسن اسی کی ذات اقدس ہے۔ اسی واسطے اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے اور ہر حالت میں اس یاد کرتے رہیں اور اس کا نام لیتے رہیں کیونکہ شکر گزاری کی یہ اعلےٰ فرد اور اعلےٰ صورت ہے اور چونکہ ہر مددگار سے اس کی طاقت بڑھی ہوئی ہے اور اس کی بے انتہا

[1] (ستیارتھ پرکاش شروع باب ۱۴ دربارہ تحقیق مذہب اسلام صفحہ ۶۷۱ چھاپہ لاہور ۱۲)

[2] وھدوا الی الطیب من القول وھدوا الی صراط الحمید (سورہ حج پ ۱۷ آیت ۲۳) یعنی لوگ ہدایت کئے گئے اچھی بات کی طرف اور اچھی راہ کی طرف ۱۲ منہ [3] ستیارتھ پرکاش باب پہلا صفحہ ۱۴ ذکر معنی ادم نمبر ۵۔ ۱۲۔ اس میں اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے جیسے سورہ بینہ پ ۳۰ کی چوتھی آیت میں ذالک دین القیمۃ بھی اسی قسم سے ہے۔ ۱۲۔

کی امت کے ترازو کا پلہ کس قدر جھکا ہوا ہے۔ تو انبیاءؑ جواب دیں گے کہ ان کی ہر بات کے شروع میں خدا کے ناموں میں سے تین نام (اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم) ایسے ہوا کرتے تھے کہ اگر وہ ایک پلہ پر رکھے جائیں اور دوسرے پلہ پر تمام دنیا کی برائیاں رکھیں جائیں جب بھی ان ناموں کا ثواب

(بقیہ حاشیہ صہ ۹) قوت کوئی روک نہیں رکھتی اس واسطے اپنے بندوں کو مجتہدانہ حکم دیتا ہے کہ اپنے ہر جائز کام میں مدد بھی اسی سے چاہیں اور یہ دونوں باتیں یعنی شکریہ اور مدد خواہی بسم اللہ پڑھتے رہنے سے حاصل ہو جاتی ہیں اسی وجہ سے بسم اللہ کے متعلق ہمارے پروردگار حکیم کی دو ہدایتیں ہیں ایک اس کو زیادہ اور ہر حال میں پڑھنے کی. دوسرے ہر جائز کام کے شروع میں پڑھنے کی. پس بسم اللہ کا صحیح معنی یہ ہے: "کرتا ہوں اس کام کو خدائے برتر کی مدد سے". اور خدا کے کلام میں جو بسم اللہ ہے اس کے معنی کے پہلے لفظ: "کہو" بڑھ جائے گا اور مسلمانوں کا خدائے عادل اور حکیم چونکہ برے کاموں سے منع کرتا ہے[۱] اور ان کے کرنے کا حکم نہیں دیتا ہے[۲]۔ اس واسطے ان کے کرنے والوں کی ان کے کرنے کے وقت مدد بھی نہیں کرتا اور یہ عقلی بات ہے کہ جس بات کو عاقل اچھا نہیں سمجھتا اور اس سے منع کر دیتا ہے اس میں مدد نہیں دیتا۔ اور علاوہ اس کے کہ مدد نہ دینے کی صورت میں اس کو مددگار ظاہر کرنا غلط اور جھوٹ ہے وہ اس پر بھی راضی نہیں ہے کہ برا کام کرنے والا اس کام کے وقت اس کو اپنا مددگار ظاہر کرے۔ بلکہ ایسے وقت میں وہ اپنی یاد کو بھی نہیں چاہتا بلکہ اپنا نام لینے سے آزردہ ہوتا اور اس کو اپنی توہین سمجھتا ہے۔ اس لئے برا کام کرنے کے وقت بسم اللہ کہنے کا وہ حکم نہیں دیتا بلکہ کہنے پر وہ راضی نہیں ہے۔ اور ویدی خدا اگنی (یعنی آگ یا آتشین صفت) چونکہ بے شعور رہے اس واسطے اس کو اچھی بری چیز اور اچھی چیزوں کے درجوں میں تمیز اور پہچان نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ایک تو اس نے حقیقی محسن اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ ہی نہیں بتایا اور نہ اس کو یاد کرنے اور اس سے مدد چاہنے اور اس کا نام لیتے رہنے کی ہدایت کی۔ دوسرے نیوگ کو اچھا سمجھ کر اپنی ماننے والی یعنی وید پرست شوہر دار عورتوں کو دس دس مردوں سے اپنی ناموس مٹوانے کا حکم دیدیا۔ تیسرے اپنی فطری بے شعوری کی وجہ سے اس نے ظالم اور مظلوم میں فرق نہ کر کے غیر ویدی کو ہلاک اور فنا کرنے کا حکم دیدیا ہے[۳]۔ اگر ویدی خدا سمجھدار اور عاقل اور انصاف ور ہوتا تو مظلوم کی مدد کرتا۔ اگرچہ وہ غیر ویدی ہو اور ظالم کو فنا کرنے کا حکم دیتا اگرچہ وہ ویدی ہو۔ وید کی یہ ظالمانہ تعلیم بتاتی ہے کہ اس کا خدا بے شعور و ظالم اور یہ مذہب فاسد ہے: [۴] (الرحمین الرحیم) عیسائی۔ پادری عماد الدین[۵] لکھتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم "پہلی آیت قرآن کی غلط اور فصاحت سے خارج اور عام لوگوں کی

[۱] ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی (سورہ نحل پ ۱۴۔ آیت (۹) یعنی البتہ خدا حکم دیتا ہے انصاف اور بھلائی کرنے کا اور عزیزوں کے حقوق ادا کرنے کا اور منع کرتا ہے برے کام اور ظلم اور بغاوت یعنی ناجائز طرفداری سے [۲] ان اللہ لا یامر بالفحشاء (سورہ اعراف پ ۸ آیت ۲۷) البتہ خدا برے کاموں کا حکم نہیں دیتا ۱۲ [۳] دیکھو یجر وید ادھیا ۱۳ منتر ۱۲ وادھیا ۱۵ منتر ۱۶ و ادھیا ۱۶ منتر ۶۵ و ادھیا ۱۶ منتر ۶۶ وادھیا ۱۵ منتر ۱۹ و ادھیا ۱۵ منتر ۱۸ [۴] پادری عماد الدین معمولی لیاقت کے ایک مسلمان سنی المذہب تھے دنیاوی منفعت کی غرض سے عیسائی ہو گئے تھے۔ عربی فارسی، انگریزی سب سے بے بہرہ تھے جیسا کہ انکی کتاب ہدایۃ المسلمین سے صاف معلوم ہوتا ہے ۱۲

۱۲

بحاری نکلے گا ۔ ؎۲ ابن عباس کہتے ہیں کہ (خلیفہ سوم) عثمان بن عفان نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق سوال کیا تو حضرت ؐ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم کے ناموں میں سے یہ ایک نام ہے اور یہ نام اسم اعظم سے اسی قدر نزدیک ہے جتنا آنکھ کی سیاہی اس کی سفیدی سے ؎۲ ؎۳ حضرت علیؑ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اچھی طرح پڑھا کرے ، اسکے گناہ بخش دیئے

(بقیہ حاشیہ ص۱۰) گفتگو ہے۔ کیونکہ لفظ رحیم بہ نسبت رحمن کے عام ہے اور رحیم ادنے اور رحمن اعلیٰ ہے فصحائے عرب کی عادت ہے کہ صفات میں ادنے سے اعلیٰ کی طرف ترقی کیا کرتے ہیں۔ محمد صاحب نے اعلیٰ سے ادنے کی کی طرف ترقی کی۔ پس ان کو یوں کہنا چاہیئے تھا بسم اللہ الرحیم الرحمن ؎۵ جواب نمبر۱ پادری صاحب نے اس کے غلط ہونے پر کوئی ثبوت پیش نہیں کیا اور بے ثبوت دعوے ماننے کے لائق نہیں ہوتا ۔ ۲ پادری صاحب کو اتنی لیاقت نہ تھی کہ غلط اور غیر فصیح میں فرق کو سمجھتے۔ کیونکہ غلط اس کلام کو کہتے ہیں جو صرف۔ نحو کے قاعدوں اور لغوی معانی کے مخالف ہو اور غیر فصیح اس کو کہتے ہیں جو علم معانی بیان کے قاعدوں کے مخالف ہو۔ اور رحمن ورحیم کی ترتیب میں نہ تو کوئی صرفی یا نحوی قاعدوں کی مخالفت ہے۔ نہ لغوی معانی کی اور نہ یہ دونوں لفظ غیر فصیح الفاظ میں سے ہیں۔ رہی بلاغت تو اس کا معنی یہ ہے کہ کلام حال کے مطابق لایا جائے (جس کو مقتضائے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور ان دونوں کی ترتیب مقتضائے حال کے بالکل مطابق اور بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر قائم ہے۔ اس واسطے کہ ایک تو پادری صاحب کا یہی کلام غلط اور بے ثبوت ہے کہ فصحاء عرب ادنے سے اعلیٰ کی طرف ترقی کیا کرتے ہیں کیونکہ ابھی ذکر کیا گیا کہ بلاغت کا معنی یہ ہے کہ مقتضائے حال کے مطابق کلام واقع ہو۔ اور جلیل القدر کی جلالت اور بزرگی یہ چاہتی ہے کہ اس کا نام اگر دوسروں کے ساتھ ذکر کرنا مقصود ہو تو اس کا نام پہلے ذکر کیا جائے خاص کر کے اس وقت جب کہ اس کی ہستی بھی دوسروں کی ہستی پر مقدم ہو۔ اور رحمن چونکہ خدا کا خاص نام ہے اور رحیم عام لفظ جو دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے اور خدا کی جلالت قدر دوسروں کی عزت و منزلت سے بڑھی ہوئی ہے اور اس کا وجود اور ہستی بھی سب کی ہستی سے پہلے اور سب کے وجود پر مقدم ہے اس لئے مقتضائے حال یہی چاہتا ہے۔ کہ اس کا خاص نام اور خاص صفت دوسروں کے نام اور صفت سے پہلے ذکر کی جائے اور رحمن اور رحیم کی ترتیب اس کے مطابق ہے۔ دوسرے پادری صاحب جو یہ کہتے ہیں کہ "فصحاء ادنے سے اعلیٰ کی طرف ترقی کیا کرتے ہیں"۔ تو یہ امر بھی اس میں موجود ہے۔ کیونکہ لفظ

؎۱ برہان جلد۱ ص۲۷ بحوالہ ربیع الابرار زمخشری ۱۲۔ ؎۲ کنز العمال جلد۱ ص۲۲۰ نمبر حدیث ۸ ۵۔ ۲۴ ۱۔ ؎۳ تفسیر العرفان ص۲۰۵۔ بحوالہ کتاب ہدایۃ المسلمین مصنفہ پادری عماد الدین لہز۔

(حاشیہ ص۱۰)

جائیں گے [1] واضح ہو کہ بسم اللہ کے متعلق علماء اسلام میں دو بحثیں معرکۃ الآرا ہیں۔
۱۔ بسم اللہ سوروں کا جزو ہے یا نہیں ۲۔ اس کو نمازوں میں پڑھنا کیسا ہے۔

﴿ پہلی بحث ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوروں کا جزو ہے ہمارے کل علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ الحمد کا اور کل سوروں کا جزو ہے اور علیٰحدہ مستقل ایک آیت ہے جو شخص اس کو نماز میں نہ پڑھے اس کی نماز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اور حدیث دونوں اس بات میں متفق ہیں کہ خداوند منان کو رحمٰن اس وجہ سے کہتے ہیں کہ دنیاوی نعمتیں دینے والا ہے اور رحیم اس وجہ سے کہ اُخروی نعمتوں سے بہرہ مند کرنے والا ہے۔ چنانچہ مولانا سید نور الدین جزائری جو بادری صاحب سے سیکڑوں برس پہلے گیارہویں صدی میں گذر گئے ہیں فروق اللغات میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ الرحمٰن لا یطلق علی غیرہٖ تعالیٰ کما سبق واما صفۃ عمومہٖ فلانّ رحمتہٗ فی الدنیا شاملۃٌ للمومن والکافر واما الرحیم فیطلق علی غیرہٖ تعالیٰ واما صفۃ خصوصہٖ فلانّ رحمتہٗ فی الآخرۃ لا تشمل الا المومن [2]۔ یعنی لفظ رحمٰن غیر خدا پر بولا نہیں جاتا۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ لیکن اس کا معنی وصفی اس بنا پر تمام ہے کہ خدا کی دنیاوی رحمتیں مومن اور کافر دونوں کو شامل ہیں اور لفظ رحیم غیر خدا پر بھی بولا جاتا ہے اور اسکے معنی وصفی کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی اخروی رحمت صرف مومن کو ہی شامل ہوتی ہے۔ اور امام ہمام اور پیشوائے انام حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ الرحمٰن الذی یرحم بِبَسط الرزق علینا۔ الرحیم بنا فی ادیاننا و دنیانا و آخرتنا [3]۔ یعنی اس ذات اقدس کو رحمٰن اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ (کل مخلوقات پر) رزق کو پھیلائے ہوئے ہے۔ (اور دنیا کی ہر نعمت کو رزق کہتے ہیں) اور اس کو رحیم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہمارے دین اور دنیا اور آخرت سب کے متعلق اس کی رحمتیں ہم لوگوں کے شامل حال ہیں۔ اور ہمارے امام و پیشوا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ الرحمٰن بجمیع العالم و الرحیم بالمومنین خاصۃ [4]۔ یعنی رحمٰن کا معنی کل مخلوقات پر رحم کرنے والا ہے اور رحیم کا معنی خاص مومنوں پر رحم کرنے والا۔ اس سارے سے معلوم ہے کہ دنیاوی نعمتیں جو کفار تک کو شامل ہیں پست ہیں اور اخروی نعمتیں جو خاص مومنوں کے لئے ہیں اور کفار کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے اعلیٰ ہیں۔ اور ان کی پستی اور بلندی اس وجہ سے

لفظ رحمٰن سے جزو سورہ ہونے پر شیعوں کا اتفاق، شیعہ و سنی کا اختلاف اور رحمٰن رحیم کی تائید

[1] کنز العمال جلد اصفحہ ۲۲۲ نمبر حدیث ۵۶۰۴ - ۱۲ - ۵۰۰ سورہ سورہ برات کے ۱۲ [2] فروق اللغات صفحہ ۲۸ چھاپہ ایران ۱۲ [3] تفسیر برہان جلد اصفحہ ۲۹

باطل ہے۔ خواہ وہ نماز واجب ہو یا مستحب (مجمع البیان) اور علمائے اہل سنت میں سے شافعی[۱] اور ابن کثیر اور عاصم اور کسائی اور عبد اللہ بن مبارک اور مکہ اور کوفہ کے کل قاری اس امر میں علمائے شیعہ کے بالکل موافق ہیں اور شافعی[۲] کا دوسرا کلام یہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صد ۱۲) نہیں ہے کہ ایک میں کفار بھی شریک ہیں اور دوسری میں خاص مومنوں کا حصہ ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ دنیا کی نعمتیں چند روزہ ہیں اور آخرت کی ہمیشہ کے لئے۔ اور دنیا کی نعمتیں وہ لذت اور نفاست اور فائدہ نہیں رکھتیں جو اخروی نعمتوں میں ہے۔ اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ لفظ رحمٰن اور رحیم کی ترتیب میں لفظی اور معنوی دونوں طرح کی بلاغت ہے جو بلاغت کا اعلےٰ مرتبہ ہے لفظ رحمٰن کا پہلے مذکور ہونا لفظ کے لحاظ سے خداوند جلیل کی کمال عظمت اور جلالت کو اور اس کی ہستی کے کل موجودات کی ہستی پر مقدم ہونے کو بتاتا ہے اور معنی کے لحاظ سے ادنےٰ (یعنی دنیاوی نعمتوں) سے اعلےٰ (یعنی اخروی نعمتوں) کی طرف ترقی کو جس کو پادری صاحب چاہتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ان دونوں باتوں کو اپنی ایک مختصر سی فرمائش میں اشارۃً ذکر فرما دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلرَّحمٰنُ اسمٌ خاصٌّ بِصِفَۃٍ عامَّۃٍ وَالرَّحِیمُ اسمٌ عامٌّ بِصِفَۃٍ خاصَّۃٍ[۱] یعنی رحمٰن خاص نام ہے جس کا معنی وصفی عام ہے (مومن و کافر کے لئے) اور رحیم اسم عام ہے جس کا معنی وصفی خاص ہے۔ (مومن کے لئے) اس پورے بیان سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ پادری صاحب کو فصاحت اور بلاغت میں فرق معلوم نہ تھا اور یہ نہیں جانتے تھے کہ لفظ فصاحت کہاں بولا جاتا ہے اور لفظ بلاغت کہاں پر۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ رحمٰن اور رحیم کے معنی کو بھی نہیں جانتے تھے۔ نمبر۳ ان کو اپنے گھر کی خبر بھی نہ تھی۔ کیونکہ زبور کے باب ۸۶ آیت ۱۵ میں ہے۔ ایل رحوم وحنون اور پھر باب ۱۰۳ آیت ۸ میں ہے رحوم وحنون یہوا ۸۔ اس عبارت کا ترجمہ ولیم کلن قسیس اکسی ومعلم علم الٰہی نے اصل عبرانی زبان سے فارسی زبان میں یوں کیا ہے: "خداوند رحمٰن ورحیم است" نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۵۶ء[۲] پس اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں پہلے رحمٰن اس کے بعد رحیم کے ہونے سے بقول پادری صاحب کے یہ کلام غلط اور غیر فصیح اور عامیانہ ہے۔ تو زبور میں بھی چونکہ رحیم سے رحمٰن پہلے ہے۔ اس لئے وہ بھی غلط اور غیر فصیح اور عامیانہ ہے۔ پس جو جواب پادری صاحب اس کا دیں گے وہی جواب ہم بسم اللہ کے متعلق دیں گے۔ آریہ ہ۔ آریہ مذہب کے موجد اور جاننے والے یعنی دیانند جی خدا کے رحمٰن ورحیم ہونے پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر وہ رحم کرنے والا ہے تو اس نے اپنی مخلوق میں انسانوں کے آرام کے واسطے دوسرے جانداروں کو مار کر سخت ایذا دلا کر اور ذبح کرا کر گوشت

[۱] مجمع البیان جلد ا صد چھاپہ طہران ۱۲۔ [۲] تنزیہ الفرقان صد ۲۱۵ بحوالہ ترجمہ زبور۔

سوروں کا جزو ہے۔ لیکن سورہ الحمد کی پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا جزو ہے اور ان کے بعض شاگرد سورۂ الحمد کا جزو ہونے میں تو موافق ہیں۔ لیکن دوسرے سوروں کا اس کو جزو نہیں سمجھتے۔[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) کھانے کی انسانوں کو اجازت کیوں دی کیا وہ ذی روح بے گناہ اور خدا کے بنائے ہوئے نہیں ہیں

جواب:۔ ہمارا گوشت کھانا اکثر ذی روح کے لئے فطرتی چیز ہے جس کو کوئی بدل نہیں سکتا اور نہ کھانا خلاف فطرت ہے۔ اور فطرتی امر پر اعتراض کرنا عاقل کا کام نہیں ہے۔ دیکھو کسی چیز سے یہ پوچھنا کہ پاؤں سے کیوں چلتے ہو۔ منہ سے کیوں کھاتے ہو۔ آنکھوں سے کیوں دیکھتے ہو۔ زبان سے کیوں بولتے ہو۔ کان سے کیوں سنتے ہو اور کھانا کیوں کھاتے ہو۔ نیند کیوں سوتے ہو۔ اسی طرح دوسرے فطرتی فعلوں پر اعتراض کرنا اس کا کام ہے جس کا دماغ دیوانوں کے دماغ سے بھی زیادہ خراب ہو۔ کیونکہ اکثر افعال دیوانوں کے بھی فطرت کے مطابق ہوتے ہیں اور وہ ایسے فعلوں پر اعتراض نہیں کرتے۔ رہا اس کا ثبوت کہ گوشت کھانا فطرت کے مطابق ہے تو کسی ذی ہوش پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ دنیا میں چار قسم کی چیزیں ہیں ایک جمادات جیسے کنکر پتھر مٹی وغیرہ جو نہ جاندار ہیں نہ بڑھنے والی۔ دوسری نباتات جو جاندار تو نہیں ہیں لیکن باڑھ رکھتی ہیں۔ جیسے گھاس اور درخت وغیرہ۔ تیسری چیز حیوانات جو جاندار ہیں جن میں کیڑے اور مچھلیاں اور سانپ اور بچھو اور پرند اور چارپائے وغیرہ سب داخل ہیں۔ چوتھی چیز انسان ہے اور ان میں سے ہر ایک چیز کھانے کی محتاج ہے اور خالق عالم نے ہر ایک کو دوسرے کی غذا قرار دی ہے۔ جانداروں میں سے بعض کی غذا مٹی ہے اور بعض کی نباتات اور بعض کی گوشت اور بعض کی کئی چیزیں۔ منجملہ ان جانداروں کے ایک انسان ہے۔ جس کی معمولی غذا بعض نباتات ہیں اور بعض غلے اور بعض چیزوں کا گوشت اور ان غذاؤں سے نہ تو عقل روکتی ہے نہ مذہب نے منع کیا ہے ہاں بعض انسان جو غیر معمولی چیزیں کھاتے ہیں۔ جیسے اوگھڑ بول و براز کھاتے پیتے ہیں تو وہ چونکہ دیدی دھرم اور ہندو ہیں۔ شاید ان کے وید نے اسکی اجازت دی ہو جیسے گائے نہ کھانے والوں کو اس کی پرستش نے ان کو روکا ہے۔

[۲] دیانند جی نیوگ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جیسے ایک کی لڑکی کا دوسرے کے کمار (یعنی لڑکے) کے ساتھ شاستر کے فرمودہ طریقہ کے مطابق بیاہ ہونے پر مجامعت میں زناکاری یا گناہ شرم نہیں ہوتا۔ ویسے ہی وید شاستروں کے فرمان کے مطابق نیوگ میں زناکاری گناہ اور شرم نہ ماننی چاہیے۔[۳] اس تحریر کے مطابق جب شاستر اور وید کے حکم کی وجہ سے عزت دار عورتوں کو باوجود شوہر دار ہونے کے جو غیر مردوں میں سے گیارہ نفر سے اپنی آبروریزی کرانا جائز سمجھا تاہے۔ اور وہ گناہ اور شرم کی چیز نہیں سمجھی جاتی۔ حالانکہ اپنی بی بی

---

[۱] دیکھو احکام النفطرہ صفحہ ۲۲۳ مصنفہ مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی ۱۲۔ [۲] ستیارتھ پرکاش باب ۴ صفحہ ۱۷۰ ذکر تحقیق مذہب اسلام ۱۲۔ [۳] ستیارتھ پرکاش باب ۴ ذکر نیوگ سوال نمبر ۱۲۰ صفحہ ۱۴۹ ۱۲۔ [۴] دیکھو ستیارتھ پرکاش باب ۴ جواب سوال نمبر ۱۳۶ صفحہ ۱۵۳ چھاپہ لاہور ۱۲۔

اور ابو حنیفہ کے متعلق فخر الدین رازی شافعی لکھتے ہیں کہ انھوں نے اس بارہ میں اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ اور بعض فقہاء حنفی نے بیان کیا کہ ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) پرغیر کے تسلط کو لامذہب انسان تو انسان ہی ہیں اکثر جانور بھی پسند نہیں کرتے تو غیر ویدی مذاہب نے جو گوشت کھانے کی اجازت دی ہے جس کی تائید فطرت بھی کرتی ہے اور اس پر ویدی مذہب والوں کا اعتراض کرنا سراسر ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہے حالانکہ گوشت کھانے میں نہ تو کوئی عقلی برائی ہے نہ مذہبی بخلاف نیوگ کے جو عقل و حیاء و شرم سے کوسوں دور ہے۔

ے۳ جس طرح دنیا کے ہر مذہب والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا ہستی اور وجود نہیں رکھتا اور دوسرے مذہب والوں کے خداؤں کا وجود محض فرضی اور وہمی ہے جس کی درحقیقت کوئی ہستی نہیں ہے اور دنیا کی ہر چیز کو انھیں کے خدا نے پیدا کیا ہے۔ آریہ مذہب والوں کا عقیدہ بھی یقیناً اوسی طرح کا ہونا چاہیئے اور ہے ورنہ دوسرا کسی خدا کی واقعی ہستی کو تسلیم کرنا ان کے مذہب کو تزلزل میں ڈال دے گا۔ اور اس بنا پر کہ اپنے خدا کے سوا کسی دوسرے خدا کو موجود نہیں مانتے ان کو ماننا پڑے گا کہ دنیا کی ہر چیز کو انھیں کے ویدی خدا نے پیدا کیا اور منجملہ کل مخلوقات کے وہ جانور بھی ہیں جو جانداروں کو ایذا پہونچاتے اور ہلاک کرتے اور ان کا گوشت کھاتے ہیں پس ایسی صورت میں انھیں کے اصول اور قواعد مذہب کے رو سے انکو ماننا پڑے گا کہ ان کا ویدی خدا ایسا ظالم اور بے رحم ہے جس نے دنیا میں ایسے جانوروں کو پیدا کیا جو بیگناہ جانداروں کو بے سبب اور بے وجہ اذیت دیتے اور زخمی کرتے اور انکی جانیں مارتے اور انکا گوشت کھاتے ہیں جیسے سانپ۔ بچھو۔ شیر۔ بھالو۔ بھیڑیا۔ تیندوا۔ کھٹمل۔ مچھر۔ پسو وغیرہ ۔ ے۴ روح جب تک کہ اس جسمانی قفس (پنجرہ) جیسے قیدخانہ سے آزاد ہے اسکے لیے نہ کوئی صدمہ ہے نہ تکلیف نہ آلام۔ نہ زحمتیں کیونکہ بلاؤں اور صدمات اور تکلیفوں کا گھر دنیا ہے۔ اور روح کو جو کچھ تکلیف پہونچتی ہے وہ بدن کے ذریعہ سے پہونچتی ہے اور آریہ مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ روح قدیم ہے اسکو ان کے خدا نے پیدا نہیں کیا پس۔ باوجودیکہ روحیں ویدی خدا کے کسی قسم کے احسان کا بوجھ اپنی گردن پر نہیں رکھتیں اور اوس سے بالکل بے تعلق اور باعتقاد آریوں کے مثل ان کے خدا کے یہ بھی قدیم اور اوس کے ہم پلہ ہیں ان کے خدا کا پہلا ظلم ان پر یہ ہے کہ اس نے ان کو جسمانی پنجرے میں قید کر کے آفتوں اور بلاؤں میں مبتلا کر دیا اور طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈال دیا۔ اور اسلامی خدا کی یہ انتہا رحمدلی اور ہمدردی ہے کہ اس نے حکم دیا کہ اس جسمانی پنجرے کو کاٹ کر روحوں کو دنیاوی تکلیفوں سے آزاد کردو۔ اہل دنیا ہمیشہ دیکھا کرتے ہیں کہ ویدی مذہب

ے۱ دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۸۱ جواب سوال ۱۲ باب ۱۲ عہ دیانند جی لکھتے ہیں کہ جو جسم سے بری مکت جیو (یعنی جسمانی لوازمات سے نجات پائی ہوئی روح) آتما برہم (یعنی خدا کی قدرت) میں رہتا ہے اوس کو دنیوی سکھ دکھ چھوتے بھی نہیں اور ہمیشہ آنند (یعنی آرام و خوشی) میں رہتا ہے (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۱۶ چھاپہ لاہور باب ۹ جواب سوال ۹ جواب سوال ۱۹ روح کی مکتی یعنی چھٹکارہ کا بیان ۱۲ صفحہ ۲ دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۷۴ جواب سوال ۲ باب ۱۲۸

نے اس میں پڑنے سے پرہیز کیا اور اس مسئلہ میں غور و فکر کرنے کو امر عظیم سمجھ کر چپ رہنا بہتر سمجھا۔ لیکن نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے مگر آہستہ پڑھنے کا۔ اور کرخی نے کہا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) والے گایوں اور ان کی اولاد پر کیسے کیسے ظلم کرتے رہتے ہیں۔ بیدردی سے مارتے ہیں۔ ان کے بچوں کا رزق چھین لیتے ہیں۔ یعنی دودھ دوھ کر اپنے کام میں لاتے ہیں اور اس سے گھی نکال کر ہوم اور اگنی ہوتر کے نام سے آگ میں جلاتے ہیں اور آریہ مذہب کے موجد یعنی دیانند جی نے اس غیر عقلانی اور ظالمانہ فعل کو لازم[۱] قرار دیا ہے۔ اور ان کے خدا کا دوسرا ظلم یہ ہے کہ مسلمان جب ان روحوں کو آزاد کر دیتے ہیں تو وہ ان کو آزاد نہیں رہنے دیتا۔ بلکہ ان مظلوم روحوں کو پھر پکڑ کر کسی جسم میں ٹھوس دیتا ہے اور اس پر بھی ایک[۲] بے تمیزی یہ کرتا ہے کہ جانوروں[۲] کی روحوں کو انسان کے جسم میں ڈال دیتا ہے اور انسان کی روحوں کو جانوروں کے جسم میں کبھی گائے، بیل، بکری، بکرا، سور، بندر وغیرہ کے جسم میں کبھی گدھا، گدھی، گھوڑا گھوڑی، وغیرہ کے جسم میں۔ اور ویدی مذہب والے بڑے شوق سے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور اس قدر مارتے اور سردی اور گرمی میں دوڑاتے ہیں کہ وہ پریشان اور بے حال ہو کر لید کرنے لگتے ہیں۔ ذرا بھی نہیں سوچتے کہ شاید اس گھوڑی کے جسم میں ان کی ماں کی روح داخل کی گئی ہو۔ جس نے بہ ہزار مصیبت ان کو پیدا اور پرورش کیا آج وہ اس بے دردی کی مار پر اور اس گرمی سردی میں دوڑانے پر اپنے دل میں کیا کہتی ہوگی یقیناً یہی کہتی ہوگی کہ اے بیرحم ظالم میں ہی نے تجھ کو ہزاروں دکھ اور مصیبت سے پیدا اور پرورش کیا اور آج تو مجھ کو اس بیدردی سے مارتا اور اس جلتی ہوئی دھوپ میں دوڑا رہا ہے کہ لید تو نکل ہی چکی اب روح بھی نکلنا چاہتی ہے[۲] اور دوسری بے تمیزی یہ کرتا ہے کہ منہ اور کان اور ناک وغیرہ کے ہوتے ہوئے ان روحوں کو جسموں میں یونی (یعنی شرمگاہوں) کی طرف سے داخل کرتا ہے۔ [۳] خدائے برتر نے جو دنیا کو پیدا کیا تو اس مخلوقات کا اس پر کوئی حق نہ تھا جو اس کو وہ پیدا کرتا۔ اپنی مصلحت اور حکمت سے پیدا کیا اور حکمت اور مصلحت سے مارتا ہے۔ دنیا میں جو بھی پیدا ہوئے ہیں ان سب کو ایک دن مرنا ضرور ہے کوئی بیمار ہو کر کوئی قتل ہو کر کوئی فرش خواب پر سوتا ہوا۔ اس نے انسان کو اشرف مخلوقات بنایا اور باقی کل مخلوقات کو اس کے آرام اور نفع کے لئے پیدا کیا۔ کسی چیز کو اس کی غذا قرار دی۔ کسی چیز کو اس کا لباس کسی چیز کو اس کی دوا کسی چیز کو اس کی سواری اور بوجھ اٹھانے والی۔ اور ہر ایک کی حیات کے لئے ایک زمانہ قرار دیا جب وہ زمانہ پہونچ جاتا ہے کبھی نہ کبھی وہ چیز موت کے پنجہ میں گرفتار ہو کر اس دنیا سے چل بستی ہے۔ دیکھو شکاری شکار کا ارادہ کرتے ہیں لیکن جس جانور کی مدت حیات پوری نہیں ہوتی وہ ہزار کوشش پر بھی اس کے قبضہ میں نہیں آتی اور جس کی مدت پوری ہو جاتی ہے وہ خود سے اور بہت آسانی سے جال میں آ پھنستی ہے

---

[۱] دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۷ نمبر ۶۲ باب ۱۴ ۔ ۱۲ [۲] دیکھو ستیارتھ پرکاش باب ۹ صفحہ ۳۳۳ سوال نمبر ۳۹ اور اس کا جواب ۱۲
[۳] دیکھو منوسمرتی باب ۱۲ منتر ۵۵ لغایت ۵۸ منتر ۱۲۔

کہ مجھ کو اپنے علماء متقدمین کی کوئی رائے اس کے متعلق معلوم نہیں ہے بجز اس قدر کہ انھوں نے آہستہ پڑھنے کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ کسی سورہ کا جز نہیں ہے [۱] اور عبد الوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ اس کو سورہ الحمد کا جزو نہیں جانتے تھے [۲] جزو نہ جاننے کو ان کا ابو حنیفہ کی طرف نسبت دینا غالباً اسی وجہ سے ہے جس کو کرخی نے بیان کیا۔ لیکن شعرانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے اس کو نماز میں آہستہ پڑھنے کا حکم دیا ہے [۳]

---

[۱] تفسیر کبیر فخر الدین رازی جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ ۔ ۱۲

[۲] کتاب میزان باب صفت صلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ ۔ ۱۲

[۳] میزان جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ ستیارتھ پرکاش باب ۱۰ صفحہ ۳۵۹ موذی جانوروں کو مارنے کا بیان ۱۲ ار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ چھری کے نیچے وہی جانور آتے ہیں جن کی حیات کی مدت ختم ہو جاتی ہے اس واسطے ان کا ذبح کرنا ظلم نہیں ہے کیونکہ اون کو بہر حال کسی طرح سے اس دنیا سے جانا ضرور ہے ہاں مقتول انسان بھی اپنی مدت حیات ختم ہونے پر مارا جاتا ہے لیکن چونکہ بے قصور انسان کو مارنے سے خدا نے منع کیا ہے اس واسطے قتل کرنے والے سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اور قصور دار کو مارنے پر کوئی سزا نہیں قرار دی ہے۔ بلکہ قاتل کو قتل ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ حاصل یہ کہ کسی جاندار کی جان مارنے کے جائز یا ناجائز ہونے کا دار و مدار تمام تر مذہب کا حکم ہے جیسا کہ دیانند جی نے نیوگ کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ اگر ہر جاندار کی جان مارنا ظلم ہے تو کیا دیانندی پابند ہو سکتے ہیں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا خدا جن جانداروں کو اس دنیا سے نکالتا ہے ان جانداروں پر ظلم کرتا ہے اور جنگ مہابھارت میں جو ان کے علماء اور رشی۔ مہارشی۔ دیوتا وغیرہ وغیرہ شریک تھے اور بہت سے آدمیوں کو مارا اور اپنے کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور مارے گئے جیسا کہ مقدمہ صفحہ ۲۳ میں دیانند جی کی تحریر ہم نقل کر آئے ہیں کیا یہ سب لوگ ظالم تھے [۲] دیانند جی لکھتے ہیں کہ یہ کام ارا کین سلطنت کا ہے کہ جو جانور یا آدمی ایذا رساں ہوں اون کو سزا دیں اور جان سے بھی مار ڈالیں [۱۲] اس تحریر کے متعلق تین سوال آریوں سے کیے جاتے ہیں [۱] اگر کسی آریہ کے گھر میں بچھو یا سانپ نکلے یا دیوانہ کتا یک بیک آ پہونچے تو وہ کیا کرے کیا ان سب کو اپنی حالت پر چھوڑ کر ارا کین سلطنت کو بلانے کے لیے دور یا نزدیک جہاں بھی ہوں دوڑ جائے یا فوراً مار ڈالے۔ اگر مار ڈالے تو کس قاعدہ سے کیونکہ ایک تو مطابق تحریر دیانند جی کے ان کو مارنا ارا کین سلطنت کا کام ہے دوسرے کسی جاندار کو مارنا ظلم اور بے رحمی ہے۔ اور اگر چھوڑ دے تو علاوہ بے عقلی کے وید یا شاستر کا وہ کون سا منتر ہے جس میں ایسے وقت میں کہ ان کے کاٹ کھانے کا خوف ہے چھوڑ دینے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

[۲] وہ ارا کین سلطنت جن کو جانوروں کی جان مارنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ویدی ہیں یا غیر ویدی اگر

اور اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ اس کے جزء سورہ ہونے کے منکر نہ تھے۔ بلکہ یا نوشش احمد بن حنبل کے یہ بھی جزء جانتے تھے لیکن آہستہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے یا جزء نہ ہونیکا

عہ دیکھو میرا حاشیہ بر نشان عہ صنہ ۔ ۱۲ عہ منوسمرتی کا مرتبہ وید کے بعد ہے اور ہنود کے نزدیک شاستر یعنی احکام کی کتابوں میں منوسمرتی اول نمبر کی معتبر کتاب ہے اور مذہب آریہ کے موجد یعنی دیانند جی نے اس کے مطالب سے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کو بھر دیا ہے اور دھرم (مذہب کی چار بنیادوں میں سے پہلے وید اور سے بعد اس کو قرار دیا ہے (دیکھو ستیارتھ پرکاش باب صفہ ۳۲۷ بیان دھرم کی بنیادوں کا) سہ شرادھ[12] یعنی خیرات اور بھوجن یعنی کھانا مقصود اس سے خیرات کا کھانا ہے جو ہنود اپنے مردوں کو ثواب پہونچانے کی غرض سے برہمنوں کو کھلاتے ہیں ۱۲۔

لہ منوسمرتی ادھیا ۳ منتر ۱۳۵ ۔

(بقیہ حاشیہ صفہ ۱۷) ویدی ہیں تو دیدیا شاستر میں ان کے لیے جان مارنے کا حکم کس مقام پر بیان کیا گیا ہے ویدی بیان کریں اور اگر غیر ویدی ہیں تو غیر ویدی پر ان کو حکومت کرنے کا کیا حق ہے۔ علاوہ اس کے غیر ویدی اپنے مذہب کے پابند ہوں گے خواہ موذی کو بھی چھوڑ دیتے ہیں یا غیر موذی کو بھی مارنے میں ہم اکثر گائے بیل وغیرہ جو موذی ہوتے ہیں اور بے سبب لوگوں کو مار دیتے ہیں تو اراکین سلطنت ان موذی جانوروں کو مار ڈالیں یا چھوڑ دیں اگر مار ڈالیں تو دیانند جی نے صرف شیر وغیرہ کو کیوں بیان کیا اور ان کو کیوں چھوڑ دیا اور مارنے کی اجازت دینے والا ویدی خدا ظالم ٹھہرے گا یا انصاف ور۔ اور اگر چھوڑ دیں تو شیر وغیرہ کو مار ڈالنے اور ان کو چھوڑ دینے کی کیا وجہ ہے کیونکہ موذی دونوں ہیں سے منوسمرتی میں لکھا ہے کہ شرادھ[عہ] ہیں ۔ و کرم ہیں ایک پتر کرم دوسرا دیو کرم تسمیں کیسا ہی دھنی ہو مگر دیو کرم میں ایک اور پتر کرم میں دو ہی براہمن کو بھوجن کرادے لہ غرضکہ ادھیا ۳ کے بہت سے منتروں میں اس امر کی ہدایت کی ہے کہ برہمنوں کو شرادھ کا کھانا کھلایا جائے اس کے بعد بھوجن کے لائق چیزوں کا بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہیں غلوں اور پھلوں وغیرہ کو کھلاتے سے بزرگوں کی روحیں ایک مہینہ تک سیر رہتی ہیں منو منتر ادھیا ۳ / ۲۶۷ ۔ اور مچھلی کے گوشت سے دو مہینے تک ہرن کے گوشت سے ۳ ماہ تک مینڈھے کے گوشت سے ۴ ماہ تک ۔ پرندوں کے گوشت سے ۵ ماہ تک ان کی روحیں سیر رہتی ہیں منو ۳ ادھیا / ۲۶۸ منتر بکرا کے گوشت سے ۶ ماہ تک چیتر مرگ (شتر مرغ) کے گوشت سے ۷ ماہ تک ابن نام ہرن کے گوشت سے ۸ ماہ تک رد رد نام ہرن کے گوشت سے ۹ ماہ تک سیر رہتی ہیں منو ۳ ادھیا / ۲۶۹ منتر جنگلی سور اور بھینسے کے گوشت سے ۱۰ ماہ تک خرگوش اور کچھوے کے گوشت سے ۱۱ ماہ تک منو ۳ ادھیا / ۲۷۰ منتر غرض یوں ہی بہت سے جانوروں کا ذکر کیا ہے۔ اب آریوں سے سوال یہ ہے کہ منوشاستر جب کہ ویدی دھرم کے مطابق اور بقول دیانند جی کے دھرم کی بنیاد ہے جس میں بے گناہ جانوروں کی جان مار کر ان کا گوشت برہمنوں کو کھلانے کا صاف و صریح حکم ویدی خدا نے دیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مسلمان گوشت کھانے کی وجہ سے ظالم کہے جائیں اور ویدی خدا حکم دینے والا اور برہمن گوشت کھانے والے ظالم اور بے رحم نہ کہے جائیں پس تمہارے ہی اصول کے مطابق تمہارا مذہب باطل اور تمہارا خدا بے رحم اور ظالم ٹھہرتا ہے ۔ ۱۲ منہ

ان کو احتمال تھا اور جزء ہونے کا گمان جس کی وجہ سے پڑھنا ضروری سمجھتے تھے اور یقین نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ اور بعض فقہاء حنفیہ کا وہ کلام اس کی تائید کرتا ہے جس کو میں نے قبل اس کے نقل کیا کہ ابو حنیفہ اور اون کے شاگردوں نے اس میں پڑنے سے پرہیز کیا اور اس میں غور و فکر کرنے کو امر عظیم سمجھ کر چپ رہنا بہتر سمجھا اور آہستہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ابوحنیفہ نے فتوے اور عمل دونوں میں احتیاط کو اختیار کیا اس طرح سے کہ جزئیت کا یقین نہ ہونے سے فتوے نہیں دیا اور جزئیت کا گمان ہونے کی وجہ سے پڑھنے کا حکم دیا اور آہستہ پڑھنے کا حکم اس وجہ سے دیا تاکہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ بھی اوس کو یقینی جزء سمجھتے ہیں کیونکہ بلند آواز سے پڑھنے کا ظاہر یہی ہے کہ اس طرح پڑھنے والا یا اس طرح پڑھنے کی اجازت دینے والا اس کو یقینی جزء سمجھتا ہے جیسا کہ ہمارے علماء اور شافعی یقینی جزء سمجھنے کی وجہ سے بلند آواز سے پڑھنے کو واجب جانتے ہیں کیونکہ بلند آواز سے پڑھنے کی نمازوں میں سوروں کے ہر جزء کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اگر ابوحنیفہ کو اوس کے جزء نہ ہونے کا گمان ہوتا تو احتیاط یہ چاہتا تھا کہ وہ اوس کو نہ پڑھنے کا حکم دیتے جیسا کہ مالک اور اوزاعی نے اختیار کیا ہے۔ **اور مولوی عبدالحی صاحب** کا یہ لکھنا کہ علماء حنفیہ باوجودیکہ بسم اللہ کو جزء نہیں جانتے۔ نماز میں اس کے پڑھنے کو اس وجہ سے واجب جانتے ہیں کہ حضرت سرور عالم اس کو برابر پڑھا کرتے تھے ۲؎ درست نہیں ہے کیونکہ شرعی کل چیزیں توقیفی ہیں پس جس طرح قرآن یا نماز وغیرہ کے کسی جزء کو نکال دینا جائز نہیں ہے اوسی طرح اوس میں کچھ بڑھا دینا بھی جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے خلیفہ دوم باوجودیکہ آیت رجم کے جزو قران ہونے کا یقین رکھتے تھے لیکن چونکہ صرف اون کا یقین مسلمانوں کے نزدیک اوس کے جزء قرآن قرار پانے کے لیے کافی نہ تھا اس لیے مطعون ہونے کے خوف سے نہ بڑھا سکے اور زید بن ثابت نے دو گواہ نہ ملنے کی وجہ سے اوس کو قرآن میں داخل نہیں کیا اور **حضرت سرور عالم** بسم اللہ کو جزو قرآن سمجھ کر پڑھتے تھے پس حضرت کے برابر پڑھنے کو اپنے پڑھنے کی دلیل قرار دینا اور جزئیت سے انکار بھی کرنا یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں ع؎ اور یعلی کہتے ہیں کہ محمد بن حسن (شاگرد ابوحنیفہ) سے میں نے بسم اللہ کے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ دونوں دفتی کے درمیان میں جو کچھ بھی ہے وہ قران ہے تو میں نے کہا کہ پھر بسم اللہ کو آہستہ کیوں پڑھتے ہو

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱ ۲؎ احکام القنطرہ جواب دلیل نمبر ۱۴ صفحہ ۲۲۵ ۱۲

ع؎ توقیف کا معنی ٹھہرانا اور روک دینا ہے اور شرعی حکموں کو توقیفی اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ لوگ اس میں تصرف اور کمی یا زیادتی کرنے سے روک دیئے گئے ہیں ۱۲

تو انھوں نے کچھ جواب نہ دیا[۱] یعلی کے اعتراض اور محمد کے جواب نہ دینے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ کو قرآن کا جزء ماننے کو یہ لازم ہے کہ نماز میں بلند آواز سے پڑھا جائے جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے[۲] اور متاخرین[۳] اصحاب ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل وغیرہ کہتے ہیں کہ بجائے خود ایک آیت ہے نہ سورۂ الحمد کا جزء ہے نہ کسی دوسرے سورہ کا بلکہ ابتدائے سورہ کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے۔ اور ممکن ہے کہ حضرت سرور عالم اس کو تبرکاً پڑھتے رہے ہوں[۴] اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ چونکہ ابو حنیفہ نے آہستہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور بلند آواز سے پڑھنا جزئیت کو بتاتا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے صاف و صریح حدیثوں کو چھوڑ کر ان فضول توجیہوں کو اختیار کیا ہے۔ جن کو خود ان کے پیشوا یعنی ابو حنیفہ نے پسند نہ کیا اور رائے زنی میں احتیاط کی۔ اور اس سے بھی ضعیف تر یہ کلام ہے کہ شاید رسول اللہ تبرکاً پڑھتے رہے ہوں۔ کیونکہ ایسے احتمالات نص صریحی کے مقابل میں توجہ کے لائق نہیں ہیں اور نصوص کو میں انشاء اللہ تعالے عنقریب بیان کروں گا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ پڑھنے کی وجہ تو حضرت سرور عالم کی پیروی کو بیان کرتے ہیں لیکن بلند آواز سے نہ پڑھنے کی وجہ حضرت کی پیروی چھوڑ کر ابو حنیفہ کی پیروی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت پڑھنے میں بھی ابو حنیفہ ہی کی پیروی پیش نظر ہے۔ اگر سرور عالم کی پیروی پیش نظر ہوتی تو جہاں اصل پڑھنے کو واجب سمجھتے ہیں بلند آواز سے بھی پڑھنے کو بھی واجب سمجھتے۔ کیونکہ حضرت بھی بلند آواز سے ہی پڑھتے تھے۔ اور سوروں کا جزء سمجھتے کیونکہ حضرت بھی سوروں کا جزء سمجھتے تھے۔ یہ ایسا اعتراض ہے جس کا یہ لوگ کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ جس طرح محمد بن حسن شاگرد ابو حنیفہ یعلی کا جواب نہ دے سکے ہم سوروں کا جزء بھی کہہ سکتے ہیں اور غیر جزء بھی یعنی مستقل آیت بھی کہہ سکتے ہیں اور آیت کا جزء بھی۔ کیونکہ دونوں طرح نازل ہوا ہے۔ اس کلام کو ابن حجر اور سیوطی پسند کرتے تھے[۵] غالباً ان لوگوں کی غرض یہ ہے کہ سورہ نمل میں آیت کا جزء ہے جو اثنائے سورہ میں بلقیس کی حکایت میں واقع ہے اور سورۂ برائت کے علاوہ باقی کل سوروں کے ابتداء میں مستقل آیت اور ان کا جزء ہے۔ اگر یہی مقصود ہے تو درست ہے لیکن میری بحث اس بسم اللہ کے متعلق نہیں ہے جو سورہ نمل کے آیت کا جزء ہے بہر حال ابتدائے سورہ کے متعلق یہ کلام میرے موافق ہے[۸] ہر سورہ کے آیت کا جزء ہے پوری آیت نہیں ہے

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۱۰۰۔ ۱۲ [۲] احکام القنطرہ صفحہ ۲۲ [۳] متاخرین علمائے حنفیہ کو رائے زنی کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ باعتقاد ان لوگوں کے ابو حنیفہ کے شاگردوں پر اجتہاد ختم ہو گیا ہے۔ احمد بن حنبل تو ان کی رائے کے متعلق یا تو مولوی عبد الحی صاحب نے اشتباہ کیا ہے یا خواہ مخواہ ان کو اپنا موید بنانا چاہا ہے کیونکہ رازی تفسیر کبیر مسئلہ ۹ صفحہ ۱۰۰ میں اور شعرانی میزان کتاب صلوٰۃ باب قرائت صفحہ ۱۴۱ میں لکھتے ہیں کہ احمد بن حنبل جزء جانتے تھے اور آہستہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے ۱۲ [۵] احکام القنطرہ صفحہ ۳۲۲۔ ۱۲

۹ سورہ الحمد میں مستقل آیت ہے اور دوسرے سوروں میں آیت کا جز ہے ۱۰ سورہ الحمد میں آیت کا جز ہے اور دوسرے سوروں میں مستقل آیت ہے ۱۱ اور مالک اور فقہاء مدینہ و بصرہ و شام اور قراء مدینہ کہتے ہیں کہ کسی سورہ کا جز نہیں ہے اور نہ قرآن میں داخل ہے اس گیارہ طرح کے کلام سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ علماء علوم قرآن و ورثہ علوم اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین یعنی اہلبیت طاہرین کا دامن چھوڑ دینے سے یہ لوگ ہر طرف بھٹکتے پھرے ہیں اور ہر شخص نے اپنی ناقص سمجھ کو اپنا پیشوا بنایا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان گیارہ طرح کے کلاموں میں سے ایک نہ تو مخالف ہے نہ موافق۔ جیسے چوتھا نمبر جس کے قائل ابو حنیفہ ہیں اور دو مخالف ہیں۔ جیسے چھٹاں نمبر جس کے قائل علماء حنفیہ وغیرہ ہیں اور گیارہواں نمبر جس کے قائل مالک وغیرہ ہیں اور ایک کی توجیہ اپنے موافق کی جاسکتی ہے جیسے پانچواں نمبر جس کے قائل محمد بن حسن ہیں جو مجمل طور پر اس کو قرآن کا جز کہتے ہیں۔ سوروں کا جز یا مستقل آیت ہونے کی تصریح نہیں کی ہے اور بظاہر یہ سورہ کا جز ہی سمجھتے ہیں اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ یعلی کے اعتراض پر چپ رہے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اگر مستقل آیت سمجھتے ہوتے تو کہہ دیتے کہ یہ مستقل آیت ہے سوروں کا جز نہیں ہے اس لیے تبرکاً آہستہ پڑھتے ہیں اس لیے یہ نمبر بھی میرے موافق ہے۔ ان نمبروں کے علاوہ باقی نمبروں میں سے پہلا اور ساتواں نمبر بالکل موافق ہے اور دوسرا اور تیسرا اور آٹھواں اور نواں اور دسواں فی الجملہ موافق ہے اس واسطے منجملہ گیارہ کے آٹھ کلام میرے موافق ہیں اور ایک نہ موافق نہ مخالف اور دو مخالف لہذا ترجیح میرے کلام کو ہے اور حقیقت میرے ساتھ ہے اور علاوہ موافقت علمائے اہل سنت کے عقلی دلیلیں اور فریقین کی حدیثیں میرے دعوے کی حقیقت کو بتا رہی ہیں۔

عقلی دلیلوں کا بیان

پہلی دلیل بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن مجید میں اوسی خط سے لکھا گیا ہے۔ جس خط سے قرآن لکھا گیا ہے اور جو چیز قرآن کا جز نہیں ہے وہ اوس خط سے نہیں لکھی گئی۔ کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن مجید میں (بخط قرآن) سوروں کا نام لکھنے اور دسویں اور پانچویں حصوں پر (کوئی) نشان بنانے سے علماء نے منع کیا ہے اور غرض اونکی اس سے یہ

---

۱ احکام القنطرہ ص ۲۷۳ چھاپہ یوسفی فرنگی محل لکھنؤ۔

۲ ان دلیلوں کو فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۱۰۱ سے ۱۰۳ تک میں ذکر کیا ہے اور ابتداء ان دلیلوں کی چھٹیں دلیل سے ہے ۱۲۔

ہے کہ جو چیز قرآن نہیں ہے وہ قرآن میں مل نہ جائے پس اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کا جزء نہ ہوتا تو علماء اوس کو قرآن کے خط سے نہ لکھتے اور قرآن کے خط سے اوس کو لکھنے پر اتفاق نہ کرتے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کا جزء ہے۔

دوسری دلیل مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو کچھ دونوں دفتی کے درمیان ہے وہ کلام خدا ہے اور دونوں دفتی کے درمیان بسم اللہ بھی ہے۔ اس واسطے واجب ہے کہ یہ بھی خدا کا کلام قرار دیا جائے۔ اسی وجہ سے یعلی نے جب محمد بن حسن (شاگرد ابو حنیفہ) پر اعتراض کیا تو وہ اوس کا جواب نہ دے سکے جیسا کہ میں نے ذکر اقوال کے پانچویں نمبر میں بیان کیا ہے۔

تیسری دلیل اکثر علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ سورہ الحمد میں سات آیتیں ہیں لیکن (شافعی اور ابو حنیفہ میں ان سات آیتوں کے پورا کرنے میں اختلاف ہے) شافعی نے کہا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مل کر سات آیتیں ہیں اور ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ بسم اللہ اوس کا جزء نہیں ہے اور صراط الذین انعمت علیھم ایک آیت ہے اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ایک آیت (یعنی ابو حنیفہ اس ایک آیت کو دو قرار دے کر سورہ الحمد میں سات آیتیں پوری کرتے ہیں) اور یہ کلام ان کا ضعیف ہے (کیونکہ آئندہ معلوم ہوگا کہ متعدد حدیثوں میں بسم اللہ کے پوری آیت اور جزء قرآن ہونے کی تصریح کی گئی ہے اور پوری آیت ثابت ہونے کے بعد صراط الذین سے ولا الضالین تک دو آیت ماننے سے سورہ الحمد میں آٹھ آیتیں ہو جاتی ہیں اور آٹھ آیتیں ہونے کو سبع مثانی کی متواتر حدیثیں رد کر رہی ہیں) اور اس بنا پر کہ ابو حنیفہ کا صراط الذین سے ولا الضالین تک کو دو آیتیں قرار دینا درست نہیں ہے۔ الحمد میں سات آیتیں اوسی صورت میں پوری ہونگی جب کہ ہم لوگ یہ اعتقاد کریں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی سورہ الحمد کی ایک پوری آیت ہے اور صراط الذین سے ولا الضالین تک ایک آیت ہے دو آیتیں نہیں ہیں۔

چوتھی دلیل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا سورہ الحمد سے پہلے پڑھنا واجب ہے پس ضرور ہے کہ وہ اوس کی ایک آیت ہو۔ الحمد سے پہلے پڑھنا اسی وجہ سے واجب ہے۔

ل اس نسبت میں فخر رازی نے اشتباہ کیا ہے کیونکہ ذکر اقوال نمبر ۴ میں خود الکفیں کا کلام ہم لکھ آئے ہیں کہ بسم اللہ کے جزء ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ابو حنیفہ اور اون کے شاگردوں نے رائے دینے سے احتیاط کی اور نمبر ۲ کی مولوی عبدالحی صاحب کا کلام نقل کیا گیا کہ اس کے جزء قرآن ہونے سے انکار کرنے والے متاخرین علماء حنفیہ ہیں پس درحقیقت جزء ہونے سے انکار اور صراط الذین سے ولا الضالین تک کو دو آیت قرار دینا علما حنفیہ کا

کہ ابوحنیفہ اتنا ضرور مانتے ہیں کہ بسم اللہ کا پڑھنا افضل[1] ہے اور افضلیت کو ماننا اس امر کو بتا رہا ہے کہ حضرت سرورِ عالم اسکو پڑھا کرتے تھے (بلکہ مولوی عبدالحی صاحب نے جو حنفی مسلک تھے احکام القنطرہ ص۲۲۵ جواب دلیل نمبر ۱۴ میں اقرار کیا ہے کہ حضرت سرورِ عالم اس کو برابر پڑھا کرتے تھے اور متعدد حدیثیں بھی آیندہ مذکور ہوں گی جن میں حضرت کا پڑھا کرنا بصراحت مذکور ہے) اس لیے اس کا پڑھنا ہم لوگوں پر بھی واجب ہوگیا۔ کیونکہ خداوند عالم نے حضرت سرورِ عالم کی پیروی کا ہم کو حکم دیا ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ اس کو پڑھنا واجب ہے تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ سورہ الحمد کا جزء ہے، کیونکہ یہ بات کسی نے نہیں کہی ہے کہ غیر جزء کا پڑھنا بھی واجب ہے

پانچویں دلیل حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس بڑے کام کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کی جائے وہ ابتر اور ناتمام رہتا ہے اور خدا پر ایمان لانے کے بعد سب سے بڑا کام نماز ہے پس سورہ الحمد کو بغیر بسم اللہ کے پڑھنا یہ چاہتا ہے کہ نماز ناقص رہے اور بہت بڑا نقصان اور خلل اوس میں پڑجائے کیونکہ لفظ ابتر اسم تفضیل ہے (جس کا معنی بہت بڑا نقصان ہے)، اور جو شخص اس نقصان اور خلل کو تسلیم کرلے اوس کو ماننا پڑے گا کہ بغیر بسم اللہ پڑھے ہوئے نماز فاسد اور باطل ہوجاتی ہے۔ اور یہ فساد و بطلان بتا رہا ہے کہ بسم اللہ سورہ الحمد کا جزء ہے اور پڑھنا اوس کا واجب ہے۔

چھٹی دلیل حضرت سرورِ عالم نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ کتاب خدا میں بہت بڑی آیت کون سی ہے اونھوں نے کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم پس حضرت نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو۔ یہ کلام بتا رہا ہے کہ اسی قدر پوری آیت ہے اور یہ معلوم ہے کہ حضرت سلیمان کے کلام میں سورہ نمل میں جو بسم اللہ ہے وہ پوری آیت نہیں ہے بلکہ آیت کا جزء ہے پس ضرور ہے کہ وہ بسم اللہ جو پوری آیت ہے وہ یہاں کے علاوہ کہیں دوسری جگہ ہو اور جن لوگوں نے اس کو پوری آیت کہی ہے اونھوں نے سورہ الحمد میں اس کو پوری آیت کہی ہے۔

ساتویں دلیل معاویہ نے مدینہ طیبہ میں لوگوں کو نماز جماعت پڑھائی اور وہ نماز جہریہ یعنی بلند آواز سے پڑھنے کی تھی۔ پس سورہ الحمد میں بسم اللہ نہیں پڑھا جب نماز ختم ہوئی تو مہاجرین اور انصار ہر گوشہ سے بول اوٹھے کہ کیا تم بسم اللہ بھول گئے۔

---

[1] بلکہ واجب دیکھو کتاب احکام القنطرہ ص۲۷ ۱۲ سہ فخر رازی نے اس روایت کے نقل میں معاویہ کی رعایت کی لیکن مذہب اور آداب نقل حدیث کی رعایت نہ کی اور روایت میں خیانۃً تصرف کیا۔ پوری روایت یوں ہے اِنَّ مُعَاوِیَۃَ صَلّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ لِلنَّاسِ الْعَتَمَۃَ فَلَمْ یَقْرَأْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَلَمْ یُکَبِّرْ بَعْضَ ھٰذَا التَّکْبِیْرِ الَّذِیْ یُکَبِّرُوْنَ فَلَمَّا انْصَرَفَ نَادَاہُ مَنْ سَمِعَ ذَالِکَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَقَالُوْا یَا مُعَاوِیَۃُ اَسَرَقْتَ الصَّلٰوۃَ اَمْ نَسِیْتَ اَیْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ حِیْنَ تَھْوِیْ سَاجِدًا فَلَمْ یَعُدْ مُعَاوِیَۃُ لِذٰلِکَ بَعْدُ کنز العمال حرف ص ذکر صلوۃ ص۲۱۰ اس حدیث میں مہاجرین و انصار کا معاویہ کی طرف سرقہ کی نسبت دینا بھی مذکور ہے

شروع نماز میں اس کو کیوں نہیں پڑھا پس معاویہ نے نماز دوبارہ پڑھی اور اس میں بسم اللہ کو پڑھا۔ یہ روایت دو باتوں کو بتا رہی ہے۔ ایک یہ کہ کل صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بسم اللہ قرآن اور سورہ الحمد کا جزء ہے اور دوسرے اس بات کو کہ اس کو بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے۔

آٹھویں دلیل کل انبیاء اپنے اعمال خیر کے شروع میں بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔ پس ضرور ہے کہ حضرت سرور عالم پر بھی اس کا پڑھنا واجب ہو کیونکہ خداوند عالم اپنے کلام اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ میں حضرت سرور عالم کو ان کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اور جب حضرت پر پڑھنا واجب ہوا تو ہم لوگوں پر بھی واجب ہوا کیونکہ اس نے اپنے کلام مقدس وَاتَّبِعُوْهُ میں ہم لوگوں کو حضرت کی پیروی کا حکم دیا ہے اور جب پڑھنے کا وجوب ثابت ہوا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بسم اللہ سورہ الحمد کا جزء اور ایک پوری آیت ہے کیونکہ غیر جزء کے پڑھنے کو کسی نے واجب نہیں کہا ہے۔

نویں دلیل خداوند عالم کی ہستی اور ذات مقدس دنیا کی سب چیزوں کے پہلے سے ہے کیونکہ اوسی نے سب کو پیدا کیا ہے اور عقل یہ حکم کر رہی ہے کہ جو پہلے سے ہے اور سب کو پیدا کیا ہے اور احسان کرتا اور روزی دیتا ہے اوس کا ذکر بھی سب کے ذکر سے پہلے کیا جائے اور یہ بات حاصل نہ ہو گی جب تک کہ ہر چیز کے پڑھنے اور ذکر کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا نہ جائے اور جب عقل اس کو اچھا کہہ رہی ہے تو چاہیئے کہ شرع بھی اچھا کہے کیونکہ حضرت سرور عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کا پڑھنا واجب ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ سورہ الحمد کا جزء ہے کیونکہ غیر جزء کے پڑھنے کو کسی نے واجب نہیں کہا ہے۔

دسویں دلیل اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ نمل کے درمیان میں قرآن کا جزء ہے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بسم اللہ اوس سورہ کے شروع میں بھی بخط قرآن ہی لکھا ہوا ہے۔ پس ضرور ہے کہ قرآن کا جزء ہوئے جس طرح ہم کلام پروردگار فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اور وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کو قرآن میں کئی مرتبہ ایک خط اور ایک صورت سے لکھا ہوا پاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کل

قرآن کا جزو ہے۔

گیارہویں دلیل حدیث میں ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ شروع زمانہ جہالت میں مثل قریش کے باسمک اللھم لکھا کرتے تھے۔ یہانتک کہ کلام پروردگار ارکبو فیھا بسم اللہ مجریھا ومرساھا نازل ہوا تو آپ بسم اللہ لکھنے لگے۔ پھر جب کلام پروردگار قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن نازل ہوا تو آپ بسم اللہ الرحمٰن لکھنے لگے پھر جب کلام پروردگار انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوا تو آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے لگے۔ یہ حدیث میرے مطلب کی دلیل اس طرح سے ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کل الفاظ جدا جدا بھی قرآن کے جزو ہیں اور سب کے سب اکٹھا بھی۔ اور قرآن میں اکٹھا موجود بھی ہیں۔ پس ہم کو ضرور ہے کہ اس بات کا اعتقاد کریں کہ یہ قرآن کا جزو ہیں کیونکہ باوجود ان متعدد ثبوتوں کے (جو اس حدیث میں مذکور ہیں) اور باوجود اس کے کہ اس کا جزو قرآن ہونا مشہور ہے۔ اگر اس کا قرآن سے نکال دینا جائز ہو تو چاہیے کہ ہر آیت کا نکال دینا جائز ہو اور آیتوں کو قرآن سے نکال دینے کی اجازت قرآن میں طعن کرنے کا سبب ہوگی (یعنی لوگ قرآن کو ناقص اور بے اعتبار کہنے لگیں گے)

بارہویں دلیل:۔ میں بیان کر چکا کہ یہ بات تبواتر ثابت ہے کہ خداوند عالم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ کو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ پر نازل فرمایا اور بخط قرآن لکھنے کا حضرتؐ کو حکم دیا کرتا تھا۔ اور میں یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ علماء میں جو کچھ اختلاف ہے وہ اس میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کا جزو ہے یا نہیں۔ اور اس اختلاف سے کچھ احکام میں بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ مثل اس کے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نماز میں پڑھنا واجب ہے یا نہیں۔ اور جنب کو اس کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور بغیر طہارت کے اس کو چھونا جائز ہے یا نہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ان صورتوں میں نماز میں پڑھنے کو واجب اور جنب کے پڑھنے اور بے طہارت شخص کے چھونے کو ناجائز کہنا احتیاط کے مطابق ہے۔ پس ضرور ہے کہ بسم اللہ کو قرآن کا جزو قرار دینا بھی احتیاط کے مطابق ہے کیونکہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مشکوک چیز کو چھوڑ دو اور غیر مشکوک کو اختیار کرو (چونکہ ابو حنیفہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ع۵ یعنی

ع۵ یعنی اتنے ثبوتوں کا لحاظ کر کے جن کے بیان کرنے سے اس کا یقین حاصل ہو جاتا ہے ۱۲

کے جزوِ قرآن ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ اس فیصلہ کو امرِ عظیم سمجھ کر چھوڑ دیا ہے. اس واسطے مذکورۂ بالا احکام میں بھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے اور شک اور دغدغہ میں رہیں گے اور حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ شک اور دغدغہ کو اٹھانے اور یکسوئی کرنے کا حکم دے رہے ہیں اور یہ بات اسی صورت میں حاصل ہوگی جبکہ یہ لوگ بسم اللہ کو قرآن کا جز مان لیں تاکہ مذکورۂ بالا احکام میں یکسوئی اور قطعی رائے قائم کر سکیں، واضح ہو کہ ان بارہوں عقلی دلیلوں میں بعض دلیلیں ایسی بھی ہیں جو شیعہ مذہب کے اصول اور قاعدوں کے لحاظ سے اعتراض سے خالی نہیں ہیں. لیکن چونکہ یہ دلیلیں ابوحنیفہ اور علمائے حنفیہ کے مقابل میں لکھی گئی ہیں اور ان اصول و قواعد کے مطابق ہیں جن کو اہلسنت حنفی اور غیر حنفی تسلیم کرتے اور اصل مطالب میں مذہب شیعہ کی تائید کرتی ہیں اسلئے ہم کو اعتراض کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حدیثوں کا بیان

واضح ہو کہ حدیثیں جو میرے دعوے کو ثابت کرتی ہیں تین طرح کی ہیں ایک[1] عامہ یعنی وہ حدیثیں جن میں بسم اللہ کو ہر حالت میں پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور منجملہ حالتوں کے ایک حالت نماز بھی ہے. اس لئے یہ ہدایت اس حالت کو بھی شامل ہے. اور یہ معلوم ہے کہ غیر قرآن کو سورۂ الحمد کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ بسم اللہ اس کا جزو ہے. یہ حدیثیں بطریق شیعہ سات ہیں ۱؎ علی بن محمد بن سیار کی حضرت امام حسن عسکریؑ سے ۲؎ حضرت علیؑ سے ۳؎ ابوبکر حضرمی کی. حضرت جعفر صادقؑ سے ۴؎ سلیمان جعفری کی حضرت امام موسی کاظمؑ سے ۵؎ و ۶؎ ابن مسعود کی حضرت سرورِ عالم سے ۷؎ غیر مسند حضرت سرورِ عالم سے اور بطریق سنی نو ہیں ۱؎ جابر انصاری کی حضرت سرورِ عالمؐ سے ۲؎ و ۳؎ ابن مسعود کی حضرت سرورِ عالم سے ۴؎ و ۵؎ حضرت علیؑ سے ۶؎ ابوہریرہ کی حضرت سرورِ عالمؐ سے ۷؎ عائشہ کی حضرت سرورِ عالمؐ سے ۸؎ عطا کی ۹؎ صفوان بن سلیم کی. دوسری قسم مطلقہ[2] ہیں. جن میں صاف صاف یہ تو مذکور نہیں ہے کہ بسم اللہ سوروں کا جزو ہے. لیکن ان کے مضامین سے بمفہوم موافقت جزو ہونا اس وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سرورِ عالمؐ

---

[1] ان حدیثوں میں سے ذکر فضائل بسم اللہ میں دو حدیثیں یعنی نمبر ۲ و ۳، بطریق شیعہ اور دو حدیثیں یعنی نمبر ۱ و ۲ بطریق سنی. قبل اس کے ذکر کی جا چکی ہیں ۱۲۔

[2] ان میں تینتیس حدیثیں بطریق شیعہ ہیں اور ستائیس بطریق اہل سنت ۱۲۔

اور حضرت علیؑ علیہما الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ بسم اللہ کو نمازوں میں پڑھا کرتے اور لوگوں کو پڑھنے کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ اور چھوڑنے کی مذمت کرتے تھے۔ اور چھ بیس حدیثیں خاص جو اس کے بعد مذکور ہونگی ان میں صاف صاف مذکور ہے کہ یہ حضرات بسم اللہ کو سوروں کا جزء سمجھتے تھے۔ پس ان لوگوں کا اس کو پڑھنا اور پڑھنے کی فرمائش کرنا اسی وجہ سے تھا کہ اس کو جزء ہی سمجھتے تھے۔ کیونکہ غیر قرآن کو نماز میں سورۂ الحمد یا کسی دوسرے سورہ کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت یا وجوب نہ تو کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ کسی نے ایسا حکم دیا ہے۔ یہ مطلقہ حدیثیں عنقریب مذکور ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

تیسری قسم خاصہ ہیں جن کو معصوم نے خاص کر کے بسم اللہ کی جزئیت کو بیان کرنیکے لئے ارشاد فرمایا ہے اور بسم اللہ کا جزء سورہ ہونا ان میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیثیں بطریق شیعہ تیرہ ہیں جن میں سے چھ[1] ذکر کی جا رہی ہیں۔ ۱؎ محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ کیا بسم اللہ سبع مثانی (یعنی سورہ الحمد) کا جزء ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ بلکہ یہ ان سات آیتوں میں باقی آیتوں سے افضل ہے۔ ۲؎ علی بن محمدؑ بن سیار حضرت امام حسن عسکریؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے آباؤ کرام کے سلسلہ سے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ الحمد کی ایک آیت ہے۔ اور سورۂ الحمد میں بسم اللہ مل کر سات آیتیں ہیں ۳؎ تیسری حدیث بھی اسی سند سے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے نقل کی گئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ الحمد کی ایک آیت ہے اور حضرت سرور عالم اس کو پڑھا کرتے تھے اور سورۂ الحمد کی آیتوں میں ایک آیت اس کو بھی شمار کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ الحمد سبع مثانی ہے یعنی اس میں سات آیتیں ہیں جو ہر نماز میں دو دفعہ پڑھی جاتی ہیں ۱؎ ۴؎ و ۵؎ اور چوتھی اور پانچویں حدیث حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کی ہے۔ دونوں بزرگوار ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کتاب آسمان سے نازل ہوئی ان سب کا پہلا جزء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے ۲؎ اور ان دونوں حدیثوں میں کتاب سے مقصود سورے ہیں اور شاہد اس پر یہ ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے آباؤ کرام کے سلسلہ[2] سے حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے ارشاد

---

[1] چونکہ بسم اللہ کے جزء سورہ ہونے میں علمائے شیعہ میں اختلاف نہیں ہے اس لئے کل شیعی حدیثوں کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ۱۲ ۱؎ ۲؎ تفسیر برہان صـ۲۶ و ۲۷ اور وسائل الشیعہ جلد الکتاب الصلوٰۃ باب ۱۱ کیفیت قرائت صـ۳۵۲ ۱۲۔

[2] اس سلسلہ میں حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام بھی داخل ہیں جن سے یہ دونوں حدیثیں منقول ہیں ۱۲۔

فرمایا کہ بسم اللہ سوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے کسی دوسرے نبیؑ کو نہیں دیا گیا[1]۔ اس واسطے ہر وہ آسمانی کتاب مقصود نہیں ہے جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی بلکہ زبور میں اس کا وجود نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت سلیمان کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کتاب آسمانی یعنی زبور کی جزئیت کی صورت میں نہیں دی گئی۔ پس معلوم ہوا کہ ہر کتاب سے قرآن مجید کا ہر سورہ مقصود ہے اور موید اسکی حدیث عبداللہ بن عمر ہے کہ بسم اللہ ہر سورہ میں نازل ہوا ہے[2]۔ چھٹیں حدیث یونس بن عبدالرحمٰن کی ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے جس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ سورہ الحمد میں سات آیتیں ہیں جن میں سے ایک بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور اس کو مثانی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ دو رکعتوں میں دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے[3]۔ اور بطریق اہلسنت چوبیس ہیں۔ [1] پہلی حدیث حضرت ابو جعفرؑ کی ہے۔ حضرت سرور عالمؐ سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ابتداء ہے ہر کتاب کی[3]۔ اور کتاب سے مقصود ہر سورہ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ بقرینہ اس روایت کے جو حضرت سلیمان کے متعلق ذکر کی گئی اور اس روایت کو علامہ سیوطی نے بھی یہیں پر ذکر کیا ہے جس کا نمبر ۲۴۹۸ ہے۔ [2] دوسری حدیث طلحہ بن عبید اللہ کی ہے۔ حضرت سرور عالمؐ سے آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص بسم اللہ کو چھوڑ دے البتہ اس نے کتاب خدا میں سے ایک آیت چھوڑ دی بہ تحقیق کہ نازل ہوا مجھ پر ان آیتوں میں جو الحمد سے شمار کی جاتی ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم[4]۔ [3] تیسری حدیث عبد خیر کی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے آپ سے پوچھا گیا کہ کیا سورہ الحمد چھ آیت ہے تو ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی اس کی ایک آیت ہے[5]۔ [4] چوتھی حدیث بھی حضرت ہی سے منقول ہے۔ آپ نماز میں سوروں کے پہلے بسم اللہ پڑھا کرتے تھے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اس کو نہ پڑھے اس نے البتہ سوروں کو کم کر دیا اور فرمایا کرتے تھے کہ سورہ الحمد میں بسم اللہ ملا کر سات آیتیں پوری ہوتی ہیں[6]۔ [5و6] پانچویں اور چھٹیں حدیثیں ابی ابن کعب اور عبداللہ بن عباس کی ہیں۔ حضرت سرور عالمؐ سے مضمون ان دونوں کا یہ ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ پروردگار عالم نے فرمایا ہے کہ میں نے تم لوگوں پر سات آیتیں اتاریں جن میں سے تین میرے لئے ہیں اور تین تمہارے لئے اور ایک میرے

---

[1] تفسیر برہان جلد ۱ ص ۲۶ و مصنفہ کنز العمال ملا علی متقی و استاد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جلد ۱ ص ۱۳۹ ذکر فضائل بسم اللہ ۱۲۔ [2] تفسیر برہان ص ۲۶ ۱۲۔ [3] کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۹ ذکر فضائل سورہ قسم اقوال بیان فضیلت بسم اللہ نمبر حدیث ۲۴۹۶ ۱۲۔ [4] کنز العمال بہ نشان بالا نمبر حدیث ۲۵۰۰ ۱۲۔ [5] کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲ و ۲۸۴ ختم افعال۔ دان بسم اللہ آیۃ یعنی بسم اللہ بھی ایک آیت ہے۔ نمبر حدیث ۵۹ ۔۴ و ۴۸۰۸۔ [6] کنز العمال بہ نشان بالا نمبر حدیث ۶۰ ۔۴ و ۴۸۰۹۔

اور تمہارے درمیان میں مشترک. ان سات کی تفصیل میں بروایت ابن عباس ایک آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے[ف۱]
[ف۷] تا [ف۱۳] یہ ساتوں حدیثیں حضرت سرورِ عالم سے منقول ہیں اور مضمون ان سب کا یہ ہے کہ سورہ الحمد سبع مثانی ہے یعنی اس میں سات آیتیں ہیں اور یہ سورہ نماز میں دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے اور مثل نمبر ۴ کے تیرہویں حدیث میں بھی اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ اس سورہ کی سات آیتوں میں سے ایک آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے[ف۲]. [ف۱۴] چودہویں حدیث حضرت ام سلمہ کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت سرورِ عالم نے سورہ الحمد کی تلاوت کی تو بسم اللہ کو ایک آیت گنا اور الحمد للہ رب العالمین کو ایک آیت اور الرحمٰن الرحیم کو ایک آیت اور مالک یوم الدین کو ایک آیت اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کو ایک آیت اور اہدنا الصراط المستقیم کو ایک آیت اور صراط الذین سے آخر تک کو ایک آیت. امام اہلسنت فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ یہ حدیث بسم اللہ کے جزوِ سورہ الحمد ہونے کے متعلق نص صریح (یعنی صاف اور بے شبہ دلیل) ہے[ع۵][ف۳] [ف۱۵]
پندرہویں حدیث ابوہریرہ کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ الحمد میں سات آیتیں ہیں جن میں پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے[ف۴] [ف۱۶] تا [ف۲۳] ان آٹھ حدیثوں کو امام اہلسنت فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر کی جلد ۱ ص ۱۰۱ میں اپنے امام ثعلبی کی تفسیر سے نقل کی ہیں. باختلاف عبارت ان سب کا حاصل مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوروں کا جزو ہے [ف۲۴] عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ میں نازل ہوا ہے[ف۵] حاصل کلام یہ کہ بطریق شیعہ عام حدیثیں ۷ اور مطلقہ ۲۳ اور خاصہ ۳۱ جملہ ۶۴۔ اور بطریق سنی عام حدیثیں ۹۔ اور مطلقہ ۲۷۔ اور خاصہ ۴ جملہ ۴۰ میزان کل ۱۰۴ حدیثیں اس امر کو صاف صاف بتا رہی ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سوروں کا جزو ہے اور مضمون ان حدیثوں کا تواتر کی حد تک پہونچ گیا ہے، اور جزو نہ ہونے پر دلالت کرنے والی ایسی حدیث جس کی سند اور دلالت بے خدشہ ہو ابھی تک ایک بھی پائی نہیں گئی۔ اور بظاہر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہوتی تو مولوی عبدالحی صاحب جیسے وسیع النظر جو اپنے مقتدا اور امام ابو حنیفہ کی مرضی کے خلاف بسم اللہ کی عدم جزئیت ثابت

ف۱ کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲۰ نمبر حدیث ۴۰۶۳ و ۴۰۶۶ ۔ ۱۲ ف۲ کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۹ نمبر حدیث ۲۵۰۲ و ۲۵۰۳ و ص ۱۴۰ نمبر حدیث ۲۵۲۳ و ۲۵۲۴ و ۲۵۲۵ بیان فضیلت الحمد و ص ۲۲۰ نمبر حدیث ۴۰۶۴ و ۴۰۶۵ ۔ ۱۲ بیان فضیلت الحمد ۱۲۔ ف۳ تفسیر فخر الدین رازی جلد ۱ ص ۱۰۱ ۔ ۱۲ ع۵ جس کلام کی دلالت بے شبہ ہو اس کو نص کہتے ہیں ۱۲
ف۴ تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۱۰۱ ۔ ۱۲ ف۵ تفسیر در منثور سیوطی جلد ۱ ص ۷ وسط صفحہ ۱۲۔

کرنے کے لئے گھٹنے ٹیکے ہوئے ہیں اس حدیث کو عدم جزئیت کے ثبوت میں ضرور
پیش کرتے۔ فخر رازی کی دلیلوں کے بودے جوابوں پر اکتفا نہ کرتے اور جن حدیثوں
کو ذکر کیا ہے ان میں سے کسی کی سند درست نہیں ہے اور نہ کسی کی دلالت ہاں فخر الدین
رازی نے بھی تفسیر کبیر میں مخالفوں کی طرف سے بسم اللہ کی عدم جزئیت کے ثبوت میں
تین دلیلیں نقل کی ہیں لیکن یہ سب علیٰ بھی مخدوش ہیں۔ ابو حنیفہ صاحب کو چونکہ قیاس

علیٰ پہلی دلیل:۔ روایت ابوہریرہ ہے۔ حضرت سرور عالمؐ سے کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ
میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان نصفا نصف تقسیم کر دیا ہے اس روایت میں اس نے
الحمد للہ رب العالمین + الرحمن الرحیم + مالک یوم الدین کو اپنے لئے قرار دیا ہے۔ اور
ایاک نعبد وایاک نستعین کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان مشترک (اور اس کے بعد کی
آیتوں کو تین آیتیں قرار دی ہیں) اور روایت میں بسم اللہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔ پس اگر بسم اللہ سورہ
الحمد کا جز ہوتا تو اس کو ذکر کرتا۔ اور الحمد میں سات آیتیں ہیں جن میں سے تین اپنے لئے قرار دی ہے
اور تین بندوں کے لئے اور ایک مشترک۔ پس اگر بسم اللہ اس میں داخل کر لیا جائے تو چار آیتیں خدا
کے لئے ہوں گی اور چار بندوں کے لئے اور مشترک آیت باقی نہیں رہتی۔ حالانکہ ایک آیت کو مشترک
بتایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صاحب مجلے شرح موطا لکھتے ہیں کہ بسم اللہ کی جزئیت سے انکار کرنے
والوں کی دلیلوں میں روشن دلیل یہی روایت ابوہریرہ ہے ہاں۔ اسی مضمون کی ایک حدیث
ابی ابن کعب کی بھی سیوطی نے درمنثور میں نقل کی ہے لیکن دونوں غیر معتبر ہیں ایک اس وجہ سے کہ اعتقاد
جزئیت بسم اللہ مذہب اہل بیت طاہرین علیہم السلام ہے اور یہ دونوں صاحب اہلبیتؑ سے منحرف تھے۔
دوسرے۔ اس وجہ سے کہ جزئیت کو ۱۰۳ حدیثیں ثابت کر رہی ہیں اس لئے یہ دو حدیثیں ان کا مقابلہ
نہیں کر سکتیں۔ تیسرے۔ اس وجہ سے کہ روایت ابوہریرہ کے راویوں میں علاء بن عبد الرحمن ہیں جن کو
یحییٰ بن معین اور ابن عدی نے غیر معتبر کہا ہے۔ اور ابی ابن کعب کی روایت بے سند ذکر کی گئی ہے
اس لئے اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ چوتھے۔ اس وجہ سے کہ علاء بن عبد الرحمن نے اس روایت
کی سند میں عن ابیہ کی جگہ پر عن ابی السائب کہا ہے۔ اس لئے گمان ہوتا ہے کہ بسم اللہ
بھی غلطی سے چھوڑ دیا ہو۔ کیونکہ بعینہ اسی مضمون کی حدیث خود ابوہریرہ کی دار قطنی اور بیہقی نے
اور ابن عباس کی بیہقی نے نقل کی ہے جن میں بسم اللہ صاف صاف مذکور ہے اور ابن عباس صحابہ میں سب سے

کے مقابل میں نقلی دلیلوں یعنی قرآن و حدیث و اجماع سے دلچسپی بہت کم تھی اس واسطے
کوئی رائے ظاہر نہ کی اور ثبت جزئیت اور اس کی مخالف حدیثوں پر یا تو توجہ نہ کی یا

(بقیہ حاشیہ صہ ۳۰) زیادہ صاحب علم اور علم قرآن کے ماہر تھے اور ابوہریرہ ابی ابن کعب سے زیادہ
معتبر اور مقبول تھے۔ پانچویں اس وجہ سے کہ خود ابوہریرہ سے تین حدیثیں صحیح و معتبر در منثور میں نقل کی گئی ہیں
جن میں الحمد سے پہلے حضرت سرور عالمؐ نے بسم اللہ پڑھنے کی خصوصیت سے فرمائش کی ہے۔ اور
صاف صاف فرمایا ہے کہ یہ الحمد کی ایک آیت ہے اور خود ابوہریرہ نے بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ
بسم اللہ الحمد کی ساتویں آیت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکورۂ بالا میں نصف سے نصف
تحقیقی مراد نہیں ہے بلکہ نصف تقریبی مراد ہے اور شاہد اس پر روایت جابر انصاری ہے جس میں نصفا نصف
تقسیم کو بیان کرنے کے لئے بعد لکھا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین اور الرحمن الرحیم صرف
دو آیتوں کو خدا نے اپنے لئے قرار دیا ہے اور باقی آیتوں کو بندوں کے لئے۔ دوسری دلیل روایت
عائشہ ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ تکبیر اور الحمد للہ رب العالمین سے نماز
شروع کیا کرتے تھے۔ جواب یہ روایت ایک اس وجہ سے مخدوش ہے کہ بغیر سند کے ذکر کی گئی
ہے۔ اس لئے اعتبار کے لائق نہیں ہے دوسرا ہے اس وجہ سے کہ یہ ایک روایت ان ایک دو
تین حدیثوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو جزئیت کو بتاتی ہیں۔ تیسرے اس وجہ سے کہ خود عائشہ نے بیان
کیا ہے کہ حضرت سرور عالمؐ صلے اللہ علیہ وآلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔
چوتھے:۔ اس وجہ سے کہ مذکورہ بالا حدیث میں عائشہ کی غرض الحمد للہ رب العالمین سے سورۂ الحمد
کو ظاہر کرنا ہے اور وہ اس امر کو بیان کرنا چاہتی ہیں کہ حضرت سرورؐ عالم نماز کو تکبیرۃ الاحرام اور سورۂ الحمد سے
شروع کیا کرتے تھے یعنی تکبیرۃ الاحرام کے بعد سورہ الحمد پڑھا کرتے تھے۔ انکی غرض بسم اللہ کی جزئیت یا عدم
جزئیت کو بیان کرنا نہیں ہے۔ اسی وجہ سے صاحب محلے شرح موطا نے پہلی دلیل کو آخری دونوں دلیلوں سے روشن تر
قرار دیا ہے۔ اور جب روشن تر دلیل تاریک تر ثابت ہوئی تو غیر روشن کا جو حال ہونا چاہیے وہ معلوم ہی
معلوم ہے۔ تیسری دلیل:۔ یہ ہے کہ اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم اس سورہ کی آیت قرار دی جائے تو الرحمن
الرحیم کو الحمد للہ رب العالمین کے بعد پھر ذکر کرنا بے فائدہ ٹھہرے گا۔ جواب دوبارہ ذکر کرنا
تاکید کے لئے ہے اور خدا کے رحمن اور رحیم ہونے کی تاکید اور اس کو بار بار ظاہر کرنا نہایت ضروری
چیز ہے تاکہ اس کے بندے اس کی بے انتہا نعمتوں کو خیال کرکے اس کی فرمانبرداری میں کوشش

اون کو دیکھنے ہی کی نوبت نہ آئی۔ بہر حال علاوہ قرآن مجید کے اسلوب تحریر کے علماء شیعہ کل اور علماء اہل سنت میں سے منجملہ گیارہ جماعتوں کے آٹھ جماعتوں کا فتوے اور ایک سوتین حدیثیں۔ اور بارہ دلیلیں عقلی بسم اللہ کے جزو سورہ ہونے کو بتاتی اور اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور گیارہ جماعتوں میں سے ایک ابو حنیفہ بے رائے ہیں اور عدم جزئیت کے ماننے والے صرف دو ہیں ایک مالک واوزاعی جو صاف منکر ہیں۔ یعنی قرآن ہی کا جزء نہیں مانتے اور دوسرے احمد بن حنبل اور متاخرین حنفیہ جو قرآن کا جزء تو مانتے ہیں لیکن کسی سورہ کا جزء نہیں مانتے۔ اس واسطے حق جزئیت ہے۔ کیونکہ ان دو جماعتوں کا بے دلیل وبے ثبوت دعوے نو جماعتوں کے دعوے کا مقابل اور معارض نہیں ہو سکتا جن کی دلیلیں ۱۰۳ حدیثیں اور بارہ عقلی دلیلیں ہیں فخر رازی کی عقلی دلیلیں ذکر کی گئیں۔ لیکن مولوی[عہ] عبد الحی صاحب نے جو ان کے بودے جواب دیئے

(بقیہ حاشیہ صد ۳۱) اور زیادہ فردیں جو گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہیں اب بھی چونکیں اور توبہ کریں اور اس کی رحمت واسعہ سے ناامید نہ ہوں ۱۲۔ اس کی حدیثیں در منثور صد ۱ تا ۹ جلد اول سے لی گئی ہیں۔

عہ مولوی عبد الحی صاحب نے جو فخر الدین رازی کی دلیلوں کے جواب دیئے ہیں وہ علاوہ اس کے کہ بجائے خود کمزور ہیں۔ ایک تو اس وجہ سے لائق توجہ نہیں ہیں کہ انھوں نے اپنے مقتدا اور امام ابو حنیفہ صاحب کی روش کو چھوڑا ہے کیونکہ اوپر گذر چکا کہ بقول فخر الدین رازی کے ابو حنیفہ صاحب نے کوئی رائے اپنی ظاہر نہیں کی۔ اور بعض فقہا حنفیہ نے تصریح کر دی ہے کہ انھوں نے اور ان کے شاگردوں نے اس میں رائے زنی کو امر عظیم سمجھ کر غور وفکر کو مناسب نہ سمجھا اور چپ رہے۔ دوسرے اس وجہ سے لائق توجہ نہیں ہے کہ عدم جزئیت پر کوئی معقول دلیل بیان نہیں کی۔ لیکن تعجب ان کے امام مالک سے ہے کہ وہ باوجودیکہ قرآن وحدیث پر زیادہ دلدادہ اور اس کے پابند تھے ایک سوتین حدیثوں کے ہوتے ہوئے عدم جزئیت کے کیونکر قائل ہوگئے اور اس پر اصرار یہ کہ پڑھنے کو بھی منع کر دیا حالانکہ ابو حنیفہ پڑھنے کو واجب[عہ] سمجھتے ہیں اور مالک نے موطا میں سورہ الحمد کے سبع مثانی ہونے کی روایت کو بھی نقل کیا ہے اور معلوم ہو چکا کہ سات آیتوں میں سے ایک آیت بسم اللہ بھی ہے اور حدیثیں جو جزئیت کو بتاتی ہیں وہ معتبر بلکہ متواتر ہیں اور علماء کا عمل ان کا مؤید ہے۔ ہاں مالک نے دو روایتیں نقل کی ہیں اور غالباً یہی دونوں حدیثیں ان کے اعتقاد عدم جزئیت

عہ مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے جس کی طرف محققین کا میلان ہے۔ (احکام القنطرہ صد ۲) ۱۲۔

ہیں ان کو بخوف طوالت چھوڑتا ہوں۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں مولوی عبدالحی صاحب کی کتاب احکام القنطرہ کو ملاحظہ کریں۔

دوسری بحث

بسم اللہ کو نمازوں میں پڑھنا واجب ہے

ہمارے کل علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنا جہریہ یعنی بلند آواز سے پڑھنے کی نمازوں میں واجب اور اخفاتیہ یعنی آہستہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) کا سبب ہوئی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں غیر معتبر ہیں ؂۱ مالک عن حمید الطویل عن انس قال قمت وراء ابی بکر وعمر وعثمان فکلھم کان لا یقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا افتتحوا الصلوٰۃ ؂۱ یعنی حمید طویل نے انس بن مالک سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر اور عمر اور عثمان کے پیچھے کھڑا ہوا۔ نماز شروع کرنے کے وقت انمیں سے کوئی بھی بسم اللہ نہیں پڑھتا تھا میں کہتا ہوں کہ علاوہ اسکے کہ مالک جیسے محدث اور فقیہ سے تعجب اس کا ہے کہ حضرت سرور عالم اور حضرت علی علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصریح جزئیت بسم اللہ اور اسکے پڑھنے کی پیروی کو چھوڑ کر ایسے غیر معصوم لوگوں کی پیروی کی ہے جو علم قرآن سے بے بہرہ تھے (دیکھو مقدمہ ۱۲ و ۲۱) یہ حدیث کئی وجہوں سے غیر معتبر ہے۔ ایک ؂۱ اس وجہ سے کہ حمید مذکور تدلیس کیا کرتے تھے ثابت کی روایتوں کو انس کیطرف نسبت دیکر بیان کیا کرتے تھے ؂۲ دوسرے اس وجہ سے کہ خلفاء جور کے طور وطریقہ اور لباس کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے زائدہ ان سے حدیثیں نہیں لیتے تھے اور مکی بن ابراہیم نے ان سے حدیث لینی چھوڑ دی تھی تیسرے ؂۳ اس وجہ سے کہ عقیلی اور ابن عدی نے ان کو ضعفاء یعنی غیر معتبر لوگوں میں شمار کیا ہے۔ چوتھے ؂۴ اس وجہ سے کہ امام اہلسنت ذہبی کہتے ہیں کہ انکی حدیثیں اوس وقت لائق اعتبار ہیں جب یہ خود سنکر بیان کریں اور سمعت کہیں یعنی خود میں نے سنا۔ اور اس حدیث کو سمعت کہکر بیان نہیں کیا ہے ؂۵ ؂۲ دوسری روایت علاء بن عبد الرحمن بن یعقوب کی ہے ابوہریرہ سے وہ کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ پڑھو الحمد للہ رب العالمین آہ اسمیں حضرت نے بسم اللہ کو ذکر نہیں کیا ؂۶ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت بھی کئی وجہوں سے غیر معتبر ہے ایک ؂۱ اس وجہ سے کہ علاء کو یحیےٰ بن معین اور ابن عدی نے غیر معتبر کہا ہے

پڑھنے کی نمازوں میں مستحب ہے[۱] اور علمار اہلسنت میں سے شافعی ہمارے بالکل موافق ہیں اور ابوحنیفہ (اور اون کے شاگرد) اور احمد بن حنبل اصل پڑھنے میں موافق ہیں لیکن جہریہ میں بھی آہستہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور مالک پڑھنے کو مستحب جانتے ہیں اور ابن ابی لیلے نے کہا ہے کہ نمازی کو اختیار ہے چاہے پڑھے یا نہ پڑھے۔ اور نخعی[۲] کہتے ہیں کہ بلند آواز سے پڑھنا بدعت ہے[۳]۔ پس ان اختلافات سے دو مسئلے پیدا ہوئے۔ ایک[۴] یہ کہ نمازوں میں سوروں سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنا جائز ہے بمعنی عام جس میں واجب اور مستحب اور مکروہ اور

ع[۱] اگرچہ شافعی اور ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل نے اپنے حکموں میں نماز جہریہ اور اخفایہ کی تصریح نہیں کی ہے لیکن ان کا تصریح نہ کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کا حکم دونوں نمازوں کے لئے عام ہے اور فخر رازی کی دلیلیں جو آئندہ مذکور ہونگی اور حنفیوں کا عمل اس عموم کا موید ہے ۱۲

ع[۲] ابن ابی لیلے نے بھی چونکہ بلند یا آہستہ پڑھنے کی تصریح نہیں کی ہے اور نہ جہریہ اور اخفایہ میں کوئی فرق بیان کیا ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ جہریہ اور اخفایہ دونوں میں بلند آواز سے پڑھنے کو یہ منع نہیں کرتے

ع[۳] امام اہلسنت عبدالوہاب شعرانی کا نخعی کے حکم کو ابوحنیفہ کے حکم سے جدا بیان کرنا باوجودیکہ دونوں آہستہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں یہ بتاتا ہے کہ ابوحنیفہ بلند آواز سے پڑھنے کو حرام اور بدعت نہیں جانتے تھے۔ اس واسطے بلند آواز سے پڑھنا ابوحنیفہ کے نزدیک بھی جائز ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح مالک چونکہ نہ پڑھنے کو مستحب جانتے تھے اور مستحب کو چھوڑنا جائز ہے اس واسطے ان کے فتوائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) دوسرے اس وجہ سے کہ اس روایت کی سند میں علمار نے غلطی کی ہے یعنی عن ابیہ کی جگہ پر عن ابی السائب کہا ہے[۵]۔ اس واسطے ممکن ہے کہ بسم اللہ کو بھی غلطی سے چھوڑ دیا ہو۔ تیسرے اس وجہ سے کہ اگر ابیہ کی جگہ پر ابوالسائب کو جان بوجھکر انھوں نے بیان کیا ہے تو یہ تدلیس اور خیانت ہے۔ چوتھے اس وجہ سے کہ ابوہریرہ کی بعینہ یہی حدیث ان کے امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے جس میں بسم اللہ موجود ہے۔ پانچویں اس وجہ سے کہ دو حدیثیں صحیح و معتبر ابوہریرہ کی ثعلبی نے اور بھی نقل کی ہیں جن میں حضرت سرور عالم نے فرمایا ہے کہ بسم اللہ کو نہ چھوڑا کرو کیونکہ سورہ الحمد کی یہ بھی ایک آیت ہے[۶] پس علمار کی ایک حدیث وہ بھی غیر معتبر ان تین حدیثوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۱۲

---

[۱] مجمع البیان شرح تجرید جلد ا مثنا ذکر بسم اللہ و کتب فقہ و ذکر قرأت ۱۲

[۲] میزان شعرانی جلد ا باب صفت صلوۃ ۱۲

[۳] [illegible]

[۵] میزان جلد ۲ ذکر علمار ۱۲

[۶] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۱۲

مباح سب داخل ہیں۔ دوسرے یہ کہ جہریہ نمازوں میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور اخفاتیہ میں مستحب یا مباح پہلے مسئلہ پر دنیا کے کل مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔ مالک کے سوا کل فقہائے اسلام واجب جانتے ہیں اور مالک (مطابق اوس توجیہ کے جس کو میں نے حاشیہ ۵ میں بیان کیا ہے) جائز بمعنی خاص یعنی مباح باکراہت اور دوسرے مسئلہ پر بھی (مطابق اوس توجیہ کے جس کو میں نے حاشیہ ۵ میں بیان کیا ہے) کل فقہائے اسلام کا اتفاق ہے فقہائے شیعہ اور شافعی جہریہ میں بلند آواز سے پڑھنے کو واجب جانتے ہیں اور اخفاتیہ میں مستحب اور ابوحنیفہ اور مالک اور احمد بن حنبل جائز بمعنی خاص یعنی مباح اور کسی قدر مخالف پہلے مسئلہ میں مالک ہیں جو نہ پڑھنے کو مستحب جانتے ہیں اور پڑھنے کو مکروہ۔ اور دوسرے مسئلہ میں نخعی جو آہستہ پڑھنے کو واجب جانتے ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کو حرام اور بدعت لیکن یہ دونوں فتوے غلط اور باطل ہیں کیونکہ پہلا مسئلہ یعنی نمازوں میں سوروں سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنے کا وجوب چاروں دلیلوں سے ثابت ہے ایک اجماع جو اوپر ذکر کیا گیا دوسرے بارہ دلیلیں عقلی جو قبل اسکے ذکر کی گئیں کیونکہ یہ دلیلیں اس بات کو بیان کر رہی ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سوروں کا جزء ہے اور جزئیت ثابت ہونے کے بعد اون سوروں کے ساتھ اوسکو پڑھنا واجب ہے کیونکہ ایک تو کل وہ علماء جو اس کو سوروں کا جزء سمجھتے ہیں اس کا پڑھنا واجب جانتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو اس کو جزء نہیں سمجھتے جیسے علماء حنفیہ اور احمد بن حنبل وہ بھی اس کا پڑھنا واجب سمجھتے ہیں۔ دوسرے نہ پڑھنے کی صورت میں پورا سورہ نہ پڑھنے کی وجہ سے نماز ناقص اور باطل ہو جائیگی تیسرے قرآن مقدس میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (مزمل پ ۲۹ آیت ۱۹) یعنی پڑھو جو کچھ ممکن ہو قرآن سے۔ فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سورہ الحمد یا قرآن کا کوئی دوسرا سورہ نہ پڑھ سکتا ہو تو قرآن کی جو آیت یاد ہو نماز میں اوسی کو پڑھے۔ اور علماء اہلسنت میں سے ابوحنیفہ اور شافعی کے کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) استحباب کے بنا پر بسم اللہ کو پڑھنا جائز ہے۔ اور پڑھنے کی صورت میں چونکہ بلند یا آہستہ کی قید ان کے کلام میں نہیں ہے اس لئے جہریہ اور اخفاتیہ دونوں میں بلند آواز سے پڑھنا ان کے نزدیک جائز ثابت ہوتا ہے۔ اس واسطے اس مسئلہ میں کل مسلمانوں کا اجماع ثابت ہوتا ہے ۱۲

سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور بسم اللہ کے جزء سورہ ہونے کے متعلق ۴۲ حدیثوں
کے دیکھ لینے کے بعد اوسکی جزئیت سے انکار کرنا مکابرہ ہے۔ پس اگر کوئی شخص سورہ
الحمد اور قران کی دوسری کوئی آیت نہ پڑھ سکتا ہو اور بسم اللہ پڑھ سکتا ہو تو مطابق
اس آیت کے نماز میں بسم اللہ ہی کو پڑھنا اوس پر واجب ہوگا۔
چوتھے حدیثیں۔ بطریق شیعہ ۴۳ ہیں بسم اللہ کی جزئیت کو ثابت کرنے والی
تیرہ ۱۳۔ ہر حال میں پڑھنے کے متعلق سات نماز میں پڑھنے کے متعلق ۲۳۔ اور
بطریق سنی ۸۰ ہیں۔ جزئیت کو ثابت کرنے والی ۴۲۔ ہر حال میں پڑھنے کے
متعلق ۹۔ نماز میں پڑھنے کے متعلق ۵۹ پس یہ کل حدیثیں تین طرح کی ہوئیں۔
پہلی قسم مطلقہ جو جزئیت کو ثابت کرتی ہیں یہ حدیثیں بسم اللہ کے نماز میں پڑھنے کو
بلازمہ اوسی تقریر سے واجب بتاتی ہیں جو عقلی دلیلوں کے متعلق ابھی اوپر ذکر کیگئی
دوسری قسم عامہ جو ہر حال میں پڑھنے کی ہدایت کرتی ہیں تیسری قسم خاصہ جو خاص
نماز میں پڑھنے کو واجب بتاتی ہیں انھیں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں جو بسم اللہ کو
بلند آواز سے پڑھنے کے متعلق ہیں۔ اور وہ عـ بھی جن میں آہستہ پڑھنے کا ذکر ہے۔
پہلی قسم کی حدیثیں پہلی بحث میں ذکر کیگئیں اور دوسری قسم کی حدیثوں میں سے بطریق
شیعہ منجملہ سات حدیثوں کے ایک فرمائش مولاے دوجہاں امیر المومنین حضرت
علی بن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام ہے ارشاد فرماتے ہیں قُولُوا عِندَ اِفتِتَاحِ
كُلِّ اَمرٍ صَغِيرٍ اَو عَظِيمٍ بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ لہ یعنی ہر امر کو شروع کرنے کے وقت

بسم اللہ کے پڑھنے کو واجب ثابت کرنے والی حدیثیں

لہ میزان ۲۹۰ ع تفسیر سورہ حمد ۱۲

عـ یہ خیال نہ ہو کہ ان روایتوں میں جو لفظ لا یجہر واقع ہے جس کا معنی بلند آواز سے پڑھنا ہے
جس طرح آہستہ پڑھنے پر اس کو استعمال کرنا صحیح ہے اوسیطرح بالکل نہ پڑھنے پر بھی جس کو سالبہ
بانتفاء موضوع کہتے ہیں کیونکہ ایک تو عام طور سے لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں موصوف کی نفی سے صفت کی
نفی اور صفت کی نفی سے موصوف کی نفی مراد نہیں لیتے دوسرے ان حدیثوں کے بیان کا طریقہ صاف صاف
بتارہا ہے کہ راوی کی غرض آہستہ پڑھنے کو بیان کرنا ہے۔ تیسرے اس وجہ سے کہ متعدد
حدیثوں میں بعوض لا یجہر کے یسر ہے۔ پس یہ حدیثیں اون حدیثوں کے معنے پر شاہد
ہونگی ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو خواہ وہ امر چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور بطریق سنی منجملہ نو حدیثوں کے ایک حدیث ابو ہریرہ سے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِذَا قَرَأْتُمُ الْحَمْدَ فَاقْرَؤُا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ یعنی جب سورۂ الحمد پڑھو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی پڑھو۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے[1]۔ اور تیسرے قسم کی حدیثوں میں سے بطریق شیعہ منجملہ تیئیس حدیثوں کے چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں کیونکہ بسم اللہ کو نماز بلکہ غیر نماز میں بھی سوا سورہ برائت کے باقی کل سوروں کے ساتھ پڑھنے میں میرے علمار کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں چونکہ اختلاف نہیں ہے اور یہ مسئلہ میرے مذہب میں اجماعی ہے۔ اس واسطے زیادہ حدیثوں کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے[1] صفوان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پیچھے کئی دن نماز پڑھی پس حضرتؑ سورہ الحمد میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرتے تھے پس اگر نماز اخفاتیہ یعنی آہستہ پڑھنے کی ہوتی تھی تو حضرتؑ (صرف) بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے اور باقی آیتوں کو آہستہ [2] عبداللہ بن یحیٰے کاہلی بیان کرتے ہیں کہ مسجد بنی کاہل میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ہم لوگوں کے ساتھ نماز بہ جماعت پڑھی پس آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو دو مرتبہ (ایک مرتبہ سورہ الحمد کے ساتھ اور دوسری مرتبہ سورہ کے ساتھ) بلند آواز سے پڑھا [3] معاویہ بن عمار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کیا کہ جب میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا کروں تو کیا سورہ الحمد میں بسم اللہ الرحمن بھی پڑھا کروں فرمایا ہاں عرض کیا جب سورہ الحمد پڑھ چکوں تو سورہ کے ساتھ بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کروں فرمایا ہاں[5] [4] ابو حمزہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سَرَقُوا اَكْرَمَ آيَةٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ یعنی کتاب خدا میں جو بہت بزرگ آیت ہے یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم لوگوں نے اوسی کو چرا لیا[6] [5] عیسیٰ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو خبر ملی کہ کچھ لوگ (سوروں میں سے) بسم اللہ الرحمن الرحیم نکال ڈالا کرتے ہیں تو حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب خدا کی ایک آیت ہے جس کو شیطان نے اون کے ذہن سے بھلا دیا ہے

[1] تفسیر در منثور سیوطی جلد ۱ صفحہ ۸ وسط ذکر سورہ فاتحہ ۱۲

[2] وسائل الشیعہ جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ باب ۱۱ ذکر جزئیت بسم اللہ صفحہ ۳۵۲

[3] شبہۂ نمبر ۱۲ عقلی دلیل کے حاشیہ میں گذر چکا اور آگے بطریق اہل سنت حدیث بھی ذکر کی جائیگی

[4] جس سے اوس شخص کا پتہ ملتا ہے جس نے پہلے بسم اللہ کو چرایا ۱۲

[5] آگے اس مضمون کی حدیث بطریق اہل سنت بھی ذکر کی جائیگی ۱۲

۶ خالد بن مختار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ خدا اون لوگوں کو ہلاک کرے اون کو [۵] کیا ہوگیا ہے جو کتاب خدا کی بہت بزرگ آیت یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم پر جھک پڑے اور خیال کر لیا (اور کہ دیا) کہ اوس کو ظاہر کرنا بدعت ہے ۷ ابو حمزہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ پس جب مشرک سنتے تھے تو بھاگ جاتے تھے۔ پس خداوند عالم نے وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا نازل کیا۔ یعنی جب تم نماز میں اپنے پروردگار کی وحدانیت کا ذکر کرتے ہو تو کفار اُلٹے پاؤں پھر جاتے ہیں ۸ منصور ابن حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ لوگوں کے ساتھ جب نماز جماعت پڑھتے تھے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ پس آپ کے پیچھے جو منافقین (جو جماعت میں شریک رہتے تھے) وہ صف جماعت سے باہر نکل جاتے تھے جب حضرت بسم اللہ ختم کر کے سورہ شروع کرتے تھے تو وہ پھر صف میں اپنی اپنی جگہوں میں آجاتے تھے (اور نماز کے بعد) ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ اپنے پروردگار کا ذکر بار بار کرتے ہیں کیونکہ اپنے پروردگار کو بہت دوست رکھتے تھے ۹ زرارہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام یا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ حق ہے پس اوسکو بلند آواز سے پڑھا کرو۔

۱۰ ابن اذینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا زیادہ حقدار ہے (کیونکہ اسمیں ذکر وحدانیت پروردگار ہے اسلئے کہ لفظ اللہ کا معنی وہ ہستی ہے جو اپنے کل صفات کمال

۵ لوگوں میں سے ایک فقی ہیں جو کہتے ہیں کہ بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا بدعت ہے دیکھو میزان امام شعرانی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ بیان صفت صلوٰۃ

۵ ان دونوں حدیثوں ۵ و ۶ سے معلوم ہوگیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نفرت کرنے والے کون لوگ تھے اور اسکی جزئیت سے انکار اور اس کو پڑھنے سے منع یا آہستہ پڑھنے کی فرمائش کیوں کیگئی ان مضامین کی حدیثیں بنانے والے کس عقیدہ کے لوگ تھے ۱۲

میں منفرد اور یکتا ہو یہی وجہ ہے کہ کفار اور منافقین اس کو سنکر بھاگ جایا کرتے تھے) چنانچہ خدا وند عالم ارشاد فرماتا ہے ع۵ اِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۔ آیۃ ۵

حدیثیں بطریق اہلسنت

کنز العمال جلد ۴ حرف ص فی کر صلوۃ

صرف پڑھنے کے متعلق

ا حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ جب سورہ الحمد پڑھا کرو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی پڑھا کرو انتہی بقدر حاجت ع۲ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے جابر انصاری سے پوچھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہو تو کیونکر پڑھا کرتے ہو انھوں نے عرض کیا الحمد للہ رب العالمین تو حضرت نے فرمایا کہ کہا کرو بسم اللہ الرحمن الرحیم ۳ ر ۳ حضرت سرور عالم نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوا کرو تو پڑھا کرو بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین آخر تک۔ انتہی بقدر حاجت ۴ خلیفہ دوم عمر بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ جب قرایت شروع کرتے تھے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین آخر تک پڑھا کرتے تھے۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ راوی اس روایت کے سب معتبر ہیں ۵ ر ۵ ابو صلح مولے توسیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتے ہوئے ابو ہریرہ کو سنا ۶ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم نماز میں بسم اللہ الرحمن پڑھا کرتے تھے ۷ ر ۷ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد

ع۵ سیوطی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں تین حدیثیں لکھی ہیں کہ شیاطین اور کفار قریش بسم اللہ سے نفرت کرکے بھاگ جایا کرتے تھے (در منثور جلد ۴ ص ۱۸۶) یہ نفرت مسلمان ہونے کے بعد بھی رہ گئی ۱۲

ع۶ ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی ایسے شخص تھے جو حکم اسلام اور مذاق و خیال رسول اللہ سے بے خبر ہوتے حالانکہ حضرت کے پیچھے اوسی دن سے نماز پڑھنے لگے جس دن سے اسکی ابتدا ہوئی اور سوا آپکے مردوں میں کوئی دوسرا شخص مسلمان نہ تھا۔ اور بارہویں مقدمہ میں حضرت علی کی فضائش گذر چکی کہ حضرت سرور عالم آپکو وحی کے کل مطالب خبر دیدیا کرتے تھے اور سب سے پہلی وحی میں حضرت کو سورہ الحمد مع بسم اللہ کے تعلیم کیا گیا (در منثور جلد ۱ ص ۳) اس لئے ضرور ہے

ا تفسیر برہان جلد ا ص ۲۶ و ۲۷ تفسیر سورہ فاتحہ و ۶۰۷ تفسیر سورۂ بنی اسرائیل ساتوں نمبر ۱۲
۲ ص ۹۵ نمبر حدیث ۱۹۴ بروایت ابوہریرہ بحوالہ دار قطنی و بیہقی ۱۲
۳ ص ۹۶ نمبر حدیث ۲۰۰۵ بروایت جابر انصاری بحوالہ دار قطنی ۱۲
۴ ص ۹۶ نمبر حدیث ۲۰۰۶ بروایت حسین ابن عمر فاطہ بحوالہ دار قطنی ۱۲
۵ ص ۲۰ نمبر حدیث ۲۰۳۴ بحوالہ السلفی ۱۲
۶ ص ۲۰۸ نمبر حدیث ۴۴۵۷ بحوالہ عبد الرزاق ۱۲
۷ ص ۲۰۹ نمبر حدیث ۴۴۷۰ بحوالہ دار قطنی ۱۲

فرماتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالمؐ نے پوچھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہو تو کیونکر پڑھا کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ الحمد للہ رب العالمین تو حضرتؐ نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی پڑھا کرو ۸ انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں ابو بکر اور عمر اور عثمان سب کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں یہ سب لوگ جب نماز شروع کیا کرتے تھے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرتے تھے ۹ جابر انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے مجھ سے پوچھا کہ اے جابر نماز کیونکر شروع کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ الحمد للہ رب العالمین سے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی پڑھا کرو۔ یہ حدیث بھی اسی امر کو ظاہر کر رہی ہے کہ جابر انصاری نے (جو حضرتؐ کے برگزیدہ صحابی اور فضلاء صحابہ سے تھے) الحمد للہ رب العالمین سے سورہ الحمد کو مراد لیا اور سوال سے یہ سمجھا کہ حضرتؐ اس بات کو پوچھنا چاہتے ہیں کہ نماز کو کس سورہ سے شروع کرتے ہو کیونکہ متعدد حدیثوں میں امر بصراحت مذکور ہے کہ نماز بغیر سورۂ الحمد کے صحیح نہیں ہے۔ اور حضرتؐ نے بطور تاکید کے فرمایا کہ بسم اللہ ضرور پڑھا کرو ۱۰ عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر نماز کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے ۱۱ عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ قرائت یعنی الحمد اور سورہ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے ۱۲ نافع کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم کو چھوڑا نہ کرتے تھے اور قرائت یعنی الحمد اور سورہ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔

تفسیر درمنثور علامہ سیوطی سے

صرف پڑھنے کے متعلق | ۱۳ ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل بیان کرتے ہیں کہ د شروع

[حاشیہ: حدیث نمبر ۱ صفحہ ۲۰ حدیث نمبر ۸۰ بحوالہ دار قطنی — نمبر حدیث ۸۸ بحوالہ امام مالک و بخاری و مسلم — نمبر حدیث ۹۰ بحوالہ ابن بخار ۱۲ — نمبر حدیث ۹۲ بحوالہ عبد الرزاق ۱۲ — نمبر حدیث ۹۷ بحوالہ ابن بخار — نمبر حدیث ۹۶ بحوالہ عبد الرزاق ۱۲]

ع حدیث نمبر ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ میں لفظ قرائت واقع ہوا ہے اور فقہاء الحمد اور سورہ دونوں کے پڑھنے کو قرائت کہتے ہیں۔ اس لئے یہ تینوں حدیثیں اس امر کو بتاتی ہیں کہ الحمد اور سورہ دونوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنا چاہیے اور آئندہ اسکے متعلق صریح حدیثیں بھی آئینگی ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹)

کو یہ کہا جائے کہ حضرت امیرؑ نے الحمد سے اس سورہ کو مراد لیا تھا اور بسم اللہ بھی پڑھا کرتے تھے اور حضرت سرورِ عالمؐ نے باوجود اسکے بسم اللہ کی عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسروں کو سنانے اور ہدایت کرنے کے لئے اوسکو بغرض تاکید ذکر کر دیا تھا ۱۲

بعثت میں حضرت سرور عالم نے جو خداوند عالم کیطرف سے پہلی آواز تعلیم کی صورت میں سُنی وہ یہ تھی (
حضرتؐ تنہا تشریف رکھتے تھے کہ خداوند عالم کیطرف سے آواز آئی کہ اے محمد پڑھو بسم اللہ
الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین یہاں تک کہ یہ تعلیمی آواز اس سورہ کو پڑھتی ہوئی
ولا الضالین تک پہونچی پھر ارشاد ہوا کہو لا الہ الا اللہ انتہے بقدر حاجت لہ ۱۴ ابوہریرہ
بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نماز جماعت میں جب پڑھنا شروع کرتے تھے
تو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔ ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ بسم اللہ کتاب خدا کی
ایک آیت ہے جب سورہ الحمد کو پڑھا کرو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بھی پڑھا کرو کیونکہ یہ اوسکی
ساتویں آیت ہے لہ ۱۵ جناب ام المومنین ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت سرور عالمؐ نے
پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۱ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۲ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۳ مٰلِكِ يَوْمِ
الدِّيْنِ ۴ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۵ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۶ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۷ اور فرمایا کہ اے ام سلمہ یہی ساتوں آیتیں
ہیں لہ ۱۶ جناب ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ (سورہ الحمد کو
اس طرح) پڑھا کرتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم ۱ + الحمد للہ رب العالمین ۲ + الرحمن الرحیم ۳
مالک یوم الدین ۴ + ایاک نعبد وایاک نستعین ۵ + اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت
علیہم + غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (ام سلمہ کہتی ہیں کہ) حضرتؐ نے آیتوں کو جدا
جدا پڑھا اور کھول کر ہر ایک کو جدا جدا شمار کیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ایک آیت قرار دی
اور اون لوگوں پر پھر نہیں دہرایا لہ ۱۷ بریدہ کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ
و آلہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جب نماز شروع کرتے ہو تو کس چیز سے قرات (یعنی پڑھنا)
شروع کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔ فرمایا ھی ھی (یہی یہی) یعنی
میری غرض اسی آیت سے تھی۔ پھر تشریف لے گئے لہ ۱۸ عبداللہ ابن عمر کے متعلق
روایت ہے کہ وہ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرتے تھے اور سورہ (الحمد) ختم کرنے کے بعد
بھی (سورہ پڑھنے سے پہلے) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قرآن مجید
میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے ہی کے لئے لکھا گیا ہے لہ ۱۹ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی
میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نماز پڑھنے کی غرض سے آیا اور نماز شروع کی اور
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنے کے بعد الحمد للہ رب العالمین کہا تو حضرتؐ نے سُنکر

فرمایا کہ اے شخص تو نے اپنی نماز باطل کردی کیا تو نہیں جانتا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ الحمد کا جز ہے جس نے اس کو چھوڑا اوس نے ایک آیت کو چھوڑا اور جس نے آیت کو چھوڑا اوس نے نماز کو باطل کیا [له] ۔ ۲۰ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے مجھے نماز (اس طرح) تعلیم کی کہ کھڑے ہوئے پس تکبیر کہی پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا اون کل رکعتوں میں[عے] جنمیں بسم اللہ (وجوباً یا استحباباً) بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے [ئے] ۔ ۲۱ علی بن زید بن جدعان کہتے ہیں کہ عبادلہ[عث] یعنی عبداللہ بن عباس

له در منثور جلد ۱ ص ۔ فوائد الثعلبی ۱۲

ئے در منثور جلد ۱ حدیث بحوالہ دارقطنی ۱۲

عے حدیث میں اصل عبارت فیما یجہر بہ فی کل رکعۃ ہے ۔ اور ذکر جہر میں انشاء اللہ تعالے حدیث دارقطنی وغیرہ بروایت حضرت امیر المومنین علیہ السلام وعمار دو حدیثیں نقل کروں گا جنمیں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کان رسول اللہ یجہر فی المکتوبات بیسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اور المکتوبات جمع ہے جس پر الف ولام داخل ہوا ہے اور جمع محلے بلام فائدہ عموم کا دیتی ہے ۔ اس لئے یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت سرور عالم کل واجب نمازوں میں (جن سے میری غرض متعلق ہے اور مستحبات کا امر سہل ہے) بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۔ اور واجب نمازوں میں کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا واجب ہو ۔ پس اسی حدیث کے عموم کو قرینہ قرار دیکر میں نے فیما کے اسم موصول سے رکعت مراد لی ہے اور فی کل رکعۃ کو یقرء سے متعلق کیا ہے ۱۲

عث یہ تینوں صاحب فضلاء و فقہاء صحابہ سے تھے خصوصاً عبداللہ[بے] بن عباس جو کل صحابہ میں خاص امتیاز رکھتے تھے اور بحر العلوم کہے جاتے ہیں اور خلیفہ دوم عمر بن خطاب انکو بدری صحابہ پر ترجیح دیتے اور ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ غُص یا غواص یعنی غوطہ لگاؤ اے غوطہ لگانے والے دریائے علم میں[للعہ] ۔ اور عبداللہ بن زبیر کے متعلق عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ جس کو حضرت سرور عالم کی نماز دیکھنی ہو وہ عبداللہ بن زبیر کی نماز کو دیکھے[ھ] ۱۲

بے عبداللہ بن عباس کے قران فہمی کے لیے حضرت سرور عالم نے دعا کی تھی اس وجہ سے اونکو بحر یعنی دریا علم کہتے ہیں ۔ اور زیادتی علم کی وجہ سے حبر یعنی سردار کہے جاتے ہیں ۔ عمر کہتے ہیں کہ اگر یہ ہم لوگوں کی عمر تک پہونچ گئے تو ہم میں سے کوئی شخص ان کا دسواں حصہ بھی نہ ٹھہریگا اور فقہاء صحابہ سے تھے" (تقریب التہذیب) عبداللہ بن عمران سے حدیثیں بہت ہیں اور حدیثوں کی بڑی بہت سختی سے کرتے تھے (تقریب التہذیب) ۱۲

للعہ دیکھو کتاب اصابہ و استیعاب وغیرہ میں ذکر عبداللہ بن عباس ۱۲

ھ تیسیر الوصول جلد ۱ ص ۲۹۹ باب ۵ بیان کیفیت نماز ۱۲

اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر قرائت کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا کرتے تھے اور اس کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ؀۱ نمبر ۲۲ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ آپ نماز میں جب سورہ ؏ شروع کرتے تھے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اس کو نہ پڑھے اوس نے سورہ کو ناقص کردیا اور فرمایا کرتے تھے کہ سورہ الحمد میں بسم اللہ ملکر سات آیتیں پوری ہوتی ہیں ؀۲ نمبر ۲۳ طلحہ بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ جس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو چھوڑا اوس نے کتاب خدا کی ایک آیت چھوڑدی ؀۳ نمبر ۲۴ عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ اپنی نماز کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے ؀۴ نمبر ۲۵ نعیم مُجمر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوہریرہ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا پس اونھوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھکر سورہ الحمد پڑھا۔ انتہے بقدر حاجت ؀۵ نمبر ۲۶ و ۲۷ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ مکہ میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ اور اہل مکہ مسیلمہ کو (جس نے دعوائے نبوت کیا تھا) بلفظ رحمن پکارا کرتے تھے پس کفار قریش کہنے لگے کہ محمد خدائے یمامہ (یعنی مسیلمہ) کو پکارتے ہیں پس آیت ؏ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا نازل ہوئی اور حضرتؐ کو بسم اللہ آہستہ پڑھنے کا حکم ہوا اور آپنے آخر عمر تک پھر اس کو بلند آواز سے نہیں پڑھا ؀۶ نمبر ۲۸ ابن عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھکو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے سُنا تو کہا کہ اے فرزند تم نئی بات کرتے ہو۔ میں نے حضرت سرورعالم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھی لیکن کسی کو بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سُنا ؀۷ **تنبیھین** نمبر ۱ چونکہ آخری تینوں حدیثیں یعنی نمبر ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ غیر معتبر اور نفی جہر کے متعلق ہیں اس لئے میں نے ان کو اصل مطلب یعنی بسم اللہ کو پڑھنے کی حدیثوں کے لئے مؤید قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان سے اصل پڑھنے کا ثبوت صاف صاف نکل رہا ہے۔ اور ان کی بے اعتباری کا سبب ہے کہ نمبر ۲۶ اور ۲۷ مرسلہ ہے۔ کیونکہ نمبر ۲۶ کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں ہے اور حضرت سرورعالمؐ کو خود اونھوں نے دیکھا نہیں اور نمبر ۲۷ اگرچہ ابن عباس کیطرف منسوب ہے لیکن سعید بن جبیر نے ابن عباس کو بھی نہ دیکھا تھا اس لئے کہ ابن عباس سنہ ۶۸ ہجری میں مرچکے تھے اور سعید سنہ ۹۵ ہجری میں پچاس سال کی عمر میں مرے۔ اس بنا پر

؏ لفظ سورہ اس حدیث میں مطلق ہے جس میں سورہ الحمد خاص کر ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ لفظ الحمد اور اسکے بعد کے سورہ دونوں کو شامل ہے ۱۲ ؏ نہ بلند آواز سے نماز پڑھو نہ بالکل آہستہ

؀۱ در منثور جلد ۱ صـ۷ بحوالہ ثعلبی ۱۲ ؀۲ در منثور جلد ۱ صـ۷ بحوالہ ثعلبی ۱۲ ؀۳ در منثور جلد ۱ صـ۷ بحوالہ ثعلبی ۱۲ ؀۴ در منثور جلد ۱ صـ۸ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و دارقطنی و بیہقی ۱۲ ؀۵ در منثور جلد ۱ صـ۸ بحوالہ دارقطنی [illegible] ؀۶ در منثور جلد ۱ صـ۱۱ بحوالہ مراسیل ابوداؤد [illegible]

ابن عباس کے انتقال کے ۷۰ سال بعد انکی ولادت ثابت ہوتی ہے اور مرسلہ حدیثیں ضعیف اور غیر معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ اور نمبر ۲۸ اس وجہ سے بے اعتبار ہے کہ ایک تو اس کے راوی یعنی ابن عبداللہ بن مغفل مجہول الحال ہیں۔ دوسرے خود انھیں ایک راوی کی ایک ہی حدیث میں اختلاف ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ اور ابو بکر اور عمر اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھی یہ لوگ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا) اور کبھی کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ یہ لوگ بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے۔ اے فرزند جب پڑھا کرو تو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرو (دیکھو کنز العمال جلد ۴ حرف ص بیان صلوۃ صفحہ ۲۱ نمبر حدیث ۴۴۹۸) اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان حدیثوں کا مضمون یعنی بسم اللہ کو باآواز بلند پڑھنے سے حضرت سرورِ عالم کا ممنوع ہونا اور پھر بلند آواز سے آخر عمر تک نہ پڑھنا جیسا کہ نمبر ۲۶ و ۲۷ میں مذکور ہے۔ یا حضرت صلعم کا بسم اللہ کو بالکل نہ پڑھنا یا بلند آواز سے نہ پڑھنا جیسا کہ نمبر ۲۸ میں مذکور ہے محض غلط ہے اور اعتبار و توجہ کے لائق نہیں ہے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ ابن عباس اور ابن عمر وغیرہ کی متعدد حدیثیں آئندہ ذکر کیجائینگی جن میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ حضرت سرورِ عالم آخر عمر تک بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتے رہے علاوہ اسکے مولوی عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت یعنی لا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا ابتداء اسلام میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہجرت کے بعد بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے اس لئے یہ آیت بلند آواز سے پڑھنے کے حکم کو نہیں اوٹھا سکتی تھی۔

تنبیہ دوم اس تنبیہ میں چند چیزیں لائق ذکر ہیں ۱۔ نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۷ و ۹ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۹ و ۲۵ میں اگرچہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو سورہ الحمد کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے لیکن چونکہ اسکے بعد کے سورہ میں اس کو پڑھنے سے انکیں منع نہیں کیا گیا ہے اس لئے ان نمبروں کی حدیثیں دوسرے سوروں میں پڑھنے یا نہ پڑھنے سے ساکت ہیں اس واسطے وہ پڑھنے کی مخالف نہیں ہیں اس لئے یہ حدیثیں اون حدیثوں کی معارض نہیں ہوسکتیں جو سوروں میں پڑھنے کو ضروری بتاتی ہیں۔ اور باقی ۱۷ حدیثیں مطلقہ یعنی بے قید ہیں اور نمبر ۸ و ۱۱ و ۱۲ و ۲۱ چار حدیثوں میں لفظ قرائت واقع ہوا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں الحمد اور اوسکے بعد کے سورہ دونوں کے پڑھنے کو قرائت کہتے ہیں۔ اس واسطے یہ چاروں حدیثیں دونوں سوروں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کو واجب بتائینگی اور اگر کوئی شخص خواہ مخواہ اس سے انکار ہی کرنا اور قرائت کا معنی صرف پڑھنا

کلام ۵
تصفیہ ۲۶/۳
دسط ۱۲

بیان اول اس کا بسم اللہ کو سوروں میں پڑھنا بھی واجب ہے

لینا چاہیے تو یہ چاروں بھی مطلقہ قرار پائینگی - اور اصول فقہ کے قاعدے سے ہر وہ آیت یا حدیث یا کلام جو مطلق یعنی بے قید ہو مقید پر محمول کیا جاتا ہے - یعنی اوس مطلق سے بھی وہی قید مراد لیجاتی ہے جو مقید میں مذکور ہے - اور بسم اللہ کے متعلق چند معتبر حدیثیں موجود ہیں جنمیں اس کو الحمد اور سورہ دونوں میں پڑھنے کی تصریح کیگئی ہے منجملہ اونکے ایک حدیث نمبر ۱۸ ہے جو گذر چکی ۲۹ اور دوسری حدیث حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم کو الحمد للہ اور سورہ دونوں میں بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۲

۳۰ اور تیسری حدیث نافع کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر جب نماز شروع کرتے تھے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کو الحمد اور اوس کے بعد کے سورہ دونوں میں پڑھا کرتے تھے - اور کہا کرتے تھے کہ میں نے اس کو حضرت سرور عالم ع سے سنا ہے ۲ ۳۱ اور چوتھی حدیث معاویہ کے متعلق بیان کیگئی ہے کہ وہ مدینہ میں آیا اور نماز جماعت پڑھائی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھا اور تکبیر کہی نہ جھکتے وقت نہ اوٹھتے وقت پس انصار اور مہاجرین نے پکار کر کہا کہ اے معاویہ کیا تم نے نماز میں چوری کی کہاں ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور کہاں ہے تکبیر یعنی ان دونوں کو کیوں چھوڑا الخ

۱ تفسیر اتقان جلد ۲ صا۳۱ ذکر آیات مطلقہ و مقیدہ ۱۲

۲ کنز العمال جلد ۴ حرف ص ذکر صلوۃ صفحہ ۲۰۶ نمبر حدیث ۴۷۶۲ بحوالہ دار قطنی ۱۲

ع۵ اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ چوری کا سوال ان سے کل مہاجرین اور انصار نے کیا اور ظاہر ہے کہ ایسا سوال اوسی شخص سے کیا جاسکتا ہے جو یا تو ایسے فعل کے ساتھ متہم اور بدنام ہو چکا ہو یا اوس سے ایسے فعل کے سرزد ہونے کا احتمال نہیں بلکہ یقین یا گمان ہو کیونکہ احتمال ہر جائز الخطا کیطرف سے ہوسکتا ہے باوجود اسکے لوگ عام طور سے ہر جائز الخطا سے ایسا سوال نہیں کرتے - دوسرے یہ کہ کل مہاجرین اور انصار کو معلوم تھا کہ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا واجب اور جھکنے اور اوٹھنے کے وقت تکبیر کہنا ضروری ہے - اور معلوم ہے کہ صحابہ کا علم حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات سے تھا اور دو چار نہیں بلکہ بہت سی حدیثوں میں جو متن میں ذکر کیگئیں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت سرور عالم اس کو نماز میں پڑھا کرتے تھے - تیسرے یہ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو الحمد اور اوس کے بعد کے سورہ دونوں میں پڑھنا واجب ہے اور یہ کہ دونوں میں پڑھنا معاویہ کو بھی معلوم تھا کیونکہ مہاجرین و انصار نے صرف نہ پڑھنے پر اعتراض کیا تھا اس امر کی تصریح نہیں کی تھی کہ تم کو دونوں میں پڑھنا چاہیئے - باوجود اس کے معاویہ نے جب پڑھا تو دونوں میں پڑھا کیونکہ وہ حضرت سرور عالم ع کو دونوں میں پڑھتے ہوئے دیکھ چکے تھے اور حضرت ع کا دونوں میں پڑھنا دوسری اور تیسری حدیث میں بصراحت مذکور ہے - چوتھے یہ کہ صحابہ کے ٹوکنے پر معاویہ نے کوئی معقول عذر بیان نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ کو ارادہ کرکے چھوڑا تھا ۱۲

معاویہ نے جب اس کے بعد نماز پڑھی تو اوسمیں سورہ الحمد اور اوس کے بعد کے سورہ دونوں میں بسم اللّٰہ
الرحمن الرحیم کو پڑھا اور سجدہ میں جانیکے وقت تکبیر بھی کہی ۔ پس مطلق حدیثیں ان چاروں مقید
حدیثوں پر محمول کیجائینگی یعنی اون سے بھی یہی مراد لیا جائیگا کہ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کو الحمد اور اوسکے
بعد کے سورہ دونوں میں پڑھنا واجب ہے ۲؎ یہ کہ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کو نماز سے پہلے نکالنے والے
معاویہ ہیں ۳؎ یہ کہ ۳۱ حدیثیں جو ذکر کیگئیں اور تقریباً تیس حدیثیں جو بلند آواز سے پڑھنے کے
متعلق آگے ذکر کیجائینگی جو بسم اللّٰہ پڑھنے پر بدلالت تضمنی عہ دلالت کرتی ہیں ۔ یہ کل کسٹھ یا باسٹھ
حدیثیں ہیں جو اس امر کو بتاتی ہیں کہ نماز میں بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کو پڑھنا واجب ہے ۔ اور اکسٹھ یا باسٹھ
راویوں کا جنمیں صحابۂ کرام اور تابعین بھی داخل ہیں اس بیان میں جھوٹھ بولنے پر اتفاق کرنا خصوصاً
امر دین میں اور خصوصاً جب کہ مختلف مقام اور متعدد شہروں میں ہوں اور خصوصاً جب کہ اونمیں حضرت
علی علیہ السّلام جیسے معصوم بھی داخل ہوں محال عادی نہیں بلکہ محال عقلی ہے اس واسطے کوئی
دیانتدار اور منصف مزاج شخص اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ یہ حدیثیں بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
پڑھنے کے وجوب کا یقین دلاتی ہیں اور مضمون ان کا تواتر کی حد تک پہونچ گیا بلکہ اوس سے گذر گیا
ہے اور امام اہلسنت فخر الاسلام بزدوی اپنی کتاب اصول فقہ میں لکھتے ہیں کہ متواتر حدیث کا
مخالف اور اوس سے انکار کرنے والا کافر ہے ۴؎ ۵؎ یہ کہ وہ حدیثیں جو بطریق شیعہ ذکر کیگئیں
ان کے علاوہ ہیں جو انکی تائید کرتی ہیں ۶؎ نمازیں یقیناً واجب ہیں اور یقینی واجب سے یقینی
سبکدوشی اوسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ اوس کو پورے اجزا اور کل شرطوں کے ساتھ انجام دیا
جائے ۔ اور متعدد حدیثیں اس مضمون کی گذر چکیں کہ بسم اللّٰہ نہ پڑھنے سے سورہ ناقص رہتا اور نماز باطل
ہوجاتی ہے ۔ پس اگر اون حدیثوں پر بفرض محال اعتبار نہ کیا جائے جب بھی کم سے کم سورہ کے
ناقص اور نماز کے باطل ہونیکا احتمال ضرور رہ جائیگا ۔ اور نماز کے انجام پانے اور اوس سے
سبکدوشی حاصل ہونے کا یقین نہ ہوگا اس لئے ایسی حالت میں قاعدۂ اشتغالِ یقینی احتیاط کرنے
کا حکم دیتا ہے اور احتیاط اوسی وقت حاصل ہوگی جب کہ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم الحمد اور سورہ دونوں کے

عہ لفظ جہر کے معنی میں دو جزو ہیں ۱؎ بلند آواز سے ۲؎ پڑھنا ۔ اور ایسا لفظ جسکے معنی میں متعدد اجزاء
ہوں جب پورے معنی کو بتاتا ہے تو چونکہ پورا معنی دونوں جزوں کو شامل ہے اس واسطے وہ لفظ اوس
پورے معنی کیساتھ ساتھ اوس کے ہر جزو کو بھی بتاتا ہے اسی کا نام دلالت تضمنی ہے ۱۲

۱؎ نشو جلد ۵ ... کتاب الام ... مصنفہ امام شافعی ... دارقطنی ... بیہقی و حاکم ... اور حاکم نے کہا ... یہ حدیث صحیح ... ۱۲
۲؎ اصول بزدوی جلد ۲ ... مطبوعہ استنبول ... جس کو مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی ... کتب اصول پر ترجیح دیتے ... ہیں ...
۴؎ فخر الاسلام ... امام کبیر ... اصول و فروع میں ... دنیا ... ہیں ... دیکھو ... ذکر ... علی بن محمد ... فخر الاسلام بزدوی حنفی ... ۱۲

متواتر حدیثوں سے کسی ضدی اور خود غرض شخص کو یقین حاصل نہ ہو یا اونکی مخالفت اور اون سے انکار
کرنے میں فخر الاسلام بزدوی کے حکم کفر سے نہ ڈرے تو کم سے کم اس کا احتمال ضرور ہوگا کہ خدا کا حکم بلند
آواز سے پڑھنے کا ہو پس ایسی صورت میں قاعدۂ اشتغالِ یقینی جو اوپر ذکر کیا گیا احتیاطاً یہی کہتا
یعنی بسم اللہ کو بلند ہی آواز سے پڑھنے کو چاہتا ہے نہایت درجہ **تعجب کی بات** تو یہ ہے کہ مولوی
عبدالحی صاحب فرنگی محلی نے باوجود اپنے اوس فضل وکمال کے جو مشہور ہے اپنے پیشوا یعنی ابوحنیفہ صاحب
کی لاج رکھنے کے لئے اون کے ایسے فتوے کی صحت ثابت کرنے میں جو متواتر حدیثوں کا مخالف ہے
ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے - اور امر حق کی مخالفت کرنے والوں کو جن دشواریوں میں پڑ جانا ایک ضروری
بات ہے وہ ان کے لئے درپیش ہو گئیں اور آخر انجام اوس کا یہ ہوا کہ جس چیز سے ایک جگہ انکار
کرتے ہیں دوسری جگہ اپنے مطلب کو ثابت کرنے کے لئے اوسی کو صحیح سمجھتے اور ثبوت میں پیش
کرتے ہیں اور راویوں پر اعتراض کرنے میں ناحق کوشش کی ہے - جیسا کہ آیندہ یہ انکی اختلاف
بیانیاں اور ناحق تکاوشیں اپنے اپنے مقام میں ذکر کی جائینگی چند امروں کو یہیں پر ذکر کر دینا
ضروری معلوم ہوتا ہے - **ایک امر** یہ کہ دو باتیں ان کے اصول مذہب کا عملی جزو ہیں - ایک خواہ مخواہ
شیعوں کی مخالفت کرنا اور دوسرے شیعہ راویوں پر خصوصاً اور اون سنی راویوں پر جو مطلب کے
خلاف حدیث بیان کریں - عموماً عیب لگانا - چنانچہ پہلی بات کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے امام
نووی لکھتے ہیں کہ علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا جائز اور بائیں ہاتھ میں بھی پہننا جائز ہے
لیکن اختلاف اسمیں ہے کہ افضل کیا ہے اور صحیح ہمارے مذہب میں یہ ہے کہ داہنے ہاتھ میں پہننا
افضل ہے - کیونکہ انگوٹھی زینت ہے اور داہنا ہاتھ اشرف اور زینت و اکرام کا زیادہ حقدار ہے [1]
لیکن **صاحب در مختار** لکھتے ہیں مگر چونکہ شیعوں نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی عادت
کرلی ہے اس لئے اس ہاتھ میں پہننے سے پرہیز کرنا واجب ہے **اور علامہ شیخ ابوالطیب**
سندھی مدنی حنفی محشی جامع ترمذی لکھتے ہیں کہ قہستانی وغیرہ کا فتوے بھی یہی ہے [2] ملا
علی قاری صاحب .. اپنے امام ابوحنیفہ کی شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ سلام مسلمانوں کا تحفہ
ہے اور السلام علیہ اور علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں ہے ان دونوں میں سے جو چاہے کہے
لیکن علی علیہ السلام کہنا چونکہ شیعوں کی عادت میں داخل ہے اس لئے اس طرح کہنا اچھا نہیں
ہے [3] غالباً اسی وجہ سے اہلسنت کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں [4] علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان
پر درود بھیجنا قران سے ثابت ہے لیکن علماء کہتے ہیں کہ صرف اہلبیت رسول اللہ صلعم پر درود بھیجنا اور

[1] صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الزینۃ باب تحریم خاتم الذہب مطبوعہ ... ۱۲ چھاپہ نولکشور ۱۲
[2] جامع ترمذی حاشیہ ... چھاپہ مطبع المطابع لکھنؤ صفحہ ۲۶۳ باب ما جاء فی لبس الخاتم فی الیمین ۱۲
[3] شرح فقہ اکبر چھاپہ مصر صفحہ ۱۵۸ ۱۲

وجہوں سے مکروہ ہے۔ ایک یہ کہ ہم لوگ صرف حضرت رسولؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ دوسرے اس
وجہ سے کہ صرف اہلبیت پر درود بھیجنا رافضیوں کی عادت ہے۔ اس لئے رافضیوں کی تشبہ سے
بچنا چاہیئے لہ ۴ علامۂ برجندی لکھتے ہیں کہ علماء نے کہا ہے کہ چونکہ روافض کے مذہب
میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ہے اس لئے اونکی مخالفت کی غرض سے ہم لوگ ہاتھ باندھکر نماز
پڑھتے ہیں ۲ **آمدم برسر مطلب**۔ اسی بناو قرار داد پر ۵ اہلسنت کے امام علامہ ابن
اثیر لکھتے ہیں کہ بغداد کی جامع مسجدوں میں نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے کہنا اس
وجہ سے چھوڑ دیا گیا کہ علویین مصر (یعنی سادات جو بادشاہ مصر گزرے ہیں) بلند آواز سے بسم اللہ
پڑھا کرتے تھے پس امام احمد بن حنبل (وابوحنیفہ) کی پیروی کے ارادہ سے نہیں بلکہ علویین مصر
کی مخالفت کی غرض سے بسم اللہ کو بلند آواز سے کہنا ترک کردیا گیا ہے ۵ گذشتہ بیانوں کے بعد آپ
سمجھ سکتے ہیں کہ بسم اللہ کو بالکل نہ پڑھنے یا آہستہ پڑھنے کی حدیثیں کیوں بنائی گئیں اور عنقریب
میں چند نام اون لوگوں کے ذکر کروں گا جنھوں نے سلاطین کی خوشامد اور اپنے مذہب کی تائید
میں ہزاروں حدیثیں بناڈالیں ۶ **مولوی عبدالحی صاحب** لکھتے ہیں کہ جہر کی حدیثوں میں
حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ اور صحابہ پر جہر کے متعلق شیعوں نے جھوٹ باندھا ہے اور
حدیثیں بنائی ہیں کیونکہ شیعے جہر کے معتقد ہیں اور دنیا کے فرقوں میں سب سے زیادہ جھوٹا فرقہ
شیعوں کو قرار دے رہے ہیں ۷ گذشتہ مطالب سے آپکو یہ تو معلوم ہوچکا کہ مذہب کی پچ میں
قرآن وحدیث وغیرہ کی مخالفت کرنا آیا شیعوں کے اصول مذہب میں داخل ہے یا سنیوں کے
اب عنقریب آپ کو یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ آیا جہر کی حدیثیں جو متواتر ہیں وہ جھوٹی ہیں یا اخفات
کی حدیثیں اور یہ کہ آیا شیعہ راوی جھوٹے گزرے ہیں یا سنی راوی **اور دوسری بات کا**
ثبوت یہ ہے کہ محمد بن راشد دمشقی ثقہ سے روایت لینے کو شعبہ منع کیا کرتے تھے کیونکہ شائد
وہ شیعہ ہوں۔ لیکن خود شعبہ بیحد جھوٹھے تھے اور عمر بن سعد ملعون سے حدیثیں لیا کرتے تھے
(میزان الاعتدال) اور عباد بن یعقوب رواجنی ثقہ سے حدیثیں لینے کو ابن حبان منع کیا کرتے
تھے کیونکہ عباد شیعہ تھے حالانکہ خود ابن حبان طارق بن زیاد اور داؤد بن حصین کے خارجی ہونے
کا اقرار کرتے ہوئے اون سے حدیثیں لینے کی ہدایت کیا کرتے تھے اور زید بن وہب
جیسے جلیل القدر تابعی سنی کو فسوی نے اس وجہ سے غیر معتبر کہا ہے کہ اونھوں نے دو حدیثیں بیان
کیں۔ ایک حضرت عمر کا اپنے نفاق کا اقرار کرنا۔ دوسرے دوستدار ان عثمان کا تابع دجال ہونا

۱ تفسیر کشاف آخر سورہ احزاب ۱۲
۲ شرح وقایہ برجندی جلد اول ۱۰۳ سطر ۱۴ چھاپہ نولکشور کتاب الصـ[illegible] ۱۲
۳ ۵ تاریخ کامل ابن اثیر جو معتبر کتب تواریخ اہلسنت سے ہے جلد [illegible] صفحہ ۱۱۳ [illegible] ۱۲
۶ ۷ احکام القرآن [illegible] آخر [illegible] چھاپہ لکھنو ۱۲

(میزان) اس تقسیم کی مثالیں بہت ہیں جن کو میں نے مرشد امت جلد۲ میں تفصیل لکھا ہے دوسرا
امر یہ ہے کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ جہر کی حدیثیں چونکہ صحاح ستہ میں نہیں ہیں اس واسطے
بے اعتبار ہیں ۱ے اس تحریر کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے مذہب میں حدیثوں کی صحت و عدم
صحت کا دار و مدار صحاح ستہ میں ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔ یعنی صحاح ستہ میں ہونا صحت کی
دلیل ہے اور نہ ہونا عدم صحت کی۔ حالانکہ یہ کلام کئی وجہوں سے غلط ہے **ایک اسوجہ سے** کہ اس
کلام میں مولوی صاحب نے حق بات کو چھپایا ہے کیونکہ ایسے مشہور منطقی اور فلسفی پر یہ بات پوشیدہ نہیں
رہ سکتی کہ کسی بات کو بیان نہ کرنا اوسکی بے اعتباری کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ اوسکی صحت سے انکار کرنا
بے اعتباری کا ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ **دوسرے اسوجہ سے** کہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی
کہ علم حدیث خاص اون کا فن تھا اور اس امر میں مولوی عبدالحی صاحب اون سے کوئی نسبت نہیں رکھتے
تھے۔ لکھتے ہیں کہ کتب ستہ (یعنی صحاح ستہ) میں صحیح اور حسن اور ضعیف ہر طرح کی حدیثیں موجود
ہیں اور ان کتابوں کو صحاح بطور غلبہ کے کہتے ہیں ۲ے پھر لکھتے ہیں کہ صحیح حدیثیں۔ صحیح
بخاری اور صحیح مسلم میں منحصر نہیں ہیں اور ان لوگوں نے کل صحیح حدیثوں کو نہیں لکھا ہے بلکہ بعض
اون صحیح حدیثوں کو بھی نہیں لکھا ہے جو اونکی شرط کے مطابق تھیں چہ جائیکہ عام صحیح حدیثیں
اور بخاری نے خود کہا ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو میں نے
چھوڑ دیا ہے۔ اور مسلم نے کہا ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جن حدیثوں کو نہیں لکھا ہے اون میں
ضعف ہے ۳ے اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ صحاح ستہ میں بھی ضعیف حدیثیں
موجود ہیں۔ دوسرے یہ کہ بہت سی صحیح حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں لکھی گئیں۔
اس واسطے مولوی عبدالحی صاحب کا صحت و عدم صحت کو صحاح ستہ میں ہونے اور نہ ہونے پر
منحصر کرنا غلط محض ہے۔ **تیسرے اسوجہ سے** کہ خود مولوی صاحب موصوف نے اپنے
اس کلام کی پابندی نہیں کی ہے۔ چنانچہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھنے کی دلیلوں میں سے دوسری حدیث
کے بیان میں بیہقی کا اعتراض نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو بیہقی نے اس وجہ سے ضعیف کہا
ہے کہ اس کے راوی ابو نعامہ قیس بن عبایہ اور ابن عبداللہ بن مغفل کی حدیثوں کو بخاری اور مسلم
نے حجت نہیں سمجھا ہے۔ پھر اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ سند کی صحت کے لئے ان لوگوں
کا حجت سمجھنا لازم نہیں ہے ۴ے اور اس کے دو ہی ورق بعد لکھتے ہیں کہ جہر کی حدیثوں کو چونکہ
بخاری اور مسلم نے نہیں لکھا ہے اس واسطے وہ ضعیف ہیں ۵ے یہ بیان ان کا اس امر کی صریح

۱ے احکام القنطرہ ص۵۵ چھاپہ یوسفی
۲ے مقدمہ شرح مشکوٰۃ فارسی ص۱۶ چھاپہ اعظم المطابع جونپور
۳ے مقدمہ شرح مشکوٰۃ فارسی ص۵ چھاپہ اعظم المطابع جونپور
۴ے احکام القنطرہ ص۳۳ چھاپہ یوسفی لکھنؤ ۱۲
۵ے احکام القنطرہ ص۳۵ ۱۲

دلیل ہے کہ ان کو تحقیقِ حق مقصود نہ تھا بلکہ ابو حنیفہ صاحب کے فتوے کی ناحق ترجیح کرنا اور امرِ حق کا خون کرنا مقصود تھا۔ **چوتھے اس وجہ سے** کہ دنیا کا کوئی سمجھدار شخص اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر فرقہ میں سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے لوگ ہیں اگر اعتبار اور بے اعتباری کا دار و مدار مذہب پر رکھا جائے تو چاہئے کہ دنیا کا انتظام بگڑ جائے اور روزمرہ کے کام کاج میں خلل پڑ جائے۔ ہاں مذہبی امور میں اسلام ضروری سمجھا گیا ہے۔ خواہ وہ مسلمان سُنی ہو یا شیعہ معتبر ہونا چاہئے اس معنی سے کہ اوسکی بے اعتباری ثابت نہ ہو اور اکثر لوگوں[۵۱] کے نزدیک جو خود غرض نہ ہوں اوسکی سچائی محلِ تامل نہ ہو۔ ذاتی غرض رکھنے والوں یا بے وجہ اور ثبوت عیب گیری کرنے والوں کا کلام توجہ اور اعتناء کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ایسے عیب گیروں کے کلام پر توجہ کی جائے تو شاید ہی دس پانچ راوی کھرے اور صاف نکل سکیں۔ جن کے حق میں کسی نے کچھ بھی طعن نہ کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں نے اکثر معتبر سنی راویوں سے اور بعض سنیوں نے بعض معتبر شیعہ راویوں سے حدیثیں لی ہیں۔ پس جن لوگوں نے معتبر شیعوں سے شیعہ ہونے کی وجہ سے حدیثیں نہیں لی ہیں اور مثل مولوی عبدالحی صاحب کے شیعہ ہونے کو طعن کا سبب سمجھا ہے اون لوگوں نے صریح تعصب برتا ہے اور آفتاب پر خاک ڈالنا چاہا ہے **پانچویں اس وجہ سے** کہ زنگی (حبشی) مسمے بکافور (سفید) یعنی صحاح ستہ کا دوسری حدیثوں کی صحت و فساد کا معیار ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ اون کے لئے یہی بہت ہے کہ جرح و قدح کے بیحکن حملوں سے اپنے آپکو بچالیں اور لفظ باطل اور فاسد اور موضوع کی مصداق بننے سے اپنی حفاظت کرتی ہوئی لفظ ضعیف ہی سے ملقب ہونے کا شرف حاصل کریں جس میں پھر بھی کسی قدر واقعیت اور فرمایش معصوم ہونیکا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ علاوہ اوس کے جسکو میں ستیسویں مقدمہ میں لکھ آیا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک کے خود مصنف ہی غیر معتبر تھے اور خاص کر کے باعتقاد اہلسنت اصح الکتب بعد کتاب الباری یعنی صحیح بخاری کے مصنف حدیثوں میں تصرف اور کمی بیشی کرنے میں کامل مہارت رکھتے تھے یہ صحاح ستہ حدیث ساز اور ناصبی اور خارجی راویوں کی حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں چنانچہ ان راویوں کے چند نام مشتے از خروارے یکے از ہزار بطور نمونہ کے انھیں اہلسنت کے کرام پیشواؤں اور بقول شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی سے محکِ[۵۲] رجال یعنی علامہ ذہبی کی کتاب میزان الاعتدال سے نقل کرتا ہوں۔ **ملاحظہ ہو حدیث ساز** ۱ مامون بن احمد انھوں نے مدحِ شافعی میں حدیث بنائی۔ **عاصم بن سلیمان** بقول فلاس کے یہ حدیثیں بنانے میں بینظیر

[۵۱] دیکھو احکام القنطرہ صفحہ ۲ ذکر جواب حدیث دوم بیان حال ابو... ۱۲

[۵۲] کسوٹی

تھے۔ عباد بن ابی صالح راوی مسلم و ابو داؤد و ترمذی۔ عباس بن ضحاک ابن جبان نے انکو شیخ دجال کے لقب سے سرفراز کیا ہے۔ عبداللہ بن ابراہیم غفاری راوی ابو داؤد و ترمذی انھوں نے خلیفہ اول و خلیفہ دوم کے فضائل میں حدیثیں بنائیں۔ عبداللہ بن حارث صنعانی امام ذہبی نے ان کو شیخ دجال کا لقب عطا کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ انھوں نے بنائی ہوئی حدیثوں سے ایک کتاب تیار کر لی تھی۔ عبداللہ بن حفص ضریر سامری انھوں نے مدح معاویہ میں حدیث بنائی عبداللہ بن داؤد انھوں نے فضیلت عمر میں حدیث بنائی۔ محمد بن یوسف رازی انھوں نے بیشمار حدیثیں بنائیں ابو بکر نقاش ان سے حدیثیں لیا کرتے تھے محمد بن یونس شامی کدیمی راوی ابو داؤد انھوں نے ایک ہزار حدیثیں بنائیں معروف بن ابی معروف بلخی انھوں نے خلفا ثلثہ کی تعریف میں حدیث بنائی کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا کہ میں نے بہشت میں ہر پتے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان ذوالنورین لکھا ہوا پایا۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بنائی ہوئی ہے۔ جعفر بن زبیر راوی ترمذی نے چار سو حدیثیں بنائیں۔ حسن بن شبیب مکتب راوی ابن ماجہ نے معاویہ کی تعریف میں دو حدیثیں بنائیں۔ حبیب ابن ابی حبیب مصری کاتب امام مالک راوی ابن ماجہ۔ الکذب الناس تھے انکی کل حدیثیں بنائی ہوئی ہیں۔ حارث بن عمیر راوی بخاری و ترمذی و چاروں سنن یعنی سنن ابو داؤد و سنن ابن ماجہ و سنن نسائی وغیرہ جھوٹی حدیثوں کو اچھوں کیطرف نسبت دیکر بیان کیا کرتے تھے۔ حمزہ بن ابی حمزہ جزری راوی ترمذی انکی کل حدیثیں بنائی ہوئی ہیں۔ ابراہیم بن عبداللہ مصیصی ان کی کل حدیثیں بنائی ہوئی ہیں علی بن صالح انماطی نے یہ حدیث بنائی کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا کہ خلیفہ اور پیشوا میرے بعد ابو بکر اور عمر ہیں۔ حسن بن عمارہ راوی بخاری و ترمذی و ابن ماجہ حدیثیں بنایا کرتے تھے ابن عیینہ کہتے ہیں کہ حسن بن عمارہ جب زہری کی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے تو میں اپنے کانوں کو بند کر لیا کرتا تھا۔ حسن بن عمارہ بہت بڑے فقہا سے اور قاضی بغداد تھے۔ ابراہیم بن فضل راوی ترمذی و ابن ماجہ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ آدمی کی صورت میں شیطان تھے ضرورت کے وقت فوراً حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ احمد بن جعفر بن عبداللہ حدیث بنانے میں مشہور تھے۔ احمد بن حسن بن ابان مصری بہت بڑے جھوٹے اور حدیث ساز اور دجال تھے۔ احمد بن عبداللہ جریباری ابن کرام کے لئے حدیثیں بنایا کرتے تھے اور وہ انکو کتابوں میں لکھ لیا کرتے تھے۔ ابو حنیفہ کی تعریف میں حدیث بنائی۔ بیہقی کہتے ہیں کہ ایک ہزار

حدیثیں بنائیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ کئی ہزار حدیثیں بنائیں اور ابن حبان ان کو دجال کہا کرتے تھے۔ ابراہیم[۲۴] بن ابو یحییٰ اسلمی مدنی اوستاد امام اہلسنت ابو داؤد و شافعی انکی کل حدیثیں بنائی ہوئی ہیں۔ مقاتل[۲۵] بن سلیمان حدیثیں بنانے میں مشہور تھے۔

نواصب و خوارج

اشعث[۱] بن قیس صحابی سردار خوارج راوی بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و موطاء مالک (ملل و نحل شہرستانی) اسمٰعیل[۲] بن سمیع خارجی راوی مسلم و ابو داؤد و نسائی و شعبہ و علی بن عاصم (میزان و تقریب التہذیب مصنفہ امام اہلسنت ابن حجر عسقلانی) اسحاق[۳] بن سوید عدوی ناصبی راوی بخاری و مسلم و ابو داؤد و نسائی (تقریب و میزان) احمد[۴] بن عبدہ بن موسےٰ ناصبی راوی مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ (تقریب و میزان) ابراہیم[۵] بن یعقوب جوزجانی ناصبی راوی ابو داؤد و ترمذی و نسائی (تقریب و میزان) ازہر[۶] بن عبد اللہ ناصبی راوی ابو داؤد و ترمذی و نسائی (میزان و تقریب) اسد[۷] بن موسیٰ بن ابراہیم ناصبی راوی بخاری و ابو داؤد و نسائی و ترمذی (تقریب) بسر[۸] بن ارطاہ ناصبی راوی نسائی و ترمذی حریز[۹] بن عثمان ناصبی راوی بخاری و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و مالک (تقریب و میزان) حصین[۱۰] بن نمیر واسطی ناصبی راوی بخاری و ابو داؤد و ترمذی و نسائی (تقریب) خالد[۱۱] بن سلمہ الفافا ناصبی راوی بخاری و مسلم و ابو داؤد و نسائی و مالک و ابن ماجہ (میزان) داؤد[۱۲] بن حصین خارجی راوی بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ (میزان و تقریب) شبیث[۱۳] بن ربعی خارجی قاتل حضرت سید الشہداء فرزند حضرت مصطفےٰ و مرتضےٰ علیہم السلام راوی ابو داؤد و نسائی (تقریب) شمر[۱۴] ذی الجوشن خارجی قاتل حضرت سید الشہداء اس ملعون سے ابو اسحاق سبیعی حدیثیں لیا کرتے تھے اور ابو اسحاق راوی صحاح ستہ ہیں اور زہری کے ہم پایہ سمجھے جاتے ہیں (میزان و تقریب و استیعاب) عمر[۱۵] بن سعد ناصبی قاتل حضرت سید الشہداء راوی نسائی (میزان و تقریب) غرض کہ نوّے نام جو چنے تھے اون میں سے یہ چند نام بطور نمونہ کے ذکر کئے گئے اگرچہ یہ مطالب میری بحث سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن چونکہ مولوی عبدالحی صاحب نے شیعہ راویوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے اور اس الزام پر سکوت کرنا اوس کو قبول کر لینے کا شبہ پیدا کرتا ہے۔ اس لئے میں نے اس مختصر تنبیہ کو ضروری سمجھا۔ مولوی عبدالحی صاحب جیسے فاضل شخص اپنے گھر کے ان تباہ کن حالتوں سے ہرگز بے خبر نہ تھے لیکن چونکہ اپنے امام اعظم ابو حنیفہ کے فتوائے اخفات بسم اللہ کو بہر طور ثابت کرنا چاہتے تھے اس لئے اپنی آنکھوں کی پھولی

صحاح ستہ: بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

کو چھپا کر شیعوں کی بے عیب اور نورانی آنکھوں میں تنکا ثابت کرنے کی بے ثمر کوشش کی ہے جہاں انھوں نے یہ الزام لگایا ہے اونکو مناسب یہ بھی تھا کہ آداب مناظرہ کے مطابق جن شیعہ راویوں کو حدیث ساز ٹھہرایا ہے شیعوں ہی کی کتابوں سے اونکی حدیث سازی ثابت کرتے اور دس پانچ حدیث ساز شیعہ راویوں کے نام خود اونکی کتابوں سے ذکر کرتے۔ جس طرح میں نے چالیس سنی راویوں کے نام مع صفتِ حدیث سازی کے خود مولوی صاحب کے مسلّم اور جلیل القدر علماء اور ائمہ فنِ رجال کی کتابوں سے ذکر کردیئے ہیں۔ شیعہ راویوں پر اگرچہ معتبر ہوں طعن کرنے اور اونکو جھوٹلاتے میں مولوی عبدالحی صاحب بھی ایک حد تک مجبور تھے کیونکہ یہ مجتہد نہ تھے بلکہ لکیر فقیر تھے اور تعصب کی گہری جلانے انکی کورانہ تقلید کو حبشیوں کی چمکیلی صورتوں کی طرح چمکا رکھی تھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں ان کے امام علامہ ذہبی کا کلام نقل کردوں جس سے اہلسنت کے خیالات شیعہ راویوں کے متعلق اچھی طرح کھل جائیں جو اس تفسیر کے پڑھنے والے حضرات کو آیندہ راویوں کی جرح کے مقام میں بہت کام آئیں گے۔

شیعہ راویوں کے بارے میں علماء اہلسنت کا دستورالعمل

ذہبی لکھتے ہیں کہ رافضیوں کی روایتوں کو ثبوت میں لانے کے بارے میں لوگوں نے تین قول پر اختلاف کیا ہے۔ پہلا[1] قول یہ ہے کہ ان کے معتبر راوی کی بھی حدیث نہ لینا چاہیے (اور زیادہ لوگوں کا عمل اسی کلام پر ہے ۱۲ راحت حسین) اور دوسرا[2] کلام یہ ہے کہ سوائے اوس راوی کے جس کا جھوٹھ بولنا یا حدیث بنانا معلوم ہو جائے ہر راوی کی حدیث کو لے لینا چاہیے" (لیکن اس کلام پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں ۱۲ راحت حسین) تیسرا[3] کلام یہ ہے کہ اوس رافضی کی حدیث کو قبول کر لینا چاہیے جو سچا ہو اور اچھی بُری حدیث کو پہچانتا ہو۔ اور جو رافضی اپنے مذہب کی ترویج کرتا ہو اگرچہ سچا ہو اوسکی حدیث نہ لینا چاہیے (اس آخری شق پر عمل کرنے والے بھی انمیں بہت ہیں ۱۲ راحت حسین)

اب سنئے اشہب کہتے ہیں کہ (امام) مالک سے رافضیوں کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ اون سے کلام نہ کرو اور اون سے حدیثیں نہ لو کیونکہ وہ جھوٹھ بولتے ہیں۔ اور شافعی کہتے ہیں کہ رافضیوں سے زیادہ جھوٹا ہم نے کسی کو نہ دیکھا۔ اور یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ہر بدعتی سے حدیثیں لو اگر وہ اپنے مذہب کی ترویج نہ کرتا ہو لیکن رافضی سے حدیث نہ لو وہ جھوٹے ہوتے ہیں اور شریک کہتے ہیں کہ میں سوا رافضہ کے ہر شخص سے حدیثیں لیتا ہوں کیونکہ رافضی حدیثیں

بناتے ہیں اور اوس کو اپنے لئے دینداری سمجھتے ہیں (میزان الاعتدال ذکر ابراہیم بن حکم بن ظہیر کوفی جلد ا صفحہ ۱۵)۔ **ان آخری تفصیلوں سے** معلوم ہوگیا کہ ان لوگوں میں زیادہ کا عمل پہلے کلام پر ہے۔ اسی وجہ سے ان کے پیشوا یعنی بخاری صاحب نے خوارج اور نواصب اور بے دینوں سے اپنی کتاب کو بھرا ہے اور اوس کا نام صحیح رکھا ہے اور ہر حدیث کو لکھنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھی تھی لیکن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی حدیث لینا گوارا نہ کیا کیونکہ وہ رافضیوں کے پیشوا تھے۔ **بہرحال اب میں جہر کی حدیثوں کو ذکر کرتا ہوں** اور احکام القنطرہ صفحہ ۲۶۱ سے ۲۶۹ تک میں بصورت جواب جن راویوں پر مولوی صاحب نے طعن کئے ہیں اونکی وثاقت کے لئے اونھیں کے ائمہ ابن حجر اور ذہبی کی تحریر کو حکم اور قول فیصل قرار دوں گا ۱ خطیب نے ابو اویس عبد اللہ بن عبد اللہ بن اویس سے انھوں نے علاء بن عبد الرحمن سے انھوں نے اپنے باپ عبد الرحمن سے انھوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھا ۱ ؎ ۲ حاکم نے مستدرک میں سعید بن عثمان سے اوس نے عبد الرحمن بن اسعد موذن سے اوس نے قط

ع۱ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ جس حدیث کو ابو اویس تنہا بیان کریں جب وہی مقبول نہیں ہے تو وہ حدیث کیونکر قبول کیجائیگی جس کے راوی بھی تنہا وہی ہوں اور اون سے زیادہ معتبر یعنی دار قطنی اور ابن عدی نے انکے خلاف بجائے جہر کے قراءۃ روایت کی ہو یعنی حضرت رسول نے پڑھا **جواب** آئندہ معلوم ہوگا کہ حدیث جہر کے راوی تنہا ابو اویس نہیں ہیں بلکہ بقول خود مولوی صاحب کے چودہ نفر صحابہ کرام نے بھی روایت کی ہے ۲۔ رہے مخالف تو دار قطنی کو خود مولوی صاحب کہہ چکے ہیں کہ انکی کتاب ضعیف اور غریب اور متروک حدیثوں سے بھری ہوئی ہے ۳۔ اور بمقابل ہا الصحابی کے جو ابو اویس کے موید ہیں ایک ابن عدی کی روایت بے اعتبار ہے ۱۲

ع۲ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن بن اسعد غیر معتبر تھے۔ اور عمرو بن شمر جعفی اور جابر جعفی ثبوت میں نہیں لئے جاتے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ عمرو رافضی تھا صحابہ کو برا کہتا تھا۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ جابر جعفی سے بڑھکر میں نے کسی کو جھوٹا نہ پایا۔ اور اسید بن زید کو ابن معین وغیرہ نے غیر معتبر کہا ہے **جواب** عبد الرحمن کی بے اعتباری صحیح ہے اور عمرو جعفی اور جابر جعفی کا قصور شیعہ ہونا ہے۔ عمرو کو اگرچہ نجاشی نے ضعیف کہا ہے لیکن انکی تضعیف لائق توجہ نہیں ہے کیونکہ وہ بادنائے شبہ تضعیف کیا کرتے تھے اور علامہ نے اونکی پیروی کی ہے۔ صدوق عمرو کو اپنے اور خدا کے درمیان حجت جانتے تھے اور میر افتخار اون کا اعتبار ہے۔ اور جابر

۷ احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۵ - ۲

۲ احکام القنطرہ صفحہ ۲۶۰ سطر ۹ بذکر جواب بہ چہارم از احادیث جہر ۱۲

۵ احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۹ در ذکر جواب احادیث جہر ۱۲

سے اوس نے ابوطفیل سے اونھوں نے عمار بن یاسر اور حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ کل واجب نمازوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سندیں صحیح ہیں۔ ان سندوں میں کوئی شخص مجروح (یعنی بے اعتبار) نہیں ہے۔ اور بیہقی نے اس کو اپنی سند سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اسکی سندیں ضعیف ہیں۔ اور اس کو دارقطنی نے اسید بن زید سے اونھوں نے عمرو بن شمر سے اونھوں نے جابر جعفی سے اونھوں نے ابوطفیل سے اونھوں نے عمار یاسر اور حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے [۱] اس حدیث کو بزار نے بھی روایت کیا ہے [۲] [۳] روایت ابوطفیل وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر اور حضرت علی علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ البتہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ سورہ الحمد میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے [۴] [۵] دارقطنی نے عیسے [۶] بن عبداللہ بن محمد بن عمر سے اونھوں نے اپنے باپ عبداللہ سے۔

[۱] احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۵ ۱۲
[۲] در منثور سیوطی جلد اصفحہ سطر ۷ ۱۲
[۳] کنز العمال حرف ص ذکر صلوٰۃ صفحہ ۲۰۹
[۴] بحوالہ دارقطنی و ابن حبان و طبرانی ۱۲
[۵] احکام القنطرہ صفحہ ۲۲۷ ۱۱

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) حضرت امام جعفر صادق کے جلیل القدر صحابی تھے۔ اور اسید بن زید راوی بخاری ہیں جس کو مولوی صاحب نے معیار اعتبار قرار دیا ہے لیکن چونکہ اسید کی روایت یہاں پر انکے مطلب کے مخالف ہے اس لئے بمقابل روایت بخاری کے غیر بخاری کی تضعیف کو معتبر قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ عدم جزئیت بسم اللہ کی حدیث پر جو انھیں ابن معین وغیرہ نے اعتراض کیا ہے تو چونکہ وہ اعتراض انکی غرض کے مخالف ہے۔ اس وجہ سے لکھتے ہیں کہ یہ جہالت اور تعصب ہے کہ یہ لوگ مخالفت مذہب کی وجہ سے حدیث کو چھوڑتے ہیں اور ابن معین اور ابن عدی کی جرح کو قبول نہیں کرتے اور دوسری اسی موافق حدیثوں کو مؤید قرار دیکر اوس راوی کی تصدیق کر رہے ہیں [۴] بہر حال اس روایت کی دو سندیں ایک دارقطنی کی دوسری بزار کی درست ہیں اور دو سندیں ایک حاکم کی اور دوسری بیہقی کی کمزور ہیں جن کا ضعف صحیح روایتوں کی موافقت سے جو آگے ذکر کیجائینگی برطرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحیح کی موافقت خاص کر کے اگر اوسکا مضمون تواتر کی حد کو پہونچ جائے جیسا کہ ان روایتوں کا مضمون پہونچا ہوا ہے ضعیف کو قوت دیدیتی ہے جیسا کہ مولوی صاحب کا کلام بھی جو ابھی مذکور ہوا۔ یہی بتا رہا ہے ۱۲

[۶] مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ عیسے پر حدیث بنانے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے کہا ہے کہ بنائی ہوئی حدیثوں کو اپنے باپ دادا کیطرف نسبت دیکر بیان کیا کرتے تھے۔ ان کو ثبوت میں لانا جائز نہیں ہے۔ جواب ایک [۱] تو مولوی صاحب نے ابن حبان کی عبارت پر ان کو ثبوت میں لانا جائز نہیں ہے، اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے (دیکھو میزان الاعتدال) دوسرے [۲] ان کے امام و پیشوا علامہ عبدالغنی بحرانی قرۃ العین میں صفحہ ۵ لکھتے ہیں کہ جب تک سبب جرح ذکر نہ کیا جائے جرح مقبول نہیں ہے۔ تیسرے [۳] عیسے اس وجہ سے متہم کئے گئے ہیں کہ ان کو گنگی

انھوں نے اپنے باپ محمد سے اونھوں نے اپنے باپ عمر سے انھوں نے اپنے پدر بزرگوار
حضرت امیرالمومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت سرورعالم
صلے اللہ علیہ وآلہ الحمد اور اوس کے بعد والے سورہ دونوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہمیشہ بلند
آواز سے پڑھا کرتے تھے[۱] ف ۵ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے
ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل آئے اور مجھکو نماز تعلیم کی پس بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا
ف[۲] ۶ عبدالرحمن ابن انبری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی اور بسم اللہ الر
حمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا اور حضرت عمر بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند ہی آواز سے پڑھا
کرتے تھے ف[۳] ۷ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرورعالم صلی اللہ

(بقیہ حاشیہ ص ۵۶) مرضی کے خلاف فضائل اہلبیت میں چند حدیثیں ذکر کی ہیں جنکو سننا اون لوگوں کو گوارا نہیں ہے۔ ۱
حضرت سرورعالم نے فرمایا کہ کل مسلمانوں پر علی کا حق ویسا ہی ہے جیسے باپ کا حق ۲ جو میری محبت کا دعوے کرے اور علی کو دشمن
رکھے وہ جھوٹا ہے ۳ جو میری اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھلائی کریگا بروز قیامت میں اوسکو بدلا دونگا ۴ بروز
قیامت میں براق پر سوار کیا جاؤں گا اور فاطمہ میرے ناقہ قصوے پر۔ ابن حبان ان حدیثوں کو موضوع (بنائی ہوئی)
کہتے ہیں اور ثبوت ایک بھی نہیں ذکر کرتے۔ حالانکہ ان مضامین کی حدیثیں نکی معتبر کتابوں میں بہت ہیں۔ غرض کہ
عیسے کا دو قصور تھا ایک شیعہ ہونا۔ دوسرے فضائل اہلبیت میں حدیثیں بیان کرنا۔ اسی وجہ سے کسی نے یہ نہیں
کہا ہے کہ یہ خود حدیثیں بنایا کرتے تھے بلکہ دارقطنی نے کہا ہے کہ انکی حدیثیں چھوڑ دیگئی ہیں اور ابن حبان نے
کہا ہے کہ بنائی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے ممکن ہے کہ دوسروں کی بنائی ہوئی ہوں۔ یعنی اون لوگوں کے
نزدیک جو فضائل اہلبیت سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ مولوی صاحب کا یہ کلام کہ حدیث بنانیکی ان پر تہمت لگائی گئی ہے
یہ خود مولوی صاحب کی دیانت یا ذہانت کا نتیجہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حدیث دوسروں کی بنائی ہوئی ہو اور راوی اوسکے
موضوع ہونیکو نہ جانتا ہو اور بنانے والا اوس کے نزدیک معتبر ہو ۱۲
ف ۵ مولوی صاحب نے اس حدیث کی سند پر اعتراض نہیں کیا ہے۔ لیکن لکھتے ہیں کہ اسکی
مخالف صحیح حدیث ہے کہ عمر بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے پس ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ تعلیم
کی غرض سے پڑھ دیا ہو۔ **جواب** اولاً معلوم ہوگا کہ آپ کی صحیح حدیث غیر معتبر ہے۔ ثانیاً
روایت میں کان یجہر واقع ہوا ہے جو ہمیشہ پڑھنے کو بتاتا ہے ۱۲

ف ۱ احکام القنطرہ
علیٰ ۲۵۶ و
کنز العمال
کتاب الصلوۃ
ص ۲۰۶ نمبر
حدیث ۴۶۳۱
بحوالہ دارقطنی
و در منثور
جلد ۱ ص ۸
بحوالہ دارقطنی
۱۲ ف ۲ کنز العمال
ذکر صلوۃ
ص ۹۶ نمبر
حدیث ۲۰۰۴
بحوالہ ابن
نجار ۱۲
ف ۳ کنز العمال
ذکر صلوۃ
ص ۲۰۶
نمبر حدیث
۴۴۱۵ بحوالہ
طحاوی و
عبد الرزاق
۱۲
ف ۴ دیکھو
میزان الاعتدال
۱۲

علیہ وآلہ کل نمازوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۔ شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا ہے اور اون کے پیچھے نماز پڑھی ہے میں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے ہوئے اونکو سنا ہے ۔ حاکم نے عبد اللہ بن عمرو بن حسان سے اونھوں نے شریک سے اونھوں نے سالم سے اونھوں نے سعید بن جبیر سے اونھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اوسمیں کوئی عیب نہیں ہے ۔ اور سالم کی حدیثوں کو بخاری اور شریک کی حدیثوں کو مسلم دلیل قرار دیا کرتے تھے اور سالم کے باپ کا نام عجلان تھا ۔ بیہقی نے اپنی سنن میں بطریق اسحاق بن راہویہ معتمر بن سلیمان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل بن حماد نے ابو خالد سے نقل کیا ہے کہ

کنز العمال جلد ۴ حرف ص بیان نماز ص ۲۰۹ نمبر حدیث ۴۲۸۴ بحوالہ الدار قطنی ۱۴

کنز العمال حرف ص ذکر صلوۃ ص ۲۰۹ نمبر حدیث ۴۲۸۹ بحوالہ عبد الرزاق ۱۲

احکام القنطرہ ص ۲۵۶ ۱۲

ع مولوی صاحب کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو حدیثیں بنایا کرتا تھا اور جھوٹا تھا اس واسطے یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور چونکہ اسمیں نماز کا ذکر نہیں ہے اس لئے یہ حدیث نماز میں بلند آواز سے پڑھنے کو صریحاً نہیں بتاتی جواب اگرچہ علماء اہلسنت نے عبد اللہ بن عمرو کو بھی اوتھیں بہت سے سنی راویوں میں شمار کیا ہے جو حدیثیں بنایا کرتے تھے اور جھوٹے تھے ۔ لیکن چونکہ بلند آواز سے پڑھنے کی حدیثیں بہت ہیں جنہیں اکثر کی سندیں صحیح بھی ہیں اور اونکا مضمون تواتر کی حد کو پہنچ گیا ہے ۔ اس لئے عبد اللہ بن عمرو کا غیر معتبر ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ ۱۔ حدیثوں کی کثرت ۲۔ معتبر حدیثوں کی موافقت ۳۔ مضمون کا تواتر ۔ اس حدیث کو قوت دیتے ہیں اور ضعف اسکا دفع ہو گیا رہی صراحت تو اولاً اس حدیث میں کان رسول اللہ یجہر واقع ہوا ہے اور کان جب فعل مضارع پر آتا ہے تو ہمیشگی کا معنی پیدا کر دیتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سرورعالم بسم اللہ کو جب پڑھتے تھے بلند ہی آواز سے پڑھتے تھے ۔ اور نماز میں پڑھنا بھی اوسمیں داخل ہے ۔ اور دوسرے یہ حدیث مطلق ہے اور کئی حدیثیں جنمیں احکام القنطرہ کی آٹھویں اور نویں حدیث بھی داخل ہے ۔ مقید ہیں جنمیں نماز میں پڑھنے کا ذکر صاف موجود ہے پس مطلق حدیث مقید پر محمول کیجائیگی جیسا کہ قبل اس کے بیان کیا گیا ۔ مولوی صاحب جیسے فاضل شخص کا اس قاعدہ سے غافل رہنا جس کو بچے بھی جانتے ہیں یا پیش نظر رکھتے ہوئے حق کو چھپانا تعجب کی بات ہے

ع مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ایک تو اسمٰعیل بن حماد کی وجہ سے اس حدیث کی صحت میں تامل ہے ۔ دوسرے آخری جملہ جسمیں پڑھنے کی تفسیر بلند آواز سے پڑھنے کے ساتھ کیگئی ہے ۔ بظاہر یہ تفسیر ابن عباس کا کلام نہیں ہے بلکہ راویوں کا کلام ہے اور ابن عباس سے صرف پڑھنا منقول ہوا ہے ۔ جواب اسمٰعیل بن حماد کے متعلق

ابن عباس نے کہا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نماز میں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے یعنی بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے عہ ۱ دار قطنی نے عبد السلام ابو الصلت ہروی ؏ سے اونھوں نے عباد بن عوام سے اونھوں نے شریک سے اونھوں نے سالم سے اونھوں نے سعید بن جبیر سے اونھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نماز میں ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے عہ ۲ اس حدیث کو بزاز نے بھی اپنی مسند میں معتمر بن سلیمان سے اونھوں نے اسمٰعیل بن حماد سے اونھوں نے ابو خالد سے اونھوں نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے عہ ۳ دار قطنی نے احمد بن محمد بن سعید سے اونھوں نے احمد بن رشید ؏ سے

عہ ۱ احکام القنطرہ ۲۵۶ ص ۱۲
عہ ۲ احکام القنطرہ ۲۵۶ ص ۱۲
عہ ۳ احکام القنطرہ ۲۵۶ ص

(بقیہ حاشیہ ص ۵۸) امام اہلسنت ابن حجر عسقلانی نے آخری فیصلہ یہ لکھا ہے کہ وہ صدوق یعنی سچے تھے (دیکھو تقریب ذکر اسمٰعیل بن حماد اشعری) رہی تفسیر تو بعد اس کے کہ اس تفسیر کے کلام راوی ہونے پر کوئی قرینہ نہیں ہے اور خود ابن عباس کا تفسیر کرنا ممکن ہے۔ اور حدیثوں میں اس قسم کی تفسیریں بھی موجود ہیں تو مولوی صاحب کا احتمال توجہ کے لائق نہیں ہے۔ اور ابن عباس سے صرف پڑھنے کی نقل پر کوئی معتبر ثبوت موجود نہیں ہے

عہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ابو الصلت غیر معتبر تھے اور دار قطنی نے انکو رافضی خبیث کہا ہے اور بزاز کی سند اسمٰعیل کی وجہ سے درست نہیں ہے اور ابو خالد کا حال معلوم نہیں ہے **جواب** ابو الصلت کا قصور صرف رافضی ہونا ہے جیسا کہ دار قطنی نے صاف کہدیا ورنہ وہ حضرت امام رضاؑ کے جلیل القدر صحابی تھے اور اسمٰعیل کی وثاقت اوپر ذکر کیگئی۔ اور ابو خالد راوی ترمذی ہیں خود مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے انکی حدیثوں کو معتبر کہا ہے اور ابن حبان نے اونکو معتبر لوگوں میں شمار کیا ہے (احکام القنطرہ ص ۲۴۹) پس دوسرں کا انکو نہ پہچاننا مضر نہیں ہے ۱۲

عہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ احمد بن رشید متہم ہے اور باطل باتیں بیان کیا کرتا تھا۔ اور ۲ سعید بن خثیم کے حق میں ابن عدی وغیرہ نے کلام کیا ہے **جواب** ۱ احمد بن رشید پر حدیث بنانے کا الزام میزان الاعتدال میں محض بے ثبوت ہے کیونکہ انکی بے اعتباری کا ذکر رجال اہلسنت کی کتابوں میں پایا نہیں جاتا۔ اور باطل حدیث کو ذکر کرنا راوی میں طعن کا سبب نہیں ہو سکتا جیسا کہ خود امام اہلسنت ذہبی نے میزان الاعتدال ذکر زید بن وہب میں اسکی تصریح کی ہے۔ بلکہ ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں کہ احمد بن راشد مذکور کو ابن حبان نے معتبر لوگوں میں شمار کیا ہے **فائدہ** احمد مذکور کے باپ کو بعض نے راشد لکھا ہے اور بعض نے رشید۔ اور ۲ سعید کو ابن حجر عسقلانی نے صدوق یعنی سچا لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ان پر لوگوں نے تشیع کا الزام لگایا ہے اور بعض لوگوں کے ان پر طعن کرنے کا سبب یہی تشیع ہے کیونکہ یہ ان کے مذہب کا جزو ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ معتبر تھے

اونھوں نے سعید بن خیثم سے اونھوں نے سفیان ثوری سے اونھوں نے عاصم سے روایت کی ہے کہ سعید بن جبیر (الحمد اور اوس کے بعد والے سورہ) دونوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے اور سعید نے کہا کہ ابن عباس نے بیان کیا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ کو دونوں سوروں میں برابر بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۱ ۳ دار قطنی نے عمر بن حسن بن علی شیبانی سے اونھوں نے جعفر بن محمد بن مروان سے اونھوں نے ابو طاہر احمد بن عیسےٰ سے اونھوں نے ابن ابی فدیک سے اونھوں نے ابن ابی ذویب سے اونھوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) اور ابراہیم بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا سعید شیعہ تھے تو اونھوں نے جواب دیا کہ شیعہ تھے اور معتبر تھے (میزان الاعتدال) اور اگر احمد کا غیر معتبر ہونا ثابت بھی ہو جائے جب بھی یہ حدیث بے اعتبار نہیں ہو سکتی کیونکہ ۱ اس مضمون کے حدیثوں کی کثرت ۲ انیس سے اکثر صحیح حدیثوں کی موافقت ۳ اس مضمون کا تواتر کی حد تک پہونچ جانا اسکی تقویت کرتے ہیں۔ دیکھو خود مولوی عبد الحی صاحب نے بمقابل مالک کے بسم اللہ کو پڑھنے کے ثبوت میں کل چھ سات حدیثیں احکام القنطرہ صفحہ ۲۴۹ میں نقل کی ہیں اور کسی کی سند کو ضعیف کہا ہے اور کسی کی دلالت کو جن سے یقین کا حاصل ہونا تو درکنار گمان بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے اون حدیثوں کو اپنے مطلب کی دلیل قرار دے رہے ہیں ۱۲

ع۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ عمر بن حسن کو دار قطنی نے غیر معتبر کہا ہے۔ اور جعفر بن محمد کے متعلق دار قطنی نے کہا ہے کہ انکی حدیثیں ثبوت میں نہیں لائی جاتیں۔ اور ابو طاہر کے حق میں دار قطنی نے کہا ہے کہ جھوٹھے تھے۔ جواب ذہبی کہتے ہیں کہ عمر بن حسن کے متعلق جو یہ کہا گیا ہے کہ دار قطنی نے اونکو جھوٹھا کہا۔ یہ کلام صحیح نہیں ہے (میزان الاعتدال) ان پر جو کچھ اعتراض ہے وہ یہ کہ آب زمزم والی حدیث کو جو عبد اللہ بن مؤمل کی ہے اونھوں نے ابن عیینہ کیطرف نسبت دیکر بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں عمر بن حسن کے اوپر کے دو راوی یعنی مروزی اور جارودی چونکہ ان لوگوں کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں اس لئے یہ لوگ اس غلطی کو اون دونوں کو بچا کر عمر کے سر پر ڈالتے ہیں ۳ حالانکہ سہو ونسیان اور غلطی جو طاقت بشری سے باہر کی چیز ہے معتبر ہونیکے منافی نہیں ہے۔ پس اگر ثابت بھی ہو جائے کہ یہ غلطی اون دونوں میں سے کسی ایک کی نہیں ہے جب بھی عمر بن حسن پر طعن کا سبب نہیں ہو سکتی کیونکہ اشتباہ معتبر شخص کو بھی ہو سکتا ہے لیکن ان کے امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ غلطی جارودی ہی کی ہے کیونکہ اس حدیث کو ابن عیینہ سے عمر کے علاوہ بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے اور عمر بن حسن صاحب عظمت وجلالت اور بزرگ محدثوں سے تھے اور انکی حدیثیں اچھی ہوتی

ا احکام القنطرہ صفحہ ۲۵ ۱۲
۲ میزان الاعتدال جلد ۱ ذکر سعید بن خیثم ۱۲
۳ میزان الاعتدال جلد ۲ ذکر عمر بن حسن ۱۲

نافع سے اونھوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ اور ابوبکر اور (اپنے باپ) عمر کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ سب لوگ بسم اللہ کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۱۳ ۱۴ موسے بن ابی حبیب طائفی نے حکم بن عمیر ثمالی سے روایت کی ہے اور حکم مذکور بدری تھے۔ حکم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ کے پیچھے نماز پڑھی پس حضرت نے نماز شب اور نماز صبح اور نماز جمعہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا ۱۵ ۱۵ خطیب نے عبادہ بن زیاد اسدی سے وہ ابو یونس بن ابی یعقوب سے وہ معتمر بن سلیمان سے وہ ابو عبیدہ مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰ تھیں) اور بہت سے لوگوں نے ان سے حدیثیں لی ہیں اور یہ حفاظ سے تھے اور سچے تھے بقول ابوعلی کے ان پر کسی نے طعن نہیں کیا ہے (لسان المیزان ذکر عمر بن حسن بن علی شیبانی) اور جعفر بن محمد کی حدیثیں اس وجہ سے چھوڑ دی گئیں کہ یہ شیعہ تھے ابن حجر لکھتے ہیں کہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے ان کو شیعہ اور پرہیزگار لکھا ہے (لسان المیزان ذکر جعفر بن محمد) اور ابوطاہر پر اس وجہ سے طعن کیا گیا ہے کہ اونھوں نے روایت کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ خداوندا میرے خلفاء پر رحم کرنا پوچھا گیا کہ آپ کے خلفاء کون ہیں فرمایا وہ لوگ جو میری حدیثوں کو بیان کریں اور لوگوں کو تعلیم کریں (میزان ولسان المیزان) ابن ابی حاتم نے ان پر کوئی طعن نہیں کیا ہے پس ان لوگوں کو غصہ اس بات کا ہے کہ ابوطاہر نے ایسی حدیث کیوں بیان کی جسمیں بجائے ثلثہ کے محدثث خلفاء قرار دیئے گئے ہیں۔ ابوعلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ معتبر اور اصحاب عیاشی رہ سے تھے (منتہی المقال ذکر احمد بن عیسے) پس قصور ان کا یہ تھا کہ شیعہ تھے۔ اور دار قطنی نے شیعوں کی تکذیب کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھ لیا ہے ۱۲ ع مولوی صاحب کہتے ہیں کہ موسےٰ بن ابی حبیب مجہول الحال تھے یعنی اون کا اعتبار یا بے اعتباری معلوم نہیں ہوئی۔ اور حکم بن عمیر نہ تو بدری تھے اور نہ کسی بدری نے ان سے کوئی حدیث بیان کی ہے اور نہ کسی صحابی کی صحبت انکو نصیب ہوئی ہے اور انکی حدیثیں ناپسندیدہ ہوا کرتی تھیں۔ **جواب** موسے کا مجہول الحال ہونا خود اونکی بے اعتباری کا سبب نہیں ہوسکتا۔ پس انکی حدیث جہاں معتبر نہیں کہی جاسکتی وہاں غیر معتبر بھی نہیں کہی جائیگی اور بہ نسبت ضعیف حدیثوں کے مہمل حدیثیں صحیح حدیثوں کی موافقت سے بدرجہ اولیٰ اعتبار اور قوت پانے کا حق رکھتی ہیں اور حکم بن عمیر کو مندرجہ ذیل لوگوں نے صحابی اور بدری کہا ہے دار قطنی۔ ابو منصور باوردی۔ ابن عبدالبر ابن مندہ۔ ابو نعیم۔ ترمذی۔ ابن ابی حاتم۔ برقی عسکری۔ خلیفہ۔ طبری۔ طبرانی۔ بغوی۔ ابن قانع

۱۳ احکام القرآن جصاص ۱۲

۱۴ کنز العمال جلد ۴ ص ذکر صلوۃ نمبر حدیث ۴۹۱ بحوالہ حافظ ابو نعیم ۱۲

۱ میزان و لسان المیزان ذکر احمد بن عیسے ۱۲

۲ لسان المیزان ذکر احمد بن عیسے ۱۲

بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی پس اونھوں نے (الحمد اور اوس کے بعد والے سورہ) دونوں سوروں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا پس کسی نے اون کو ٹوکا تو اونھوں نے جواب دیا کہ میں نے

(بقیہ حاشیہ صلہ ۲) ابن حبان [۱۵] خطیب [۱۶] اور ابن حبان نے کہا ہے کہ معتبر تابعی تھے اور ذہبی نے بھی تجرید اسماء صحابہ میں بدری لکھا ہے پس انکی حدیثوں میں خرابی اگر ہو تو راویوں کیطرف سے ہوگی (لسان المیزان)

عیب [۹۱] مولوی صاحب کہتے ہیں کہ عبادہ بن زیاد کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے کہ شیعوں کے (مذہبی) سرداروں میں سے تھے۔ اور حافظ محمد نیشاپوری نے کہا ہے کہ انکے جھوٹے ہونے پر کل اہلسنت نے اتفاق کیا ہے۔ اور ابو یونس [۲] کو بعض نے معتبر کہا ہے اور مسلم نے (بھی) اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے اور نسائی اور ابن حبان نے غیر معتبر کہا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ جس حدیث کو تنہا ہی بیان کریں اوس کو ثبوت میں لانا جائز نہیں ہے۔ اور صحیح ان کے حق میں چپ رہنا ہے جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے۔ **جواب** عبادہ [۱] ابن زیاد کو ابو علی علیہ الرحمہ نے منتہی المقال میں معتبر لکھا ہے۔ اور علماء اہلسنت میں سے ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ صدوق یعنی سچے تھے لیکن ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے (تقریب التہذیب) اور مولوی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حاتم نے بھی ان پر طعن نہیں کیا۔ ہاں دبی زبان سے اپنے اصول مذہب کیطرف اشارہ کر دیا ہے کہ شیعہ تھے یعنی ان سے حدیثیں نہ لو۔ اس مطلب کو ابن عدی نے کھول دیا کہتے ہیں کہ عبادہ غالی شیعہ تھے (میزان الاعتدال ولسان المیزان) لیکن ذہبی اور ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے ان کو سچا کہا ہے اور موسے بن اسحاق نے بھی صدوق یعنی سچا کہا ہے اور ذہبی و ابن حجر دونوں کہتے ہیں کہ محمد نیشاپوری کا کلام (کہ انکے جھوٹ پر سب نے اتفاق کیا ہے) مردود ہے۔ عبادہ میں شیعہ ہونیکے علاوہ دوسرا کوئی عیب تھا (میزان و لسان المیزان) **ان تفصیلوں سے** یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نے عبادہ کے متعلق دوسروں کے خیالات نقل کرنے میں حق کو چھپایا ہے۔ یعنی صرف طعن کو نقل کیا ہے اور توثیق کو چھوڑ دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور ابو یونس [۲] کے متعلق مولوی صاحب کے جواب میں خود اونھیں کا کلام نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں مولوی صاحب احکام القنطرہ صہ ۲۶۵ میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے ابو یونس کو معتبر کہا ہے۔ اور مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے حدیثیں لی ہیں۔ اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک بعض علماء کا ان کو معتبر کہنا دوسرے [۲] مسلم کا اون سے حدیث لینا اور اسی کتاب کے صہ ۲۵۴ میں انحفات کی تیسری حدیث کے بارہیں لکھتے ہیں کہ اسکی صحت کے لئے یہی کافی ہے کہ مسلم نے اسکو نقل کیا ہے اور صہ ۲۶۵ میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی کا قطر بن خلیفہ پر طعن کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بخاری نے ان سے حدیث لی ہے اور احمد و یحییٰ وغیرہ نے اونکو معتبر کہا ہے اور صہ ۲۵۵ میں لکھتے ہیں کہ جہری حدیثوں کو چونکہ بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں نقل نہیں کیا ہے اس واسطے اون کا نقل نہ کرنا ان حدیثوں

حضرت سرور عالم صلعم کے پیچھے حضرت کی زندگی بھر نماز پڑھی اور ابوبکر کے پیچھے اونکی زندگی بھر اور عمر کے پیچھے اونکی زندگی بھر۔ یہ سب لوگ دونوں سوروں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ پس میں اپنی زندگی بھر اس کا بلند آواز سے پڑھنا نہ چھوڑوں گا لہ

لہ احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۶ ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) کے ضعف کے لئے کافی ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی راوی سے بخاری اور مسلم کا حدیث لینا اوس راوی کی وثاقت اور اوس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ اسی وجہ سے قطر بن خلیفہ کے حق میں ابن جوزی کے طعن کو قبول نہیں کیا کیونکہ بعض لوگوں نے اونکو معتبر کہا ہے اور مسلم نے اون سے حدیث لی ہے۔ **اور بعینہ** یہی حال ابو یونس کا بھی ہے کہ بعض علماء نے اونکو معتبر کہا ہے اور مسلم نے اون سے حدیث لی ہے۔ **پس اسکے بعد** قطر کے حق میں ابن جوزی جیسے جلیل القدر کے طعن کو قبول نہ کرنا اور ابو یونس کے حق میں طعن کی وجہ سے تامل کرنا انصاف کے خلاف ہے **علاوہ اسکے** صفحہ ۲۶۳ میں ابو یونس کے بارے میں لکھا ہے کہ انکو ایک جماعت نے معتبر کہا ہے اور مسلم نے ان سے حدیث لی ہے اور احمد اور ابو حاتم اور ابن معین تین شخص نے غیر معتبر کہا ہے پھر ایک عام بات لکھی ہے کہ کسی راوی پر طعن کرنے سے اوسکی حدیث اعتبار سے نہیں گرتی۔ بلکہ اعتبار سے اوس وقت گرتی ہے جب کہ اوس حدیث کو وہ تنہا بیان کرے اور معتبر لوگ اوس حدیث کی مخالفت کریں اور صفحہ ۲۶۵ میں ابو یونس کے متعلق جو ابن حبان کا کلام نقل کیا ہے کہ ابو یونس جس حدیث کو تنہا بیان کریں اوس کو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے ابن حبان کے اس کلام کو پسند نہیں کیا بلکہ غلط قرار دیکر کہتے ہیں کہ ابو یونس کے حق میں صحیح سکوت کرنا ہے۔ **پس سوال** یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بقول خود مولوی صاحب کے کسی راوی پر طعن کرنا اوسکی حدیث کو اعتبار سے نہیں گراتا۔ اور حدیث کی بے اعتباری کا دار و مدار بقول ان کے راوی کا حدیث کو تنہا بیان کرنا اور معتبر لوگوں کا اوسکی مخالفت کرنا ہے۔ اور ابو یونس کے حق میں اون کے تنہا بیان کرنے اور ثقات کی مخالفت کرنے کو بھی بے اعتباری کا سبب نہیں جانتے جس کی وجہ سے ابن حبان کے کلام کو غلط سمجھا۔ **تو اب** یونس کے حق میں چپ رہنے کا سبب سوائے ضد اور خود غرضی اور بات کی پچ کے دوسری کیا چیز ہے حالانکہ اس حدیث جہر کو صرف ابو یونس ہی نے نہیں بیان کیا ہے بلکہ تیس آدمیوں سے زیادہ نے بیان کیا ہے اور بے شمار ثقات نے قبول کیا ہے۔ ہاں اگر مولوی صاحب صرف حنفی ہی لوگوں کا نام ثقہ اور معتبر رکھتے ہیں تو اس کا جواب عقلاء کے نزدیک سوا سکوت کے اور کچھ نہیں ہے ۱۲

ﮧ احکام القنطرہ صہ ۲۵۷

ﮧ احکام القنطرہ صہ ۲۵۷

۱۶ دار قطنی نے بسند متصل نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ کعبہ کے نزدیک جبرئیل نے میری امامت (پیشنمازی) کی تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا ۔ ۱۷ حاکم اور دار قطنی نے بسند متصل محمد بن متوکل بن ابی السری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ معتمر بن سلیمان کے پیچھے صبح اور مغرب کی بہت سی نمازیں پڑھیں پس وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو الحمد سے پہلے اور اوس کے بعد (یعنی سورہ سے پہلے) ہمیشہ بلند آواز سے پڑھتے رہے۔ معتمر کہتے ہیں کہ میں نے برابر اپنے باپ کے پیچھے نماز پڑھی اور میرے باپ نے کہا کہ میں نے برابر انس کے پیچھے نماز پڑھی اور انس نے کہا کہ میں نے برابر حضرت سرور عالمؐ کے پیچھے نماز پڑھی ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت سرور عالمؐ بھی دونوں سوروں میں بسم اللہ کو برابر بلند ہی آواز سے پڑھا کرتے تھے

ع مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ناپسندیدہ بلکہ موضوع یعنی بنائی ہوئی ہے۔ کیونکہ یعقوب بن زیاد کے اعتبار یا بے اعتباری کا ذکر کتابوں میں پایا نہیں جاتا۔ پس شاید اس حدیث کو یعقوب ہی نے بنایا ہو۔ اور احمد بن حماد کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔ اور دار قطنی اور خطیب وغیرہ سے تعجب ہے کہ اون لوگوں نے اس حدیث پر اعتراض نہیں کیا۔ اور ابن جوزی نے صرف قطر بن خلیفہ کو غیر معتبر کہا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ قطر سے بخاری نے حدیث لی ہے اور احمد بن حنبل اور یحیے وغیرہ نے انکو معتبر کہا ہے جواب اولاً یعقوب کے مجہول الحال ہونے سے اون پر حدیث سازی جیسے عظیم جرم کا الزام لگانا ناانصافی اور ایک مسلمان کیطرف سے بدگمانی ہے جو بحکم قرآن مقدس گناہ کبیرہ ہے۔ ہاں اگر کسی حدیث کے موضوع ہونے پر کل علماء اور راویوں کا اتفاق ہو اور اوس کے راوی کی بے اعتباری معلوم ہو تو بنانیکی نسبت اوسکی طرف چنداں بدنما نہیں ہے اگرچہ یہ نسبت بھی یقینی نہیں ہو سکتی جبتک کہ اوس راوی کا حدیث ساز ہونا معلوم نہ ہو۔ دوسرے ابن جوزی کا بقول خود مولوی صاحب کے صرف قطر بن خلیفہ پر طعن کرنا بتا رہا ہے کہ یعقوب اون کے نزدیک معتبر تھے اسی بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ احمد بن حماد بھی ابن جوزی کے نزدیک معتبر تھے۔ اور قطر کے حق میں جب کہ مولوی صاحب ابن جوزی کے طعن کو قبول نہیں کرتے اور اونکو معتبر سمجھتے ہیں تو ابن جوزی کے نزدیک یعقوب اور احمد اور مولوی صاحب کے نزدیک قطر معتبر قرار پاکر حدیث کی صحت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور اگر ان راویوں کی بے اعتباری مان بھی لیجائے تو صحیح حدیثوں کی تائید اور اس حدیث کے مضمون کا تواتر اس کے ضعف کو

عہ۱۸ حاکم نے بسند متصل حمید سے روایت کی ہے کہ انس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت سرور عالم اور حضرت علی علیہما الصلوٰۃ والسلام اور ابوبکر اور عمر اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب حضرات بسم اللہ کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے لہ عہ۱۹ خطیب نے دارقطنی سے بسند

(بقیہ حاشیہ صہ ۶۴) دفع کردینگے ۔ متعلق عہ۱۷ ۔ مولوی صاحب نے اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اور نہ دلالت میں کوئی قدح کی ہے بلکہ لکھتے ہیں کہ اسکی مخالف ابن خزیمہ اور طبرانی کی حدیثیں ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ آہستہ پڑھا کرتے تھے **جواب** بالفرض اسکے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند میں درست ہوں دو حدیثیں متواتر حدیثوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں ۔ متعلق عہ۱۸ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ذہبی نے قسم کھا کر کہا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے ۔ اور ابن عبدالہادی نے کہا کہ اس حدیث میں سے لا گر گیا ہے (یعنی اصل میں کانو لا یجہرون تھا یعنی نہیں پڑھا کرتے تھے) ۔ اور ابو حاتم نے محمد بن ابی السری کو جو اسکے پہلے راوی ہیں لین الحدیث کہا ہے (یعنی انکی حدیثیں جہاں صاف صاف غیر معتبر نہیں کہی جاسکتیں ، معتبر بھی نہیں کہی جاسکتیں) اور خود محمد بن سری کی ایک حدیث اس مضمون کی بھی ہے کہ حضرت سرور عالم آہستہ پڑھا کرتے تھے ۔ اور انس کے معتبر شاگردوں نے انس سے آہستہ پڑھنے کی بھی حدیثیں نقل کی ہیں ۔ **جواب** باوجودیکہ راوی اس کے سب معتبر ہیں جیسا کہ معلوم ہوگا ذہبی پر اس کے جھوٹی ہونے کا بے ثبوت الہام توجہ کے لائق نہیں ہے ۔ اور ابن عبدالہادی کی توجیہ بھی بتاتی ہے کہ حدیث جھوٹی نہیں ہے ورنہ اس توجیہ کی ضرورت نہ تھی کہ اس میں سے لا گر گیا ہے ۔ اسی قدر کہہ دینا کافی تھا کہ جھوٹی ہے ۔ ۲ ابن عبدالہادی کا یہ کلام کہ حرف لا گر گیا ہے بے دلیل ہے ۔ علاوہ اس کے اکل از قفا ۔ یعنی پیچھے سے منہ میں لقمہ ڈالنا اور کانو ایسرون کی جگہ پر کانو لا یجہرون کہنا عقل اور عادت اور دستور اور محاورہ اور فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے ۔ پانچ حرفوں والے لفظ یسرون کو چھوڑ کر آٹھ حرفوں والے لفظ لا یجہرون کو اختیار کرنا خفیف العقل شخص کا کام ہے ۔ ۳ محمد بن ابی السری کو ابن معین نے معتبر کہا ہے ۔ اور ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ صدوق یعنی سچے تھے (تقریب التہذیب) اسی وجہ سے ابن حجر نے لسان المیزان الکبیر میں ابوحاتم کے طعن کو نقل بھی نہیں کیا ہے ۔ حالانکہ وہ اس کتاب میں میزان الاعتدال کی بعینہ عبارت نقل کرنے کے پابند ہیں جسمیں ابوحاتم کا طعن مذکور ہے ۔ اور صاحبان صحاح ستہ میں سے ابوداؤد وغیرہ نے ان سے حدیثیں لی ہیں (لسان المیزان و میزان الاعتدال) جن صحاح کو مولوی صاحب راویوں اور حدیثوں کی بے اعتباری اور اعتبار کا معیار قرار دیتے ہیں (دیکھو احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۵) متعلق عہ۱۹ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ

لہ احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۵ ۱۲

متصل سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ ابو بکر اور عمر اور عثمان اور علی علیہ السلام بسم اللہ کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۵ نمبر ۶ خطیب نے بسند متصل ابو رباح سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام اور دوسرے چند صحابہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) اس کے راوی عثمان بن عبدالرحمن زہری کی حدیثوں کو چھوڑ دینے پر کل علماء نے اتفاق کیا ہے۔ اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ بہت جھوٹا تھا جواب ایک تو عثمان مذکور ترمذی کے راوی ہیں (دیکھو تقریب التہذیب صفحہ ۲۶) اور ترمذی صحاح ستہ میں داخل ہے جن کو مولوی صاحب نے راویوں اور حدیثوں کے اعتبار اور بے اعتباری کا معیار قرار دیا ہے۔ دوسرے ان کا ضعف مضر نہیں ہے کیونکہ بہت سی معتبر حدیثیں اور اسکے مضمون کا تواتر اسکی تائید کرتے ہیں۔ متعلق نمبر ۲ ع ۵ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ عطار نے نہ تو حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا تھا اور نہ کبھی اونکے پیچھے نماز پڑھی تھی نمبر ۲ اور یعقوب بن عطار جو اس حدیث کا راوی ہے اوس کو احمد اور ابو زرعہ اور ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ اور نمبر ۳ استاد خطیب ابو الحسن بن احمد سندوں کو مخلوط کر دیا کرتا تھا جواب ۱ عطار کو ابن حجر فقیہ. فاضل اور ثقہ لکھتے ہیں (تقریب) اور ذہبی لکھتے ہیں کہ مکہ میں عطا علم اور عمل اور بکثرت حدیثیں بیان کرنے میں کل تابعین کے سردار تھے اور عائشہ اور ابو ہریرہ اور کتاب یعنی وحی لکھنے والوں سے روایتیں نقل کرتے تھے اور امام اور حجت اور بہت بڑے مرتبہ کے شخص تھے اور (امام جماعت حنفیہ) یعنی ابو حنیفہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اونکا مثل نہیں دیکھا اور نوے سال یا اوس سے بھی زیادہ زندگی کی (میزان الاعتدال) اور ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں کہ عطار فقہاء اور ائمہ سے تھے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت سنہ ۴۰ھ ماہ رمضان میں ہوئی اور عطار سنہ ۱۱۴ھ میں بقول ذہبی کے نوے برس یا اوس سے بھی زیادہ سن میں مرے اس بنا پر عطار حضرت کی شہادت کے وقت سولہ سال کے یا اوس سے بھی زیادہ تھے اس واسطے مولوی صاحب کا یہ لکھنا کہ عطار نے نہ تو حضرت کو دیکھا تھا اور نہ اونکے پیچھے نماز پڑھی تھی آفتاب پر خاک ڈالنا ہے نمبر ۲ اور یعقوب بن عطار سنن نسائی کے راوی ہیں جو صحاح ستہ میں داخل اور بقول مولوی صاحب کے اعتبار اور بے اعتباری کا معیار ہے نمبر ۳ اور ابو الحسن کا سندوں کو مخلوط کر دینا ایک تو خود ابو الحسن کی بے اعتباری کا سبب نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ روایت کا اعتبار مشکوک ہوگا جو معتبر روایتوں کی تائید سے درست ہو جاتا ہے اور دوسرے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سندیں بھی اونھوں نے خلط کیا ہے اور تیسرے اگر معلوم ہو چکا ہے تو یعقوب کی بے اعتباری اس حدیث کو بے اعتبار

احکام القنطرہ ۵/ صفحہ ۲۵۷ ۱۲

پیچھے نماز پڑھی وہ سب لوگ بسم اللہ کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۱۵ ۲۱ خطیب نے دار قطنی سے بسند متصل صالح بن نبہان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدری اور ابن عباس اور ابو قتادہ اور ابو ہریرہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ سب لوگ بسم اللہ کو

۱۵ الکلام القنطرہ صفحہ ۲۵۸ ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶) نہیں کرسکتی کیونکہ شاید وہ اسکے راوی نہ ہوں اور ابو الحسن نے غلطی سے اون کا نام ذکر کیا ہو۔ پس یہ روایت صاف صاف غیر معتبر نہیں کہی جائیگی بلکہ مجہول الحال رہیگی اور بہت سی معتبر حدیثیں اور اسکے مضمون کا تواتر اسکو معتبر بنا دینگی متعلق ۲۱ ع۵ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اسکے راوی حسن بن حسین شیعہ ضعیف (یعنی غیر معتبر) تھے ۲ اسی طرح ابراہیم بن ابی یحیٰے کو رافضی اور جھوٹھا کہا گیا ہے۔ اسی طرح صالح بن نبہان کے حق میں بھی مالک وغیرہ نے کلام کیا ہے۔ اور قتادہ کے پیچھے ان کے نماز پڑھنے میں تامل ہے۔ جواب ابو علی علیہ الرحمہ نے حسن بن حسین کو معتبر لکھا ہے (منتہی المقال) لیکن ابو حاتم کہتے ہیں کہ علماء کے نزدیک یہ سچے نہ تھے (کیونکہ) شیعوں کے (مذہبی) رؤسا سے تھے۔ اور انکی یہ حدیث ناپسندیدہ ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت سرور عالم نے فرمایا کہ میں منذر یعنی ڈرانے والا ہوں اور علیؑ ہادی یعنی ہدایت کرنے والے ہیں اے علیؑ ہدایت پانے والے تم سے ہدایت پائیں گے ۲ ابراہیم اس وجہ سے غیر معتبر ٹھہرائے گئے کہ شیعہ تھے۔ چنانچہ ابن معین نے رافضی کذاب لکھا ہے جس کو مولوی صاحب نے نقل کیا ہے اور ابو ہمام سکونی کہتے ہیں کہ ابراہیم نے خود سنا کہ وہ بعض سلف (بزرگان اہلسنت) کو برا کہتے تھے (دیکھو میزان الاعتدال) اسی غصہ میں انکو قدری۔ جہمی۔ معتزلی۔ رافضی۔ بے دین سب کچھ کہا گیا ہے (دیکھو میزان الاعتدال) کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ایک ہی شخص لامذہب اور صاحب مذہب اور کئی مذہب کا معتقد نہیں ہوسکتا بہرحال صاحبان صحاح میں سے ابو داؤد نے ان سے حدیثیں لی ہیں جن کو مولوی صاحب اعتبار اور بے اعتباری کا معیار سمجھتے ہیں اور ربیع کہتے ہیں کہ (امام اہلسنت) شافعی کہا کرتے تھے کہ اگر ابراہیم بن ابی یحیٰے کو آسمان بلکہ اوس سے بھی بہت اوپر سے گرا دیا جائے تو یہ اونکے نزدیک جھوٹھ بولنے سے زیادہ پسندیدہ ہے ابراہیم معتبر ہیں اور ابن عدی کہتے ہیں کہ امام شافعی اور ابن اصبہانی یعنی عبدالرحمن بن عبداللہ نے (جو خود بھی معتبر تھے ۱۲ تم) انکو معتبر کہا ہے۔ اور ابن عقدہ کہتے ہیں کہ میں نے انکی حدیثوں کو دیکھا ہے اونکی حدیثیں خراب نہیں ہیں۔ اور ابن عدی کہتے ہیں کہ ابن عقدہ سچ کہتے ہیں میں نے بھی انکی بہت سی حدیثوں کو دیکھا اونمیں سے ایک حدیث کو بھی خراب نہ پایا لیکن وہ حدیث جس کو ان سے نیچے کے (غیر معتبر) راوی نے نقل کیا ہو۔ اور ان سفیان

۲ ع۵ ان کا نام کتب رجال میں ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰے لکھا ہوا ہے ۱۲

برابر بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۵۱ م ۲۲ خطیب نے بسند متصل انس سے روایت کی ہے کہ
حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ واجب نمازوں میں بسم اللہ کو برابر بلند آواز سے پڑھا کرتے
کرتے تھے ۵۲ م ۲۳ دارقطنی نے بسند متصل ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت

۵۱ احکام القنطرہ ص۲۵۵

۵۲ احکام القنطرہ ص۲۵۵

(بقیہ حاشیہ ص۶۷) ثوری اور ابن جریح اور بڑے بڑے علماء نے حدیثیں لی ہیں اور انھوں نے کتاب موطا
لکھی ہے جو مالک کی موطا سے بہت بڑی ہے (میزان الاعتدال ذکر ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰے) ابو علی علیہ الرحمہ
منتہی المقال میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما الصلوٰۃ والسلام
سے روایت کرتے ہیں اور ان دونوں بزرگواروں کے خاص صحابہ سے تھے اسی وجہ سے اہلسنت نے انکو غیر
معتبر کہا ہے۔ اسکے بعد علماء شیعہ اور علماء سنی کے خیالات کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ "میرا گمان یہ ہے کہ علماء فریقین
کے کلام کو دیکھنے کے بعد ابراہیم کے شیعہ ہونے میں تم کو شک نہیں رہ سکتا" (منتہی المقال ذکر ابراہیم بن محمد بن ابی
یحیٰے) م ۲۱ صالح بن نبہان صحاح ستہ میں سے ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ تین صحیحہ کے راوی ہیں علاوہ
اس کے میزان الاعتدال کی مفصل عبارت کو دیکھو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ صالح مذکور کی جلالت قدر اور ثقاہت
میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اکابر مدنیہ یعنی مدنیہ کے بڑے بڑے علماء اہلسنت نے ان سے حدیثیں لی ہیں
ابن معین اور یحیٰی اور احمد بن حنبل اور ابن مدینی اور عبداللہ بن احمد وغیرہ نے انکو معتبر اور حجت اور صالح الحدیث
کہا ہے یعنی انکی حدیثیں اچھی ہوتی تھیں رہ گیا مالک وغیرہ کا طعن تو یحیٰے کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے طعن کا
سبب ہے کہ ان لوگوں نے اونکو اوس وقت دیکھا جب کہ بوڑھاپے سے اونکے حواس میں فرق آچکا تھا یعنی
سٹھیا گئے تھے (میزان) افسوس ہے کہ اپنی خودغرضی سے مولوی صاحب نے لاتقربوا الصلوٰۃ کو تو لے لیا
اور وانتم سکاریٰ کو چھوڑ دیا ۔ چو کفر از کعبہ (مذہب تسنن) برخیزد + کجا ماند مسلمانی (اہل تسنن)
رہ گیا ان کا ابوقتادہ کے پیچھے نماز پڑھنا تو اسمیں تامل کرنا بھی بے وجہ ہے کیونکہ ابوقتادہ سنہ ۵۴ھ میں مرے
اور صالح مذکور سنہ ۱۲۵ یا ۱۲۶ھ میں۔ پس دونوں کی موت میں ۷۱ یا ۷۲ سال کا فرق نکلتا ہے۔ اور
میزان الاعتدال میں صاف لکھا ہے کہ صالح اس قدر بڈھے ہو گئے تھے کہ حواس میں فرق آگیا تھا۔ اور
عرب کی آب وہوا کی قوت یقین دلاتی ہے کہ اس حد تک ہونچنے کے لئے عمر کو سو سے گذر جانا چاہئے پس
اگر کم سے کم انکی عمر نوے ہی سال قرار دی جائے جب بھی ابوقتادہ کی موت کے وقت انکی عمر ۱۹ سال ثابت
ہوتی ہے متعلق م ۲۲ ع ۵ اس حدیث کی سند میں مولوی صاحب نے کوئی کلام نہیں کیا ہے لیکن لکھتے ہیں
کہ ابن عبدالہادی نے بیان کیا ہے کہ اسمیں سے لا گر گیا ہے اصل اسکی کان لا یجہر تھی جواب یہ توجیہ

سرورعالم نے دونوں سوروں میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کو آخر عمر تک نہیں چھوڑا
سلہ ۲۱ خطیب نے اسماعیل بن اسحاق قاضی سے بسند متصل روایت کی ہے کہ حضرت
سرورعالم صلعم بسم اللہ کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۲۲ واضح ہو کہ جو بیس حدیثیں
جو اوپر ذکر کیگئیں ہیں ان میں سے سوا اون چند حدیثوں کے جو کنز العمال اور درمنثور سے جابجا
نقل کیگئیں ہیں باقی حدیثیں احکام القنطرہ کی ہیں جن کو مولوی عبدالحی صاحب نے جہر کے متعلق نقل
کر کے اون پر اعتراضات کئے تھے۔ اگرچہ اونھوں نے اس بارے میں ستائیس حدیثیں ذکر کی ہیں
لیکن اونمیں سے چند حدیثیں چونکہ جہر سے تعلق نہیں رکھتیں اس لئے چھوڑدی گئیں اب جو حدیثیں ذکر
کیجائینگی وہ کنز العمال اور درمنثور سے لیجائینگی۔ اور چونکہ ان پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہے
اس لئے صرف اون کو نقل ہی کردینے پر اکتفا کی جائیگی جس طرح اور پر چند حدیثیں جو کنز العمال
اور درمنثور سے بغیر اعتراض اور جواب کے ذکر کیگئیں۔ اور چونکہ ان حدیثوں کا مضمون تواتر
کی حد تک پہونچ گیا ہے اس لئے کسی کا اعتراض نہ تو کوئی وقعت رکھتا ہے اور نہ اون حدیثوں
کو اعتبار سے گرا سکتا ہے لیکن چونکہ مولوی صاحب اپنی خودغرضیوں سے مضمون کے تواتر کو نظرانداز
کرکے اعتراضات کرچکے تھے اور ان اعتراضوں کا جواب نہ دینا عوام الناس کی نگاہوں میں ان
حدیثوں کی کمزوری کا باعث تھا اس لئے اون اعتراضوں کے جوابات میں تھوڑی زحمت گوارا
کیگئی۔ باقیماندہ حدیثیں یہ ہیں ۲۵ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ
علیہ وآلہ نے نماز پڑھی پس بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھا سلہ ۲۶ ابوہریرہ
بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نماز میں ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا
کرتے تھے سلہ ۲۷ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ اور
ابوبکر اور عمر کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب لوگ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے

سلہ احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۷ ۱۲
سلہ احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۷ ۱۲
سلہ کنز العمال حرف ص ذکر صلوٰۃ ... ۲۰ نمبر حدیث ۴۹۵ بحوالہ ابن عساکر ۱۲
سلہ درمنثور بحوالہ دار قطنی و حاکم و بیہقی ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) اور اوس کا جواب نمبر اٹھارہ میں گذر چکا متعلق ۲۳ صفحہ ۶۸ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ عمر
بن حفص کی حدیث کو چھوڑدیتے یہ علماء نے اتفاق کیا ہے جواب عمر بن حفص کی حدیث کو چھوڑدینے کا سبب ہی حدیث
جہر ہے دیکھو میزان الاعتدال ذکر عمر بن حفص) متعلق ۲۴ صفحہ ۶۹ مولوی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بنائی ہوئی
ہے اور حسن بن احمد ناپسند حدیثیں بیان کرتا تھا جواب حسن بن احمد کی وثاقت پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔
اور صاحب مناکیر ہونے کا الزام اسی حدیث کو بیان کرنے کی وجہ سے لگایا جارہا ہے (دیکھو میزان الاعتدال) ۱۲

تھے۔ ۲۸ عائشہ کہتی ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے ۲۹ زہری کہتے ہیں کہ نماز کی سنتوں عہ سے یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (بلند آواز سے) پڑھا جائے اور سب سے پہلے جس نے مدینہ میں اس کو آہستہ پڑھا وہ عمرو بن سعید بن عاص ہیں کیونکہ یہ شرماؤ آدمی تھے ۳۰ عمرو بن سعید مذکور معاویہ اور یزید کیطرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اپنی ذات میں اسراف کیا کرتے تھے (تقریب التہذیب) ۳۰ بسند صحیح بکر بن عبداللہ مزنی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کے پیچھے نماز پڑھی وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تمہارے امیروں یعنی حاکموں اور سرداروں کو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے سے غرور ہی روکتا ہے

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ بسم اللہ چھپانے کے متعلق زہری کا عمرو بن سعید کو شرماؤ کہنا ادب یا حسن ظن یا انکی خوشامد کیوجہ سے تھا کیونکہ زہری ان روسا بنی امیہ کے درباری اور وظیفہ خور تھے۔ بہر حال سب سے پہلے بسم اللہ کو بالکل نہ پڑھنے والے معاویہ اور آہستہ پڑھنے والے عمرو بن سعید نوکر معاویہ دونوں چچا بھتیجا بنو امیہ ہی سے تھے جو فتح مکہ کے بعد جبراً مسلمان ہوئے۔ اور بسم اللہ سے کراہت کرنے والے کون لوگ تھے اس کو ابتدا کی چند حدیثیں صاف صاف بتاتی ہیں جو بطریق فریقین گذر چکیں۔ زہری کی حدیث میں جو یہ جملہ ہے کہ سب سے پہلے مدینہ میں بسم اللہ کو عمرو بن سعید نے آہستہ پڑھا اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ اور دوسروں کی طرف جو آہستہ پڑھنے کی نسبت حدیثوں میں دی گئی ہے وہ حدیثیں غلط اور جعلی ہیں۔ اور ان حدیثوں کے راویوں کی بے اعتباری اسکی مؤید ہے اگر ان لوگوں کا بھی آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا تو زہری جیسا جلیل القدر محدث عمرو کو پہلا پڑھنے والا نہ کہتا۔

تنبیہیں پہلی تنبیہ۔ جہر کی حدیثوں کے راویوں اور نقل کرنے والوں اور بلند آواز سے پڑھنے والوں کی فہرست **راوی** ۱ حضرت علی علیہ السلام ۲ عمار بن یاسر ۳ ابوہریرہ ۴ عبدالرحمن بن ابزی ۵ شعبی ۶ ابن عباس ۷ عاصم ۸ عبداللہ بن عمر ۹ حکم بن عمیر

عہ سنت کا لفظ زیادہ تر اوس پر بولا جاتا ہے جس کو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے خدا کی رضامندی سے جاری کیا جس میں بعض واجب چیزیں بھی داخل ہیں جیسے یومیہ چار رکعتی نمازوں کی آخری دو رکعتیں ۱۲ عہ یہ راوی سنن نسائی و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و صحیح مسلم ہیں (تقریب) اس واسطے حدیث اخفات کو انلوگوں کا اصرار کے ساتھ نقل کرنا تعجب کی چیز نہیں ہے ۱۲

درمنثور جلد ۱ صفحہ ۸ بحوالہ دار قطنی ۱۲
درمنثور بحوالہ دار قطنی
درمنثور بحوالہ بیہقی ۱۲
احکام القنطرہ صفحہ ۲۵ بحوالہ خطیب اس حدیث کی صحت کو مولوی عبدالحی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے ۱۲
جہر کی حدیثوں کے راوی
تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۹۰

۱۰ ابو عبیدہ ۱۱ نعمان بن بشیر ۱۲ محمد بن متوکل ابو السری ۱۳ انس ۱۴ سعید بن مسیب ۱۵ ابو رباح ۱۶ صالح بن نبہان مولوی صاحب بھی احکام القنطرہ ۲۶ میں لکھتے ہیں کہ جہر کی حدیثوں کو چودہ صحابی نے بیان کیا ہے نقل کرنے والے ۱ خطیب ۲ حاکم ۳ بیہقی ۴ دار قطنی ۵ ابن حبان ۶ طبرانی ۷ ابن نجار ۸ طحاوی ۹ عبد الرزاق ۱۰ سیوطی ۱۱ حافظ ابو نعیم مولوی صاحب چونکہ آخری سات شخصوں کے حق میں کوئی بات گرفت کی نہ پا سکے ہیں اس وجہ سے صرف ابتدائی چار شخصوں سے چمٹے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ خطیب متعصب تھے اور حد سے گذر گئے تھے اور کئی مقام میں دیدہ و دانستہ موضوعہ یعنی بنائی ہوئی حدیثوں کو ثبوت میں پیش کیا ہے۔ اور حاکم حدیثوں کی تصحیح میں بے پروائی کیا کرتے تھے اور ضعیف حدیثوں کو صحیح کہہ دیا کرتے تھے اور دار قطنی کی کتابیں ضعیف حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور بیہقی مشتبہ آدمی تھے ۱

جواب ۱ خود مولوی صاحب نے اسی کتاب احکام القنطرہ میں اپنے مطلب کے موافق حدیثوں کو بہت سی جگہ انھیں چاروں آدمیوں کی کتابوں سے نقل کیا ہے منجملہ ان حدیثوں کے نفی جزئیت بسم اللہ میں پہلی حدیث دار قطنی اور بیہقی سے اور چوتھی حدیث بیہقی اور حاکم سے نقل کیا ہے اور حاکم کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے اور آہستہ پڑھنے کی حدیثوں میں سے پہلی حدیث جس کو انحضرت کی باقی حدیثوں سے قوی کہا ہے خطیب سے نقل کیا ہے اور انکی تصحیح پر اعتماد کیا ہے پس یا تو ان لوگوں پر مولوی صاحب کا طعن کرنا غلط اور تعصب اور خود غرضی اور ناانصافی ہے یا انکی بے اعتبار حدیثوں کو نقل کرنا خیانت اور منافی دیانت ۲ خطیب کے متعلق ابن خلکان لکھتے ہیں کہ پختہ اور ٹھوس حافظوں اور متبحر عالموں میں سے تھے۔ اور فضیلت انکی اس قدر مشہور ہے کہ بیان کی محتاج نہیں ہے ۲ مولوی صاحب کے خطیب سے زیادہ آزردگی کا سبب ہے کہ انھوں نے مولوی صاحب کے پیشوا ابو حنیفہ کی مذمت اپنی تاریخ میں بہت زیادہ کی ہے جس کی شکایت مولوی صاحب نے اپنی کتاب غیث الغمام ۱۴۵ میں کی ہے۔ حالانکہ جائز مذمت مذمت کرنے والے کو معیوب نہیں کر سکتی۔ حاکم۔ دار قطنی بیہقی کے متعلق امام اہلسنت فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کا علم زیادہ تھا قوت (علمیہ) میں سب سے زیادہ تھے اور علم حدیث میں تحقیق انکی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور اس علم میں شیخین (یعنی ابو بکر اور عمر) کے بعد سب کے سردار تھے ۳ اور مولوی عبد الحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ بخاری اور مسلم سے جو صحیح حدیثیں چھوٹ گئی تھیں حاکم نے انکو جمع کر کے مستدرک نام رکھا ہے ۴

---

۱ احکام القنطرہ ۲۵۹ ص ۱۲

۲ تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۷ چھاپہ مصر ۱۲

۳ رسالہ فضائل شافعی

۴ مقدمہ شرح فارسی مشکوۃ ۱۵ چھاپہ نول کشور ۱۲

ایضاً ... [illegible]

بلند آواز سے پڑھنے والے ۱ حضرت جبرئیل امین ۲ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ ۳ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ۴ ابوبکر ۵ عمر ۶ عثمان ۷ عبد اللہ بن زبیر ۸ عبد اللہ بن عمر ۹ عبد اللہ بن عباس ۱۰ ابو سعید خدری ۱۱ ابو قتادہ ۱۲ ابو ہریرہ ۱۳ عبد الرحمن بن ابزی ۱۴ سعید بن جبیر ۱۵ معتمر بن سلیمان ۱۶ چند صحابہ جو حدیث نمبر ۲۰ میں اجمالاً مذکور ہیں

دوسری تنبیہ ان کل تیس حدیثوں میں جو ذکر کیگئیں صرف تین حدیثیں یعنی نمبر ۲ و ۹ و ۱۹ غیر معتبر ہیں اور نمبر ۱۴ و ۲۰ مہمل۔ لیکن ان کا ضعف باقی معتبر حدیثوں کے ملنے اور مضمون کے تواتر سے دفع ہوجائیگا۔ اور مولوی صاحب نے بھی اسکا اقرار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں سے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ کا بسم اللہ کو پڑھنا ثابت ہے اور اون میں سے بعض حدیثوں کی سند کا ضعف مضر نہیں ہے کیونکہ سب کے اکٹھا ہونے سے قوی حاصل ہوجاتی ہے

تیسری تنبیہ مضمون ان کل حدیثوں کا یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنا تواتر کی حد تک پہونچ گیا ہے اس لئے بعض حدیثوں کی سند کی کمزوری مضر نہیں ہے جیسا کہ قبل اسکے کئی جگہ بیان کیا گیا چوتھی تنبیہ تیسوں حدیثیں مقید اور جملہ ہیں جو بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کو بتاتی ہیں اور اکتیس حدیثیں جو صرف پڑھنے کو بتاتی ہیں وہ مطلقہ ہیں اور اصول فقہ کے قاعدہ سے مطلق کلام مقید پر محمول کیا جاتا ہے ۲؎ اس لئے یہ مطلقہ حدیثیں مقیدہ پر محمول کیجائینگی یعنی اون مطلقہ سے بھی بلند ہی آواز سے پڑھنا مراد لیا جائیگا۔ اس واسطے بلند آواز سے پڑھنے پر اکسٹھ حدیثیں دلیل قرار پائینگی اور اکسٹھ حدیثوں سے کم ہی حدیثیں تواتر کے حد تک پہونچ جاتی ہیں پس یہ اکسٹھ تواتر کی حد سے بھی گذر چکی ہیں جن سے انکار کرنا بقول فخر الاسلام بزدوی کے کفر ہے ۳؎ پانچویں تنبیہ ان تیس حدیثوں میں سے نمبر ۱ و ۲ و ۵ و ۷ و ۲۳ میں بسم اللہ کو دونوں سوروں یعنی الحمد اور اوسکے بعد کے سورہ میں پڑھنے کی تصریح ہے اور باقی حدیثیں مطلقہ ہیں جنمیں یہ قید نہیں ہے اس واسطے بقاعدہ اصول فقہ وہ مطلقہ ان مقیدہ پر محمول کیجائینگی اور ان سے بھی دونوں میں پڑھنا مراد لیا جائیگا۔ چھٹیں تنبیہ حدیث نمبر ۲۷ میں لفظ المکتوبات واقع ہے جو جمع محلی بلام ہے یعنی اوس پر الف ولام داخل ہوا ہے اور ایسی جمع اپنے کل فردوں کو شامل ہوتی ہے اور حدیث نمبر ۲۲ میں لفظ الفریضہ واقع ہے جو اسم جنس ہے جو بہت سی فردوں کو بھی شامل ہوتا ہے۔ اس واسطے یہ تینوں حدیثیں یہ بتاتی ہیں کہ بسم اللہ کو کل واجب نمازوں میں بلند آواز سے پڑھنا چاہیئے۔ جہریہ میں وجوباً کیونکہ دونوں سوروں کی کل آیتوں کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور بسم اللہ بھی اونکی ایک آیت ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا۔ اور اخفاتیہ میں استحباباً کیونکہ سوا بسم اللہ کے باقی آیتوں کو آہستہ پڑھنا واجب ہے۔ اور یہ حدیثیں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنے کے وجوب کی نفی کر رہی ہیں اور بلند آواز سے پڑھنے کا وجوب ثابت نہیں ہے اور حضرت سرورِ عالم وصحابۂ کرام کا بلند آواز سے

پڑھنے پر اہتمام واصرار اسکی اولویت ورجحان کو بتاتاہے اس واسطے اخفاتیہ میں اس کا استحباب
ثابت ہوتاہے ۔ ساتویں تنبیہ اگر شافعی بھی اخفاتیہ نمازوں میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے
پر میرے موافق ہیں جیساکہ اون کے کلام مطلق سے ظاہر ہوتاہے تو نعم الوفاق ۔ اور اگر اون کو
اسمیں تامل ہے جیساکہ فخر رازی کے بیان سے معلوم ہوتاہے تو یہی حدیثیں اون پر حجت ہونگی ۔
آٹھویں تنبیہ ان تینوں حدیثوں کا اطلاق یعنی خاص پیشنماز یا تنہا پڑھنے والے کی قید کا
اونمیں نہ ہونا ۔ اور احادیث شیعہ میں سے حدیث زرارہ نمبر ۹ اور حدیث ابن اذینہ
نمبر ۱ میں پڑھنے کا عام حکم تنہا پڑھنے والوں اور پیشنماز سب کو شامل ہے اس واسطے بلند آواز
سے پڑھنے کا حکم دونوں کو شامل ہوگا پس دونوں کو بلند آواز سے پڑھنا چاہئے ۔ نویں تنبیہ ۔
دو حدیثیں اوپر ذکر کیگئیں ایک کا مضمون یہ تھا کہ سب سے پہلے بسم اللہ کو عمرو بن سعید نے آہستہ
پڑھا کیونکہ شرماتے تھے ۔ اور دوسرے کا مضمون یہ تھا کہ امراء نخوت اور غرور کی وجہ سے آہستہ پڑھا
کرتے تھے ۔ اور علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ بغداد کی جامع مسجد ونمیں نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم
کو بلند آواز سے پڑھنا اس وجہ سے چھوڑ دیا گیا کہ علویین مصر (یعنی سادات جو بادشاہ مصر
گذرے ہیں) بلند آواز سے بسم اللہ پڑھا کرتے تھے پس امام احمد بن حنبل کی پیروی کی غرض
سے نہیں بلکہ علویین مصر کی مخالفت کی غرض سے بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا ترک کیا گیا ۔
حاصل یہ کہ کسی نے شرم سے آہستہ پڑھا اور کسی نے غرور سے اور کچھ لوگوں نے مذہبی تعصب سے
اور یہ تینوں وجہیں باطل پرستی اور جہالت اور تعصب اور معصیت پر مبنی ہیں اور اسلام کے لئے
ننگ و عار اور ناموس اسلام کو داغدار اور اصول اسلام کو پامال اور ذلیل کرنے والی یہیں سے
سمجھ لینا چاہئے کہ بلند آواز سے پڑھنے کی مخالفت کیوں کیگئی اور آہستہ پڑھنے کی حدیثیں
کیوں بنائی گئیں ۔ یہی ان کا اسلام ہے یہی مسلمانیت ۔ ایک جماعۃ صحابہ و تابعین کو معاویہ
نے حدیث سازی پر معمور کیا تھا ۔ غیاث بن ابراہیم نے خلیفہ مہدی عباسی کی خوشامد میں کبوتر
بازی کے جائز ہونے کی حدیث بنائی ۔ ابو یوسف کے فتاوی ہارون رشید کے خواہشات نفسانی
کے دھارے پر بہا کرتے تھے ۔ احمد بن عبداللہ جویباری نے ابن رام کی خوشامد میں ہزاروں
حدیثیں بناڈالیں ۔ اور مذہب ابو حنیفہ کی تعریف میں حدیث بنائی اور اسد بن عمرو کوفی قاضی
واسط و بغداد نے مذہب حنفی کی تائید میں حدیثیں بنائیں تو کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ اخفات
کی حدیثیں اون لوگوں نے بنائیں جو حنفی مسلک تھے یا جنھوں نے علویین مصر کی مخالفت کی غرض

سے بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا جائز سمجھا تاکہ اون کا عیب چھپ جائے یا تھوڑا تھوڑا دونوں نے بنایا ہے یہیں سے یہ بات بھی کھل گئی کہ بخاری صاحب نے جہر کی حدیثوں کو محض مخالفت اہلبیت علیہم السلام اور مخالفت شیعہ کی غرض سے اپنی صحیحہ (برعکس نہند نام زنگی کافور) میں نقل نہ کیں۔ اور اخفات کی حدیثوں کو نقل کرتے ہیں جو ابو حنیفہ کے موافق تھیں اس وجہ سے پروا نہ کی کہ ابو حنیفہ پھر بھی سنی تھے۔ ایک سنی کی مخالفت سے اونھوں نے اہلبیت اور شیعوں کی مخالفت کو زیادہ ضروری سمجھا۔ اس واسطے مولوی عبدالحی صاحب کا یہ استبعاد کہ "بخاری صاحب جو خاص تعصب ابو حنیفہ سے رکھتے تھے اوس کا اقتضا یہ تھا کہ اخفات کی حدیثوں کو نقل نہ کرتے اور جہر کی حدیثوں کو اگر صحیح ہوتیں ضرور نقل کرتے کیونکہ وہ ابو حنیفہ کے مخالف حدیثوں کو خواہ مخواہ تلاش کرکے نقل کیا کرتے تھے[1] دفع ہو گیا کیونکہ جب اونکے تعصب کا یہی حال تھا کہ ابو حنیفہ کے مخالف حدیثوں کو خواہ مخواہ نقل کرتے تھے اور حق و ناحق سے چشم پوشی کر لیا کرتے تھے تو اونکا تعصب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور جعفری مذہب کے ساتھ اوس سے زیادہ تھا جو ابو حنیفہ کے ساتھ رکھتے تھے[ع]

شادیم گو رقیباں داماں کشاں گذشتے   گو مشتے خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

اسی وجہ سے نواصب و خوارج تک سے حدیثیں لی ہیں اور نہ لیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے۔ مخالف حدیثیں۔ مولوی عبدالحی صاحب نے آہستہ پڑھنے کے ثبوت میں چھ حدیثیں لکھی ہیں اور سب کی سند کو صحیح اور دلالت کو صریح کہا ہے لیکن آپکو معلوم ہو جائیگا کہ ان میں سے نہ تو کسی ایک کی سند صحیح ہے اور نہ دلالت درست پہلی حدیث شعبہ کی ہے انس سے جس کو مولوی صاحب نے باقی پانچ حدیثوں سے بہت مضبوط لکھا ہے[2] اس حدیث کو بخاری نے حفص[ع] بن عمر بن حارث حوضی سے اونھوں نے شعبہ سے اونھوں نے انس سے روایت کی ہے۔ انس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ اور ابوبکر اور عمر اور عثمان

[ع] جواب[۱] حفص بن عمر حدیث بیان کرنے پر مزدوری لیا کرتے تھے (تقریب) اور یہ فعل حرام ہے کیونکہ علم دین کی تعلیم پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور شعبہ[۲] ابوبکر بن عیاش کو محمد بن عبداللہ بن نمیر نے غیر معتبر کہا ہے اور ابو نعیم کہتے ہیں کہ محدثوں میں ان سے بڑھکر غلط گو کوئی دوسرا نہ تھا اور احمد کہتے ہیں کہ غلطی بہت کرتے تھے۔ اور یحیی انکی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور جب ان کا ذکر سنتے تھے تو (نفرت سے) اونکے چہرے

حاشیہ: بخاری نے عمداً جہر کی حدیثیں نقل نہیں کیں — اخفات کی حدیثیں ابو حنیفہ کے موافق تھیں اور جہر کی حدیثیں [illegible]

[1] احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۹ سطر ۱۲

[2] احکام القنطرہ صفحہ ۲۵۰ سطر ۱۲

پڑھتے ہوئے سُنا تو کہا کہ اے فرزند تم نئی بات پیدا کرتے ہو۔ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اور ابوبکر اور عمر اور عثمان کے پیچھے نماز پڑھی انمیں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سُنا۔ جب تم نماز پڑھا کرو تو پڑھا کرو الحمد للہ رب العالمین [۱] ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسنہ ہے اور اکثر اہل علم نے اس پر عمل کیا ہے اور سفیان ثوری اور ابن مبارک اور احمد او اسحاق نے مطابق اس حدیث کے بسم اللہ کو آہستہ پڑھنے کا فتوے دیا ہے اور عبداللہ بن مغفل کے بیٹوں یعنی یزید اور زیاد اور محمد سے احمد اور نسائی اور ابن حبان نے حدیثیں لی ہیں۔ باوجودیکہ ان میں سے کوئی بھی ناپسندیدہ حدیث نقل نہیں کرتا [۲] تیسری حدیث مسلم نے

(بقیہ حاشیہ صـ۷۵) یزید بن عبداللہ بن مغفل پر ہے اور اوس کا اعتبار معلوم نہیں ہے اور مولوی صاحب کا یہ جواب کہ اس حدیث کو احمد اور طبرانی اور ابوسفیان تین شخصوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ جہر کی حدیثوں کے متعلق وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ چودہ صحابی اوس کے راوی ہیں۔ لیکن جواب میں کہتے ہیں کہ راویوں کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے [۳] پس جبکہ ایک مضمون کے چودہ راوی ہوں وہ بھی سب کے سب صحابہ جو ان لوگوں کے نزدیک معتبر اور کلہم عدول میں داخل ہوں۔ اور باقی راوی بھی اوس کے بے اعتبار نہ ہوں۔ باوجود اسکے وہ حدیثیں انکے نزدیک بے اعتبار ہوں اور راویوں کی کثرت لائق توجہ نہ ہو۔ تو اوس حدیث کو چند عالموں کا اپنی کتابوں میں نقل کر لینا کب لائق توجہ و اعتبار ہو سکتا ہے جس کا راوی ایک ہی ہو وہ بھی غیر معتبر۔ رہ گیا عبداللہ بن مغفل کے بیٹوں سے احمد وغیرہ کا حدیث لینا تو وہ بھی توجہ کے لائق نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ انلوگوں کی کتابیں نواصب اور خوارج اور جھوٹھوں اور حدیث سازوں کی حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں۔ دیکھو اسی بحث کے ابتداء میں حدیث ساز اور نواصب وخوارج کی فہرست جو میں لکھ آیا ہوں اور سیر کرو میزان الاعتدال ذہبی ولسان المیزان عسقلانی کی جواب [۲] یزید بن عبداللہ بن مغفل نے اسی حدیث کے بیان میں غلط گوئی کی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اصل بسم اللہ کو پڑھنے ہی سے ممانعت کو بیان کیا ہے۔ اور بروایت عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و بیہقی اس طرح بیان کیا ہے کہ میرے باپ نے کہا کہ میں نے حضرت رسولؐ و ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نماز پڑھی لیکن انمیں سے کسی کو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے نہیں سُنا [۴] پس جبکہ ایک ہی راوی وہ بھی ایسا جس کا اعتبار معلوم نہ ہو ایک ہی حدیث میں غلط گوئی کرے تو ایسی حدیث کیونکر لائق توجہ سمجھی جا سکتی ہے۔ جواب [۳] جب حدیث اصل پڑھنے ہی کو منع کر رہی ہے تو آہستہ پڑھنے کی دلیل کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ اس کو محل بحث سے کوئی تعلق ہی باقی نہ رہا۔ پھر مولوی صاحب کس دانائی سے آہستہ پڑھنے کی دلیل قرار دے رہے ہیں ۱۲

[۱] احکام القنطرہ صـ۲۵۲
[۲] احکام القنطرہ صـ۲۵۲ ۱۲
[۳] احکام القنطرہ صـ۲۶۰ ۱۲
[۴] در منثور جلد ۱ صـ۱۱ و کنز العمال جلد ۴ ذکر صلوٰۃ صـ۲۱۰ ۱۲

بدیل بن میسرہ سے اونھوں نے ابوالجوزاء سے اونھوں نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ نماز کو تکبیر اور الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے۔ چوتھی حدیث ابوبکر رازی نے ابوالحسن کرخی سے اونھوں نے محمد بن عبداللہ حضرمی سے اونھوں نے محمد بن علاء سے اونھوں نے معاویہ بن ہشام سے اونھوں نے محمد بن جابر سے اونھوں نے حماد سے اونھوں نے ابراہیم سے اونھوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ نہ تو حضرت سرورعالم نے واجب نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھا اور نہ ابوبکر اور عمر نے پانچویں حدیث ابن ابی شیبہ نے ہشیم سے اونھوں نے سعید بن مرزبان سے اونھوں نے ابووائل سے اونھوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

احکام القنطرہ ۲۵۳

احکام القنطرہ ۲۵۴

ع جواب ۱ اس حدیث کو مقام بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث اس امر کو بتاتی ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ بسم اللہ پڑھتے ہی تھے ۲۔ بخاری کہتے ہیں کہ یحیٰی بن سعید نے کہا کہ ابوالجوزا کی سند میں تامل ہے اور لوگوں نے انکے حق میں اختلاف کیا ہے (میزان الاعتدال) اور ابن عدی کہتے ہیں کہ عمرو بن مالک نے تقریباً دس حدیثیں ان سے نقل کی ہیں اونمیں سے ایک بھی محفوظ (یعنی درست) نہیں ہے (احکام القنطرہ ص ۲۵۴) ابوالجوزا نے باوجودیکہ عائشہ اور صحابہ کو نہیں دیکھا اور اون سے حدیثیں نہیں سنیں پھر بھی اونکی طرف حدیثوں کو نسبت دیکر بیان کرتے ہیں (احکام القنطرہ ص ۲۵۴) اور یہ تدلیس اور خیانت ہے اور علامہ عبدالغنی لکھتے ہیں کہ تدلیس اسناد یہ ہے کہ جس سے ملاقات رکھتا ہو یا اوسکے زمانہ میں ہو اور اوسکی طرف نسبت دیکر ایسی حدیث بیان کرے جس کو اوس سے نہ سنا ہو اور اس قسم کی تدلیس نہایت درجہ ناپسند ہے اور ایسی تدلیس کرنے والا برا ہے اکثر علمار کے نزدیک اور مجروح ہے اور اوسکی حدیث مقبول نہیں ہے (قرۃ العین فی ضبط اسمار رجال الصحیحین ص ۱۳ چھاپہ دکن) ۱۲ ع جواب مولوی صاحب خود لکھتے ہیں کہ محمد بن جابر کے حق میں بہت سے ائمہ نے کلام کیا ہے یعنی اونکو بے اعتبار سمجھا ہے اور ابراہیم نے ابن مسعود کو نہیں دیکھا تھا۔ اس واسطے یہ حدیث غیر معتبر اور مقطوع السند ہے۔ **لیکن** دوسری حدیثوں کی مؤید ہوسکتی ہے **جواب** اس کا یہ ہے کہ مؤید اوس وقت ہوتی ہے جبکہ کوئی حدیث اس کے علاوہ معتبر ہوتی حالانکہ ایک حدیث بھی اس بارے میں معتبر نہیں ہے

س جواب ۱ عبداللہ بن مسعود معصوم نہ تھے اور غیر معصوم کا فعل حجت نہیں ہے ۲۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ابووائل عجیب حدیثیں روایت کرتا ہے گویا کہ وہ حدیثیں بنائی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسکی حدیثیں ثبوت میں نہیں لائی جاتیں اور یہ ابووائل وہ نہیں ہے جن کا نام عبداللہ بن رسان تھا وہ معتبر تھے (میزان الاعتدال) اسمیں اس امر کیطرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ابووائل غیر معتبر ہے۔ اور سعید بن مرزبان کو ابن معین نے کہا ہے کہ انکی حدیثیں نہ

کے پیچھے نماز پڑھی ہیں ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا ۱ دوسری حدیث ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور بیہقی کی ہے۔ ابو نعامہ قیس بن عبایہ سے وہ بیان کرتے ہیں کہ (یزید عہ) بن عبد اللہ بن مغفل نے کہا کہ مجھکو میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴) کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور ابن معین کہتے ہیں کہ غلطی بہت کرتے تھے۔ اور یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ شعبہ میرے سامنے ہوں تو میں اون سے کوئی حدیث نہ پوچھونگا۔ اور محمد بن عیسےٰ کہتے ہیں کہ شعبہ شریک کے پاس آئے اور اپنے حق میں اونکو بے توقیری کرتے دیکھا تو کہا کہ میں جبار ہونے سے خدا سے پناہ چاہتا ہوں تو شریک نے کہا کہ میں گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ درزی اس قدر احمق ہے۔ اور عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ حدیث بیان کرنے میں بہت زیادہ جلدی کرنے والا شعبہ سے بڑھکر کسی کو نہ دیکھا ۱ جواب ۱ انہیں غلط گوئیوں اور جلدی بازیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ایک حدیث کو شعبہ نے سات طرح سے بیان کیا ہے ۱ حضرت سرور عالم وغیرہ قرائت کو بسم اللہ سے شروع نہیں کرتے تھے ۲ انمیں سے کسی کو میں نے بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا ۳ یہ لوگ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے ۴ انمیں سے کسی کو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا ۵ یہ لوگ بلند آواز سے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے ۶ یہ سب لوگ بسم اللہ کو آہستہ پڑھا کرتے تھے ۷ قرائت کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے اور معلوم ہے کہ جس حدیث میں ایک راوی اس قدر اختلاف بیانی اور غلط گوئی کرے وہ دو کوڑی قیمت نہیں رکھتی جواب ۳ تعجب ہے کہ جس حدیث میں بسم اللہ کو نہ پڑھنا چار مضمون میں بیان کیا گیا جسکو بقول مولوی صاحب کے خطیب نے صحیح کہا ہے اور انس کا واضح بیان قرار دیا ہے۔ آہستہ پڑھنا تین مضمون میں وہ بھی ایک میں نہ سننے کو بیان کیا ہے اور ایک میں الٹی تعبیر یعنی لا جہر ون سے ایسی حدیث کو مولوی صاحب اپنی قوی دلیل قرار دے رہے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ جن حدیثوں میں بسم اللہ نہ پڑھنے کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے مولوی صاحب ان حدیثوں سے آہستہ پڑھنا مراد لیتے ہیں جس کو فہم سلیم قبول نہیں کرسکتا کیونکہ اگر ایسی توجیہ صحیح سمجھی جائے تو اہل دنیا کی ظاہر باتیں بیکار ٹھہریں اور نظم عالم میں خلل پڑجائے اور ہر کلام کی توجیہ ہر اوس معنی کی طرف کی جاسکے جو بولنے والوں کے خیال میں بھی نہ ہو۔ اگر ظاہر باتوں کو اس طرح پھیرنا صحیح ہو تو کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ ابو حنیفہ کی غرض آہستہ پڑھنے سے یہ ہے کہ بلند آواز سے پڑھو لیکن بہت چیخکر نہ پڑھو ۱۲ عہ جواب ۴ خود مولوی صاحب نے اپنے امام نووی کا کلام نقل کیا ہے کہ حفاظ حدیث نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ترمذی کے حسنہ کہنے کو ناپسند کیا ہے۔ اور پسند نہ کرنے والوں میں سے ابن خزیمہ اور ابن عبد البر اور خطیب وغیرہ ہیں اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ اس حدیث کا دار و مدار

۵۱ احکام القنطرہ صفحہ ۲۴۲ ۱۲

۵۹ میزان الاعتدال ذکر شعبہ جلد ۱

تفسیر ظاہری - حدیث ۱؎ صدوق علیہ الرحمہ نے بسند متصل محمد بن زیاد اور محمد بن سیار سے
روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر
میں ارشاد فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں اور سختیوں میں اوس وقت رجوع
کرتے ہیں جب اوس کے سوا سب کی طرف سے مایوسی ہو جاتی ہے اور کل ذریعے قطع ہو جاتے
ہیں۔ تم جو بسم اللہ کہتے ہو اوس کا معنی یہ ہے کہ میں مدد چاہتا ہوں اپنے کل کاموں میں اوس
پروردگار سے جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اور وہی مدد کرتا ہے فریاد
کے وقت اور قبول کرتا ہے دعا کرنے کے وقت اور اسی مطلب کو (میرے جد امجد) حضرت امام
جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا اوس شخص سے جس نے عرض کیا تھا کہ اے فرزند
رسول اللہؐ خدا کے موجود ہونے پر آپ کوئی دلیل ارشاد فرمائیں کیونکہ بہت سے لوگوں نے
مجھ سے کج بحثیاں کی ہیں اور مجھ کو تنگ کر رکھا ہے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے بندۂ
خدا کبھی کشتی میں سوار ہوئے ہو، کہا ہاں، فرمایا کبھی کشتی ایسی حالت میں بھی ٹوٹی ہے
جب کہ دوسری کشتی موجود نہ رہی ہو اور تم کو پیرنا بھی نہ آتا رہا ہو جس سے تمہاری جان
بچ سکے، کہا ہاں، فرمایا اس صورت میں تمہارے دل میں یہ بات گذری کہ کوئی ہستی ایسی
ضرور ہے جو نجات دینے پر قدرت رکھتی ہے، کہا ہاں، تو حضرتؑ نے فرمایا کہ وہی ہستی خدا
ہے جو ایسے وقت نجات دیتا ہے جب کوئی نجات دینے والا نہ ہو اور فریاد کو پہونچتا ہے
جبکہ کوئی فریاد سُننے والا نہ ہو ۔ ۲؎ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں کسی نے
عرض کیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا معنی ارشاد فرمائیں، فرمایا کہ لفظ اللہ خدا کے ناموں میں بہت
بڑا نام ہے یہ وہی لفظ ہے جس سے کسی دوسرے کا نام نہیں رکھنا چاہئے اور نہ کسی مخلوق کا
نام رکھا گیا ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ لفظ اللہ کی تفسیر ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ اللہ وہ ذات
(مقدس) ہے جسکی طرف ہر مخلوق اپنی حاجتوں اور سختیوں کے وقت رجوع کرتی ہے جب
اوس کے سوا سب کی طرف سے مایوس ہو جاتی ہے اور کل ذریعے قطع ہو جاتے ہیں۔ ارشاد
فرماتے ہیں کہ (دیکھو) ہر وہ شخص جو دنیا سے بہت محبت رکھتا ہے اور اوسمیں بڑائی کرتا ہے
کتنا ہی مالدار ہو جائے اور سرکشی اوسکی بڑھ جائے اور حاجتمند کثرت سے اپنی حاجتیں
اوس کے پاس لیجائیں (لیکن کچھ حاجتمندوں کی حاجتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو وہ پورا نہیں
کرسکتا اور مجبوراً اوس کو اس ضرورت اور حاجت کے وقت خدا ہی کیطرف توجہ کرنی پڑتی ہے

۵؎ تفسیر برہان جلد ۱ چھاپہ ایران ۱۲

اور جب خواہش پوری ہو جاتی ہے تو پھر اپنے شرک کیطرف پلٹ جاتا ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قُلْ اَرَاَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِکُوْنَ یعنی کہو اے (محمدؐ) کہ تم لوگوں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ جب خدا کا عذاب یا سختی کا وقت آتا ہے تو کیا خدا کے سوا کسی دوسرے کو پکارتے ہو اگر سچے ہو تو ٹھیک بتاؤ۔ بلکہ خدا ہی کو پکارتے ہو پس اگر چاہتا ہے تو جس مشکل کے لئے اوس کو پکارتے ہو اوس کو دفع کر دیتا ہے۔ اور تم ایسے وقت میں اوس کو بھول جاتے ہو جس کو (خدائی میں) خدا کا شریک مانتے تھے۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں سے ارشاد فرمایا ہے کہ اے وہ لوگ جو میری رحمت کے محتاج ہو میں نے ہر حال میں تم کو اپنا محتاج بنا رکھا ہے اور ہر زمانہ میں تم کو اپنے آگے سر جھکانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ پس جس کام کو شروع کرو اور چاہو کہ پورا ہو جائے اور اپنی آخری حد تک پہونچ جائے تو میری طرف توجہ کرو۔ کیونکہ اگر میں تم کو دینا چاہوں تو کوئی دوسرا روک نہیں سکتا اور اگر نہ دینا چاہوں تو کوئی دوسرا دے نہیں سکتا۔ پس میں ہی حقدار ہوں اس کا کہ مجھ سے مانگا جائے اور لوگ میرے آگے تضرع و زاری کریں اور گڑگڑائیں۔ پس جب کوئی چھوٹا یا بڑا کام کرنا چاہو تو بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم پڑھو

ع؎ ہر کام کے شروع میں بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم پڑھنے کی کئی حدیثوں میں تاکید کیگئی ہے اور بعض حدیثوں میں سے ایک فرمائش حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بعض شیعے جو کام شروع کرنے کے وقت بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تو خدا اونکو ناپسند باتوں میں دو غرض سے بتلا کر دیتا ہے ایک تو یہ کہ اونکو آگاہ کر دے کہ (کاموں کو شروع کرتے وقت) خدا کا شکر اور اوسکی تعریف کو نہ چھوڑیں۔ دوسرے یہ کہ بسم اللّٰہ چھوڑنے کا عیب اون سے دفع ہو جائے (اور یہ تکلیف اوس کا کفارہ ہو جائے) حضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ عبداللّٰہ بن یحیےٰ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپکے سامنے کرسی تھی آپ نے اونکو بیٹھنے کی اجازت دی وہ بیٹھے پس کرسی جھکی اور وہ منہ کے بھل گر گئے اور سر زخمی ہو گیا اور خون جاری ہوا پس حضرتؑ نے پانی منگایا اور خون دھویا گیا اور فرمایا کہ میرے نزدیک آجاؤ وہ آئے حضرتؑ نے زخم پر ہاتھ رکھا جسکی تکلیف سے وہ بیچین تھے۔ اور ہاتھ پھیرا اور لعاب دہن لگا دیا وہ زخم اس طرح اچھا ہو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے عبداللّٰہ اوس خدا کا شکر ہے جس نے ہمارے شیعوں کے گناہوں کا کفارہ

(جس کا معنی یہ ہے) کہ میں مدد چاہتا ہوں اس کام میں ایسی مقدس ذات سے جس کے سوا کوئی دوسرا اس کا حق نہیں رکھتا کہ اوسکی عبادت کی جائے۔ وہی ہے کہ جب دعا کی جاتی ہے تو قبول کرتا ہے اور جب فریاد کی جاتی ہے تو مدد کرتا ہے (حضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ) الرحمن کا معنی یہ ہے کہ خداوند عالم اپنے کل بندوں پر رحم کرتا ہے اون پر رزق پھیلا کر۔ اور الرحیم کا معنی یہ ہے کہ وہ رحم کرتا ہے خاص ہم مومنوں پر ہمارے دین اور دنیا اور آخرت کے امور میں اوس نے دین کو ہم پر سہل و آسان کیا اور ہم کو ہمارے دشمنوں سے جدا کر دیا۔ حضرتؑ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی امر تردد میں ڈال دے اور پریشانیاں اوس کو گھیر لیں اور وہ خاص خدا کی خوشی کے لئے پوری توجہ سے اوس مالک سے دل لگا کر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے تو دو باتوں میں سے ایک بات ضرور حاصل ہو گی۔ یا تو دنیا ہی میں اوسکی حاجت پوری ہو جائیگی یا اس پڑھنے کا ثواب خدا کی بارگاہ میں اوسکے آخرت کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) اور دفعیہ دنیا ہی میں قرار دے رکھا ہے تاکہ اونکی عبادتیں اونکے لئے محفوظ اور بے داغ رہیں اور وہ اونکا ثواب پائیں۔ عبد اللہ نے عرض کیا کہ کیا ہم لوگوں کے گناہوں کا بدلا دنیا ہی میں ہو جاتا ہے۔ فرمایا ہاں۔ کیا تم نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ کی فرمائش نہیں سنی ہے کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے بہشت ہے۔ خداوند عالم ہمارے شیعوں کو گناہوں سے دو طرح سے پاک کر دیتا ہے ایک تکلیفوں میں مبتلا کر کے دوسرے بخشکر کے اور ارشاد فرماتا ہے کہ مَا اَصَابَكُم مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ یعنی جو کچھ مصیبتیں تمکو پہونچیں اونکا سبب تمہاری بداعمالیاں ہیں وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ اور خدا بہت سے گناہوں کو بخشدیتا ہے تاکہ وہ جب قیامت میں آئیں تو اونکی عبادتیں اونکے نامۂ اعمال میں پوری مقدار سے موجود رہیں۔ اور ہمارے دشمنوں کے اعمال کا اگرچہ کوئی وزن نہیں ہوتا کیونکہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے لیکن (اس بنا پر کہ وہ اون اعمال کو عمل خیر سمجھتے ہیں) اونکا بدلا اونکو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے تاکہ جب وہ قیامت میں آئیں تو اونکے گناہ اور وہ عداوت جو محمدؐ اور آل محمد علیہم الصلوۃ والسلام اور اونکے نیکوکار دوستوں سے رکھتے تھے اون پر لادوی جائے اور جہنم میں ڈال دیئے جائیں۔ عبد اللہ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنینؑ آپنے فائدہ پہونچایا اور تعلیم فرمایا پس اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے اوس گناہ کو بھی ارشاد فرمادیں جسکی وجہ سے میں اس جگہ مبتلا ہوا تاکہ اوس کام کو پھر نہ کروں۔ فرمایا بیٹھنے کے وقت تمہارا بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھنا۔ چونکہ تم کو اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور تم نے چھوڑ دیا۔ اس واسطے خدا نے اس کوتاہی کی بدی کو دفع کرنے کے لئے تم کو تکلیف میں جلد مبتلا کر دیا (آخر فرمائش میں حضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں) کہ بندگانِ خدا جب کچھ پڑھنا چاہیں یا کوئی کام کرنا چاہیں تو چاہیئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لیا کریں جس کام میں بسم اللہ پڑھا جاتا ہے اوس میں برکت ہوتی ہے (تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۹ چھاپہ ایران ۱۲)

حدیث میں ہے کہ ہم بستری کے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے سے شیطان کی شرکت نہیں ہوتی ۱۲

وغیرہ کیا جائیگا اور مومنوں کے لئے وہی بہتر ہے جو خدا کی بارگاہ میں ذخیرہ رہے ۔ ۱؎

باطنی حدیث

۲؎ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ب سے خدا کی بہا یعنی عظمت اور بزرگی مقصود ہے اور س سے اوس کے مرتبہ کی رفعت اور بلندی اور م سے اوس کا ملک اور لفظ اللہ سے سب کا معبود اور الرحمن سے کل مخلوقات پر رحم کرنے والا اور الرحیم سے خاص مومنوں پر رحم کرنے والا ہے ۔ ۲؎ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے لفظ اللہ کی تفسیر پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ الف سے مقصود آلاء یعنی خدا کی نعمتیں ہیں اوس کے بندوں پر اور وہ نعمتیں ہم محمدؐ و آل محمدؐ کی ولایت و امامت یعنی پیشوائی ہے ۔ اور لام سے مقصود لازم اور واجب کردینا ہے خدا کا اپنے بندوں پر ہم لوگوں کی ولایت اور امامت کے اعتقاد اور اقرار کو ۔ اور ہ سے مقصود ھَوَانٌ یعنی ذلت اور خواری ہے محمدؐ و آل محمد صلے اللہ علیہم اجمعین کے مخالفوں کے لئے ۔ اور الرحمن سے مقصود اوسکی رحمت ہے کل دنیا پر اور الرحیم سے مقصود اوسکی رحمت ہے خاص مومنوں پر ۔ ۳؎

اصول دین

ہشام بن حکم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ لفظ اللہ کس چیز سے نکالا گیا ہے فرمایا اَلَہَ سے (جس کا معنی عبادت کیا ہے ۔) اور اَلَہَ چاہتا ہے کہ کوئی مالوہ موجود ہو (یعنی عبادت چاہتی ہے کہ کوئی مالوہ یعنی معبود موجود ہو جسکی عبادت کی جائے) اور نام غیر ہوتا ہے اوس ذات کا جس کا یہ نام ہے (کیونکہ نام لفظ ہوتا ہے اور ذات معنی اور یہ دونوں جدا جدا دو چیزیں ہیں) پس اگر کوئی شخص صرف لفظ اللہ کی عبادت کرے تو وہ کافر ہوا (کیونکہ ذات پروردگار کو چھوڑ دیا) اور کسی کی عبادت نہ کی اور جس نے لفظ اللہ اور اوسکے معنی یعنی ذات مقدس پروردگار دونوں کی عبادت کی وہ مشرک ہوا (کیونکہ عبادت میں ذات مقدس پروردگار کے ساتھ اوسکے غیر یعنی لفظ اللہ کو شریک کرلیا) اور دونوں کی عبادت کی ۔ اور جس نے صرف معنی یعنی ذات پروردگار کی عبادت کی وہی موحّد ہے ۔ کیوں ہشام سمجھ گئے ۔ ہشام نے عرض کیا کہ کچھ اور توضیح سے ارشاد ہو ۔ فرمایا (سنو) خدا کے ننانوے نام ہیں ۔ پس اگر نام اور ذات دونوں ایک چیز ہو تو چاہئے کہ ہر نام خدا ہو جائے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ذات پروردگار ایک ہے ۔ جسکی طرف ان ناموں سے اشارہ کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے اوس کو بتاتے ہیں اور

۱؎ تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۶
۲؎ تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۶
۳؎ تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۸

یہ کل نام اوسکی ذات سے جدا ہیں۔ دیکھو ہشام خُبز یعنی روٹی نام ہے اوس چیز کا
جو کھائی جاتی ہے۔ اور ماء یعنی پانی نام ہے اوس کا جو پیا جاتا ہے اور ثوب یعنی
کپڑا نام ہے اوس کا جو پہنا جاتا ہے اور نار یعنی آگ نام ہے اوس کا جو جلاتی ہے[۱]
ناچیز مفسّر عرض کرتا ہے کہ تفسیر میں جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئیں اونمیں تھوڑا غور کرنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند حکیم نے اس آیہ وافی ہدایہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اصول
دین اور فروع دین اور اخلاق سب کی طرف نہایت لطیف و نفیس اشارہ رکھا ہے۔
بیان اوس کا یہ ہے کہ لفظ اللہ کو اوس نے اپنی ذات اقدس کے لئے نام تجویز کیا۔
اور اس لفظ کو ا۔ ل۔ ہ سے مرکب کیا جس کا ظاہری معنی عبادت ہے اور عبادت کا
معنی توحید یعنی اعتقاد وحدانیت اور خضوع و تذلل یعنی فروتنی اور خاکساری اور
اطاعت یعنی فرماں برداری اور عبادت ہے[۲] اور عبادت کی تفصیل محقق طوسی علیہ الرحمہ
یوں فرماتے ہیں کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں ایک[۱] وہ جو بدن پر واجب ہے۔ جیسے نماز روزہ
حج وغیرہ۔ دوسرے[۲] وہ جو اعتقاد سے تعلق رکھتی ہے جیسے اعتقاد وحدانیت وغیرہ۔
تیسرے[۳] وہ جو آپس کے معاملات اور برتاؤ اور سلوک سے تعلق رکھتی ہے جیسے لین دین
خرید فروخت۔ شادی بیاہ اور آپس کی ہمدردی اور بہی خواہی اور اعانت و مدد اور دشمنوں
کو دفع کرنا اور دین اسلام اور مسلمانوں کی حمایت اور طرفداری کرنا وغیرہ[۳] اس تفصیل
میں خواجہ علیہ الرحمہ نے اجمالی طور سے اصول دین اور فروع دین اور اخلاق سب کو جمع
کردیا ہے۔ جنکی طرف لوگوں نے تین لفظوں یعنی توحید اور خضوع و تذلل اور اطاعت
سے۔ اور خداوند حکیم نے صرف ایک لفظ یعنی اللہ سے اشارہ کیا ہے۔ اور عدالت اور
انصاف یہ چاہتا ہے کہ جب اوس نے اپنے بندوں سے اطاعت و فرماں برداری چاہی
ہے تو چاہیئے کہ اپنے احکام اونکو تعلیم کردے اور صحیح معلم تجویز کردے جو اوس کے واقعی
مطلوبات کو جانتے ہوں اور تینوں طرح کی عبادتیں اونکو تعلیم کردیں تاکہ اوسکی حجت
تمام ہو جائے اور طلب مجہول یعنی نامعلوم امر کو بجالانے کی خواہش کرنے اور تکلیف
مالایطاق یعنی غیر مقدور کو انجام دینے کا حکم کرنے کی برائی اوس ذات اقدس پر لازم
نہ آئے اور بندے راہ سے نہ بہکیں۔ اس واسطے اوس نے ایسے معلم بھی تجویز کردیئے
جن کا نام نبی اور وصی ہے۔ جن کی طرف اوس حکیم علی الاطلاق نے لفظ اللہ کے باطنی

معنی سے اس طرح اشارہ کیا کہ الف سے اونکے منصب اور تجویز و تقرر کیطرف اشارہ کیا۔ اور ل سے اونکی اطاعت کے لزوم و وجوب کیطرف۔ اور ہ سے اوس سزا کی طرف جو ان کی مخالفت پر قرار دے رکھا ہے لہٰ پس لفظ اللہ سے اپنی ذات کو بھجوایا اور اوسکے ظاہری معانی سے اپنی توحید اور استحقاق اطاعت و فرمان داری اور اقسام احکام اجمالی کو بیان کیا اور انبیاء و اوصیاء کو مقرر کر کے اپنی عدالت کو ثابت کر دیا۔ اور اوس کے باطنی معنی سے انبیاء اور اوصیاء کے تقرر اور اونکی اطاعت و فرمان برداری کے وجوب کو بیان کر کے رسالت اور امامت کو ظاہر کر دیا۔ اور اونکی مخالفت کو جو بعینہ اوسی کی مخالفت ہے سزا و عذاب کا سبب بتایا۔ اور الرحمن سے اس امر کو ظاہر کیا کہ منعم صرف اوسی کی ذات اقدس ہے اور ادائے شکر نعمت عقلاً واجب ہے لہذا اسلئے عام مخلوقات پر اوس کے حقوق کو پہچاننا اور اون سے سبکدوشی حاصل کرنا یعنی اوسکی اطاعت و فرمان برداری کرنا واجب ہے اور مخالفین محمد و آل محمد کی سزا کی طرف لفظ اللہ کے حرف ہ سے اشارہ کر کے اور مومنوں یعنی اپنے مطیع اور فرمان برداروں کے لئے رحمت خاص اور نعمات آخرت کو لفظ الرحیم سے بیان کر کے معاملۂ قیامت کو ظاہر کر دیا۔ معصوم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کچھ (اصول و ارکان و احکام اسلام) قرآن میں تفصیلاً ذکر کئے گئے ہیں وہ سورہ الحمد میں باختصار ہیں اور جو کچھ سورہ الحمد میں (باختصار) ہیں وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں باشارہ ہیں اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے یعنی معرفت عظمت پروردگار میں ہے (اور چونکہ ب ت اور ث سے نقطہ سے پہچانتے ہیں اسلئے اصل نقطہ ہی ٹھہرا) پس وہ سب چیزیں درحقیقت نقطہ میں ہیں اور نقطہ اس کا میں ہوں (یعنی معرفت عظمت پروردگار مجھ میں ایسی ہے کہ لو کشف الغطاء لما ازددت یقینا یعنی اگر آنکھوں سے پردہ اوٹھا دیا جائے جب بھی میرا یقین بڑھ نہیں سکتا۔

فقہی احکام | چونکہ بسم اللہ کا جزو قرآن ہونا ثابت ہو گیا اس لئے جس قدر احکام قرآن کے لئے ثابت ہیں وہ کل بسم اللہ کے لئے بھی ثابت ہیں جیسے ۱ جنب اور حائض اور بے طہارت شخص کا اس کو چھونا جائز نہیں ہے نہ اس کے حرف کو نہ نقطہ کو نہ زیر یا زبر یا پیش یا جزم یا مد یا تشدید کو ۲ جنب اور حائض کے لئے ایسے کاغذ کو اوٹھانا مکروہ ہے جس پر بسم اللہ لکھا ہوا ہو ۳ جنب اور حائض کے لئے اس کو سات مرتبہ سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے اور ستر مرتبہ سے زیادہ پڑھنا کراہت شدیدہ رکھتا ہے ۴ جنب اور حائض کو سجدہ والے سوروں کے بسم اللہ کا ایک حرف پڑھنا بھی جائز نہیں ہے ۵ بسم اللہ کو نجس چیز روشنائی یا خون یا شراب وغیرہ سے لکھنا جیسا کہ بعض عامل کرتے ہیں یا ۶ نجس چیز پر لکھنا یا ۷ کوڑے پر پھینک دینا حرام ہے بلکہ ۸ توہین کے ارادہ سے پھینک دینا کفر کا سبب ہے۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مدد۔ بزرگ۔ خدا۔ رحم کرنے والا سب پر رحم کرنیوالا خاص مؤمنو پر۔ سب تعریفیں واسطے۔ خدا۔ پالنے والا۔ کل جہان

(ذکر کرتا ہوں) خدائے بزرگ کی مدد سے جو سب پر اور خاص مؤمنو پر رحم کرنیوالا ہے ہر طرح کی تعریف خدا ہی کیلئے ہے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے

اعراب "با" حرف جار متعلق فعل کے جو قبل اس کے پوشیدہ ہے۔ اسم مضاف۔ لفظ "اللہ" مضاف الیہ وموصوف۔ رحمن پہلی صفت۔ رحیم دوسری صفت۔ الحمد مبتدا۔ لام حرف جر متعلق لفظ ثابت کے جو خبر اور اس کے قبل پوشیدہ ہے۔ لفظ اللہ موصوف یا مبدل منہ۔ رب مضاف اور صفت یا بدل۔ عالمین مضاف الیہ۔ **لغت** الفاظ بسم اللہ کے معانی تفصیل سے گذر چکے۔ اور الحمد کے لام کو بعض نے استغراق کیلئے کہا ہے اور بعض نے ماہیت اور حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے۔ پہلے کلام سے مقصود یہ ہے کہ حمد کی کل فردوں کا مالک اور مستحق صرف ذاتِ پروردگار ہے۔ اور دوسرے کلام سے مقصود یہ ہے کہ ماہیت اور حقیقتِ حمد کا مستحق اور مالک صرف خدا ہے۔ اور حاصل دونوں کا یہ ہے کہ لفظ حمد سے تعریف کرنے کا مستحق وہی ہے۔ کیونکہ اس لفظ سے مدح و تعریف کے لائق وہی سمجھا گیا ہے جو حقیقی منعم ہو اور حقیقی منعم اُس ذاتِ اقدس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ خواہ تعریف کے وقت اُسکی نعمتیں ملحوظ ہوں یا نہوں۔ اور حمد کا معنی ممدوح کی تعظیم اور احترام کی غرض سے اُسکی عظمت و جلالت اور صفات کمال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اوس کی اچھی صفتوں کو ذکر کرنا ہے۔ خواہ یہ ذکر اوس کی نعمتوں کے خیال سے ہو یا بغیر اس خیال کے۔ حمد اور مدح اور شکریہ یہ تینوں لفظ معنی میں ایک دوسرے سے نزدیک ہیں۔ اور ان میں آپس میں فرق یہ ہے کہ حمد مذمت کی نقیض[1] ہے اور اوس کے مقابل میں بولا جاتا اور زیادہ تر نعمتِ پروردگار کے شکریہ کے مقام میں استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی بغیر نعمت کے بھی۔ اور مدح ہجو کی نقیض ہے اور اوس کے مقابل میں بولا جاتا ہے اور اس سے ممدوح کی بندگی کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور شکر کفران[2] نعمت اور احسان فراموشی کی نقیض ہے اور اوسکے مقابل ہیں بولا جاتا ہے۔ اور یہ خاص ہے نعمت کے ساتھ یعنی غیر نعمت کے وقت کی تعریف شکریہ نہیں

۱ یعنی مخالف۔ ۲ یعنی نعمت کو چھپانا یا انکار کرنا۔ ۱۲

کہی جاتی۔ اور بعوض اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جملۂ اسمیہ کے اَحْمَدُ اللّٰہَ جملۂ فعلیہ اس وجہ سے نہیں فرمایا
کہ اسم کے معنی میں چونکہ کوئی زمانہ نہیں ہوتا اس لئے جملہ استمرار اور ہمیشگی کو بتاتا ہے۔ اور
فعل کے معنی میں چونکہ زمانہ داخل ہوتا ہے اس لئے وہ حدوث یعنی تازگی کو بتاتا ہے۔

پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا معنی یہ ہے کہ پروردگار عالم ثنا و تعریف کا ہمیشہ مستحق ہے۔ خواہ کوئی تعریف
کرنے والا ہو اور تعریف کرے یا نہ ہو تعریف نہ کرے۔ اور اَحْمَدُ اللّٰہَ کا معنی یہ ہے کہ میں
آج خدا کی تعریف کرتا ہوں اور وہ آج اس کا مستحق ہوا۔ یا آئندہ تعریف کروں گا اور
وہ آئندہ اس کا مستحق ہوگا۔ اور اس کے قبل اوس کو اس کا استحقاق نہ تھا۔ حالانکہ غلط ہے
کیونکہ تعریف کے استحقاق کا سبب صفات کمال ہوتے ہیں اور صفات کمال خود اوسکی
قدیم ذات ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ ہی ثنا و تعریف کا مستحق تھا اور ہے اور رہیگا۔ اور
رب کے معنی ہیں ۱؎ سردار جس کے لوگ فرمانبردار ہوں ۲؎ مالک جیسے رب البیت، گھر کا مالک
۳؎ صاحب جیسے رب الکلام، یعنی صاحبِ کلام ۴؎ مربی یعنی پالنے والا ۵؎ مصلح و متمم
یعنی فاسد کی اصلاح اور ناقص کو پورا کرنیوالا۔ جیسے رب القوم یعنی قوم کی اصلاح کرنیوالا
اور عالمین جمع ہے عالم کی اور عالم خود بھی جمع ہے جس کے لئے اوس کے لفظ سے کوئی
مفرد نہیں ہے۔ اور مقصود اس سے سوا ذاتِ پروردگار کے کل موجود چیزیں ہیں۔
اور ان موجودہ چیزوں کی تین قسمیں ہیں ایک متحیز یعنی لمبائی۔ چوڑائی۔ موٹائی رکھنے والی
چیزیں۔ دوسرے صفت متحیز یعنی عرض جو جسم میں ہو کر پایا جاتا ہے جیسے سیاہی سفیدی
سردی۔ گرمی وغیرہ۔ تیسرے ارواح جو نہ متحیز ہیں نہ صفتِ متحیز۔ اور پہلی قسم (متحیز) اجسام
ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک اجسام علویہ یعنی اوپر کے جسم۔ دوسرے اجسام سفلیہ
یعنی نیچے کے جسم۔ اجسام علویہ میں کل آسمان داخل ہیں اور آفتاب اور ماہتاب اور
ستارے اور عرش اور کرسی اور سدرۃ المنتہی اور لوح اور قلم اور بہشت اور دوزخ وغیرہ
اور اجسام سفلیہ میں بسائط یعنی آگ اور ہوا اور پانی اور مٹی داخل ہیں اور مرکبات
جمادات یعنی زمین اور پہاڑ اور لوہا اور تانبا وغیرہ۔ اور نباتات یعنی گھانس اور درخت
اور حیوانات یعنی کل جاندار مخلوقات۔ اور دوسری قسم (صفت متحیز) کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو

۱؎ اگر معتبر و اطمینان بخش حدیثوں سے ثابت ہو جائے کہ یہ دونوں مجسم ہیں ۱۲ منہ

معہ جو بڑھتی نہ ہوں۔ لہ زمین سے اُگنے والی چیزیں۔ لعہ حس و حرکت ارادی رکھنے والے ۱۲۔

ے جس میں خرابی ہو ے جیسی کمی ہو ے خرابی کو دفع کرنا۔ لعہ یعنی لطیف چیزیں۔
عالم کس کو کہتے ہیں
ے جو کئی چیزوں سے ملکر نہ بنا ہو۔ ے جو متعدد چیزوں سے ملکر بنا ہو۔

پانچوں ظاہری حواس یعنی آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ ہاتھ وغیرہ سے دریافت کیجاتی ہیں جیسے
رنگ۔ آواز۔ بو۔ مزا۔ سردی۔ گرمی۔ سختی۔ نرمی وغیرہ۔ دوسری وہ جو عقل سے دریافت
کیجاتی ہیں۔ جیسے علم۔ سخاوت۔ شجاعت۔ خوش نفسی۔ بدنفسی وغیرہ۔ اور تیسری قسم میں
عقل اور جنات اور ملائکہ اور جانداروں کی روحیں وغیرہ داخل ہیں انھیں موجودات
کو خداوندِ عالم نے لفظِ عالمین سے مراد لیا ہے اور بلفظ جمع تعبیر کیا ہے۔ اور یہ کل چیزیں
ممکن اور محتاج ہونے کی وجہ سے جس طرح اپنے پیدا اور موجود ہونے میں خدا کی طرف
محتاج ہیں اوسی طرح پیدا ہونے کے بعد بلکہ مرنے کے بعد بھی اپنے باقی رہنے میں بھی
خدا کی طرف محتاج ہیں۔ پس ان چیزوں کو پیدا کرنے کے لحاظ سے خداوندِ عالم کو الہ العالمین
کہتے ہیں۔ اور ان کا مالک ہونے اور ان کی ذات اور صفات کی خرابیوں کو درست اور
ان کی حاجتوں کو پورا کرنے اور ان کو باقی رکھنے اور نعمتیں دینے کے لحاظ سے رب العالمین
خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (مریم پ۱۶ آیت ۶۶)۔
یعنی رب ہے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کا۔ اور ممکن ہے کہ
اس آیت میں لفظ سماوات سے اوپر کی کل چیزیں مقصود ہوں جن میں ستارے اور آفتاب و ماہتاب
بھی داخل ہوں۔ کیونکہ لفظِ سماء بلندی کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً طَهُوْرًا۔ یعنی آسمان سے پاک کرنیوالا پانی میں نے برسایا۔ اور آسمان سے مقصود
اوس کی سمت ہے یعنی بلندی۔ اور متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اور
ماہتاب اور ستاروں میں بھی مخلوقات ہیں۔ اور لفظِ عالمین کو جمع لانے کی ایک وجہ یہ
بھی بیان کی گئی ہے کہ ہر قرن کے موجودات کو عالم کہتے ہیں۔ اور قرن کا معنی بعض نے تینتیس
سال کہا ہے اور بعض نے ستر سال اور بعض نے اسی سال اور بعض نے سو سال۔ تفسیر اس آیت
کا تفسیری معنی یہ ہے کہ کل اچھی صفتوں اور اچھی تعریفوں کا خدا ہی حقدار اور مالک ہے۔
جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں۔ اور یہ استحقاق اوس کو اس لئے ہے کہ ہر قسم
کی نعمت دینے پر وہی قدرت رکھتا اور وہی دیتا ہے اور اوسی نے دنیا کو پیدا کیا اور پال رہا ہے
اور اون کی ہر حاجت کو پوری کرتا اور ہر کام کو درست کرتا اور ہر خرابی کو دفع کرتا ہے۔
اور یہ آیت دو باتوں کو بتاتی ہے۔ ایک یہ کہ بندوں پر اوس کی نعمتوں کا شکریہ واجب ہے
کیونکہ ہر جاندار بلکہ غیر جاندار کی فطرت بھی بھلائی کا بدلا کرنے کا حکم دیتی اور عمل کرتی ہے

اور خدا کی بھلائیوں کا بدلا اوس کی نعمتوں کا شکریہ یعنی اوس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا ہے۔ اس واسطے کہ وہ ہمارے احسان کا محتاج نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ الحمد للہ یہ بتارہا ہے کہ زبان سے شکرگزاری کا طریقہ یہ ہے کہ احمد اللہ یا نحمد اللہ نہ کہا جائے بلکہ الحمد للہ کہا جائے جو خدا کے ذاتی کمالات اور ہمیشگی استحقاق کو بتاتا ہے اور پورا بیان اوس کا آگے آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فائدہ لفظ رب خداوندِ عالم کے سوا کسی دوسرے پر بغیر قید کے نہیں بولا جاتا۔ اس واسطے مالکِ مکان کو مثلاً صرف رب نہیں کہہ سکتے بلکہ رب البیت کہیں گے۔ اور یتیم پروروں کو صرف رب نہ کہیں گے بلکہ رب الایتام کہیں گے۔ اور خداوند عالم کی ربوبیت اور پرورش کی توضیح اور بیان میں چند تقریریں بہت مفید ہیں کیونکہ سمجھداروں کے لئے کامل نصیحت اور خداوند عالم کے احسانات اور حقوق کے پہچاننے کا اچھا ذریعہ ہیں اس لئے اون کو ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پہلی تقریر۔ پرورش کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کسی کو اپنے فائدے کیلئے پالتا ہے اگرچہ وہ فائدہ دنیاوی مدح و ثنا یا اخروی اجر و ثواب ہو۔ دوسرے وہ جو خود اوسی کے فائدہ کے لئے پالتا ہے۔ پہلا شخص وہی ہوگا جو فائدہ اوٹھانے کا محتاج ہو اور احتیاج ممکنات کی شان ہے اس لئے پہلی طرح کا پرورش کرنیوالا مخلوق ہی ہوگا نہ خالق۔ اور چونکہ خداوندِ عالم ہر طرح سے مستغنی اور بے نیاز ہے اس لئے اوس کی پرورش دوسروں ہی کے فائدہ کیلئے ہوگی نہ اپنے فائدہ کیلئے۔ پس خداوندِ عالم کی ربوبیت چونکہ بے غرض اور خالص اور بے طمع ہے اس لئے اوس کا احسان خالص اور اوس کے حقوق کل صاحب غرض مربیوں کے حقوق سے بالاتر ہونگے اس واسطے حقیقی رب العالمین وہی ہے۔
دوسری تقریر۔ خدا کے سوا جو مربی ہیں وہ کبھی تو پرستار (یعنی پالے ہوئے) کی ناشکری یا اوس کی ناپسند حالتوں کی وجہ سے غضبناک ہو کر اُس سے نعمتوں کو روک دیتے اور احسان اور بھلائی سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اور کبھی بار بار مانگنے سے جھلا جاتے ہیں اور خداوند عالم اُن لوگوں سے بھی اپنی نعمتوں کو نہیں روکتا جو اُس کے موجود ہونے سے انکار اور اوس کی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں۔ اور بار بار مانگنے سے بعوض غصہ کرنے کے خوش ہوتا اور اسکو پسند کرتا ہے یہاں تک کہ معصوم ارشاد فرماتے ہیں کہ داد اے واجبات کے بعد

خدا کی ربوبیت کی تفصیل و بیان

کل اعمال میں زیادہ محبوب اور پسندیدہ عمل خدا کے نزدیک دعا کرنا اور اُس سے حاجتوں کو مانگنا ہے۔ اِس لئے وہی حقیقی رب ہے۔ تیسری تقریر۔ دنیاوی محسن بیجب تک مانگا نہ جائے نہیں دیتے۔ اور خداوندِ عالم بے مانگے بلکہ غفلت کی حالت میں بھی دیتا ہے۔ جیسے بچوں اور دیوانوں اور سونیوالوں وغیرہ کو۔ سونیوالوں کیلئے اوس کی یہی نعمت کیا کم ہے کہ آسمانی اور زمینی آفتوں سے اون کی ایسے وقت میں حفاظت کرتا ہے جبکہ وہ خود کچھ کر نہیں سکتے۔ اور اُن کی سالس کو جو زندگی کا ذریعہ ہے باقی اور اُن کے اندرونی اعضا کو اپنے اپنے کام پر برقرار رکھتا ہے۔ جو کچھ کھاکر وہ سویا ہے اوسکو ہضم کرانا اوس سے خون بنانا اوس خون کو تمام بدن میں پہونچانا اور اوس سے گوشت بنانا اور مزاج کی اصلاح کرنا اور کام کاج کی وجہ سے جو روح تحلیل ہو چکی ہے اوس کا بدلا پیدا کرنا۔ کام کاج کی تھکن اور ماندگی کو دفع کر کے طبیعت اور مزاج میں بشاشت اور فرحت اور بدن میں پھرتی پیدا کرنا۔ یہ سب اوسی کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ اس لئے حقیقی رب وہی ہے۔ چوتھی تقریر۔ دنیاوی محسنوں کے احسان کا زمانہ محدود ہے اور خدا کے احسانوں کا زمانہ غیر محدود۔ کیونکہ زمین اور پانی کو پیداوار کے قابل بنانا اوس کی ایک نعمت ہے۔ اور دانہ کو شگافتہ کر کے بوٹی نکالنا دوسری نعمت اور بوٹی سے دانہ پیدا کرنا تیسری نعمت اور دانہ کو غذا بنانا چوتھی نعمت اور غذا کو خون اور خون کو نطفہ اور نطفہ کو جنین بنانا یہ ہر ایک کے بعد دیگرے مستقل نعمتیں ہیں۔ پھر جنین تک غذا پہونچانا اور آفتوں سے حفاظت کرنا اور پیدا کرنا اور آخر عمر تک اوس کی ہر حاجت کو پورا کرنا یہ سب اوس کی بے انتہا نعمتیں ہیں جنکا شمار نہیں ہو سکتا ایک سانس ہے کہ اگر انسان عمر بھر کی سانس کا صحیح حساب کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ ایک رونگٹے کا ٹوٹ جانا کبھی آفت بلکہ ہلاکت کا سبب ہوتا ہے جسکی حفاظت کرنا یا ٹوٹ جانے پر اوس کے نقصان کی اصلاح کر دینا وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جسکی قیمت کوئی نہیں لگا سکتا۔ یہ سب چونکہ اوسی کی نعمتیں ہیں اس لئے حقیقی رب وہی ہے۔

پانچویں تقریر۔ دنیاوی محسنوں کی بھلائیاں اون کی اختیاری نہیں ہیں کیونکہ خدا ہی کی دی ہوئی ہیں اور خدا کی ہر بھلائی اوس کی اختیاری ہے کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے اس واسطے حقیقی رب وہی ہے۔ چھٹویں تقریر۔ دنیاوی محسنوں کی بھلائیاں

کبھی رُک بھی جاتی ہیں یا اس وجہ سے کہ اوس کے پاس کبھی نعمت ہی باقی نہیں رہتی یا اس وجہ سے کہ نعمت خوار سے وہ یا نعمت خوار اوس سے جدا ہو جاتا ہے یا زندہ رہکر یا مرکر۔ اور خدا کی نعمتیں کبھی نہیں رکتیں کیونکہ نہ تو خزانہ اوس کا خالی ہوتا ہے اور نہ فیاضی کی صفت اوسکی ذات سے جدا ہوسکتی ہے اور نہ وہ نعمت خوار سے جدا ہوتا ہے کیونکہ وہ رگِ گردن سے نزدیک ہے اور نہ نعمت خوار اوس کے قبضۂ قدرت اور اوس کی سلطنت و مملکت سے باہر جاسکتا ہے۔ نہ زندہ رہکر نہ مرکر۔ اس لئے جس طرح اوس کی دنیاوی نعمتیں اوس کی زندگی میں اوس کو ہر وقت گھیرے ہوئے ہیں اوسی طرح اگر مطیع و فرمانبردار اور مستحقِ رحمتِ غفار ہے تو مرنے کے بعد بھی اوس کی اخروی نعمتیں اوس کو انشاء اللہ گھیرے رہینگی۔

اللھم ارزقنی وجمیع المومنین رحمتک الواسعۃ۔ پس چونکہ اوس کی نعمتیں غیر منقطع ہیں اس واسطے وہی حقیقی رب ہے۔ ساتویں تقریر۔ دنیاوی محسنوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسکی نعمتوں سے دنیا کی ایک ہی صنف کی کل فردیں فائدہ اوٹھا سکتی ہوں اور خدا کی وہ فیاض ہستی ہے جسکی نعمتوں سے دنیا کا ہر موجود حصہ لے رہا اور روزی کھا رہا ہے اس لئے وہی حقیقی رب ہے۔ چشم دید حکایت۔ میری بستی میں میرے ایک محترم عزیز سید سوال حسین صاحب مرحوم اپنا مردانہ بیٹھکا بنوا رہے تھے اوس کے چھپر کے لئے جو بانس کاٹے گئے تھے وہ بہت لمبے تھے ایک بانس پھاڑا گیا جس میں بیس بائیس ہاتھ اوپر پوری ایک گرہ ادہر کی ہری پتیوں سے بھری ہوئی تھی اور وہ پتیاں بہت قاعدے سے چنی ہوئی دبا دبا کر رکھی ہوئی تھیں اور اُن پر اس طرح چھڑکاؤ کیا ہوا تھا جیسے اوس پڑی ہے۔ اور اوپر اُس کے ایک کیڑا سبز رنگ کا بیٹھا ہوا تھا۔ اور زمانہ بیساکھ یا جلیٹھ کا تھا۔ اور ادہر گھروں میں بہت قبل پہونچ چکی تھی۔ بڑھئی نے اِس واقعہ سے آگاہ کیا اُس بانس کی گرہ میں بہت غور کرکے دیکھا گیا لیکن کوئی ایسا سوراخ نہیں پایا گیا جس سے یہ خیال کیا جاتا کہ وہ پلو پتیوں کو خود لیگیا ہے۔ اگرچہ سوراخ ہونے کی صورت میں بھی پتیوں کو اوس قرینہ سے تہ بتہ رکھنا اور کل پتیوں پر چھڑکاؤ کرنا اور اوس چھڑکاؤ اور پتیوں کی طراوت اور تازگی کا باقی رکھنا اوس کیڑے کی قدرت سے باہر اور محالاتِ عقلیہ سے تھا۔ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وہی صاحب قوتِ قاہرہ اور رزق رسان ہے اور ہر مخلوق کے رزق کا ضامن

وہی مقدس وجود ہے۔ آٹھویں تقریر۔ جب دانہ زمین پر گرتا ہے اور پانی اوس پر پڑتا ہے تو وہ پھولتا ہے۔ اور اگرچہ پھولی ہوئی چیز کی شان یہ ہے کہ بے قرینہ مختلف مقامات سے پھٹے لیکن چونکہ بے قرینہ پھٹنا مضر ہے یعنی اوس سے درخت نہیں نکل سکتا اسلئے صرف دو طرف سے پھٹتا ہے۔ ایک اوپر سے جہاں سے آنکھ نکلے گی اور دوسرے نیچے سے جہاں سے جڑ نکلے گی۔ آنکھ اوپر کی طرف بڑھتی اور اپنے جنس کے مناسب صورت اختیار کرتی ہے اور جڑ نیچے کی طرف ڈوبتی اور مٹی اور پانی کو اپنا جزو بناتی ہے تاکہ پودھا اگکر بڑھکر اپنے کمال کو پہونچے اور پھولے اور پھلے۔ غور کیجئے کہ کل درختوں کی غذا یہی مٹی اور پانی ہے باوجود اس کے ہر درخت اور بیل اور بوٹوں کے پتوں اور پھولوں اور پھلوں کی بو باس شکل صورت۔ رنگت اور ذائقہ جدا جدا ہوا کرتا ہے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ بہر حال اُس دانہ سے آنکھ نکلی آنکھ سے پودھا ہوا پودھے سے درخت ہوا پھر اوس میں پھول لگا پھر پھل۔ یہ کل انتظامات اس لئے ہیں کہ خدا کی مخلوق اوس کے پھل پھول پتوں لکڑیوں سے مختلف فائدے حاصل کرے۔ آپ کی پرورش کے لئے خداوند عالم پہاڑی درختوں کو بھی باقی رکھنے کا انتظام کرتا اور جیٹھ بیساکھ کی جلانے والی دھوپ کے نقصانوں سے حفاظت کرتا ہے اس لئے وہی حقیقی رب العالمین ہے ربوبیت کی دلیلوں کو کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا سب کو جمع کرنا اور لکھ ڈالنا تو بہت دشوار ہے۔ یہ چند تقریریں تو صرف غافل لوگوں کو چونکانے کیلئے لکھدی گئیں ورنہ ہوشیار کیلئے ع ہر ورقے دفترے است از معرفت کردگار۔ یعنی خدا کو پہچاننے کے لئے درختوں کی ایک ایک پتی ایک ایک دفتر ہے۔ نتیجۂ کلام۔ انسان جس کسی کی تعریف کرتا ہے اُس تعریف کی چار وجہیں ہوتی ہیں یا یہ کہ ممدوح ذاتاً صاحبِ فضل وکمال اور عیوب سے پاک ہے اور اس کا مستحق ہے کہ اوس کے کمالات ظاہر کئے جائیں۔ یا یہ کہ اوس نے تعریف کرنے والے پر احسان اور بھلائی کی ہے اور نعمتوں سے اوس کو بہرہ مند کیا ہے یا یہ کہ تعریف کرنے والا اُس سے امید رکھتا ہے کہ اوس پر لطف اور مہربانی کرے گا اور نعمتیں دیگا۔ یا یہ کہ تعریف کرنے والا ممدوح کے قہر وغضب سے ڈرتا ہے کہ اگر اسکی واقعی جلالت اور بزرگی کا اقرار نہ کرونگا تو عذاب میں مبتلا کر دیگا۔ خداوند حکیم اس سورہ کے ابتدا میں چاروں طرح سے اپنے استحقاقِ مدح وثنا کو ظاہر فرما رہا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم ذاتی کمالات کی وجہ سے تعریف کرنا چاہتے ہو تو میری تعریف کرو کیونکہ میں اِلٰہُ العالمین ہوں اور اگر پائی ہوئی نعمتوں کی وجہ سے تعریف کرنا چاہتے ہو تو میری تعریف کرو کیونکہ میں ربّ العالمین ہوں اور اگر نعمت کی امید پر تعریف کرنا چاہتے ہو تو میری تعریف کرو کیونکہ میں رحمٰن و رحیم ہوں اور اگر عذاب کے خوف سے تعریف کرنا چاہتے ہو تو میری تعریف کرو کیونکہ میں مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی قیامت کے دن کا مالک ہوں۔ اور حمد و ثنا کا واقعی معنی یہ ہے کہ ممدوح کے صاحبِ کمالات اور صاحبِ حقوق اور منعم و محسن ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اوس کی حمد و ثناء اور تعریف کرے اور چونکہ حق شناسی اطاعت و فرمانبرداری یا ارادہ عوضِ احسان سے جدا نہیں ہو سکتی اسلئے خدا کی سچی تعریف کرنیوالا اطاعتِ پروردگار پر مجبور ہوگا پس الحمد للہ سے مقصود یہ ہے کہ میں ہی عبادت و اطاعت کا مستحق اور حقدار ہوں تم میری نعمتوں کا دل سے اعتقاد اور زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کر کے میری تعریف اور شکرگزاری یعنی عبادت و اطاعت و فرمانبرداری کرو اور میرے حکم اور خوشنودی کے مطابق چلو۔

حدیثیں۔ بطریق شیعہ۔ الحمد للہ ع۱ بسند معتبر حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے الحمد للہ کی تفسیر پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنی بعض نعمتوں کو مختصر طور پر اپنے

ع۵ لفظ اللہ کا ایک اشتقاقی معنی ہے اور ایک اسمی بیان اس کا یہ ہے کہ اللہ لفظِ اِلٰہ سے نکالا گیا ہے اور اِلٰہ کا معنی عبادت ہے اور لفظ اللہ کا معنی معبود یعنی ذاتِ مستحق عبادت۔ اور لفظ اللہ نام ہے ذات واجب الوجود جامعِ صفات کمال کا۔ اور خالقیت اور رازقیت وغیرہ صفات کمال سے ہے اور لام اسکا اختصاص یعنی بیان خصوصیت کیلئے ہے۔ اور لفظ حمد دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک شکر کے معنی میں نعمت پانے کے بعد اور دوسرے تعریف کے معنی میں مستحق تعریف ہونیکی وجہ سے۔ اور الف لام اسکا استغراق یعنی تعریف کی کل فردوں کے لفظ حمد میں داخل ہونے کو بتاتا ہے۔ اور یہ جملہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت پر شامل ہے کیونکہ خداوند عالم نے دو فصیح لفظوں سے ایک تو اپنے مستحق عبادت و اطاعت ہونے کو بیان کیا۔ دوسرے اپنے جامعِ صفات کمال ہونیکو تیسرے اس بات کو کہ جب میری نعمتوں کا خیال کرو تو شکرگزاری کرو چوتھے اس بات کو کہ جب میرے کمالات کو خیال کرو تو میری تعریف کرو پانچویں اس بات کو کہ تعریف اور شکریہ کے الفاظ یہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہوں جو کل افراد و اقسام تعریف اور شکریہ کے جامع ہیں۔ چھٹیں اس جملہ کو اسمیہ لاکر اس بات کو بتایا کہ میں تعریف اور شکریہ کا ہمیشہ مستحق ہوں ساتویں لام اختصاص سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ہر تعریف اور حقیقی شکریہ کا میرے سوا کوئی دوسرا مستحق نہیں ہے ۱۲

بندوں کو پہچنوا دیا ہے کیونکہ وہ اُس کی کل نعمتوں کو تفصیل سے سمجھ نہیں سکتے اس لئے کہ اوس کی نعمتیں بے شمار ہیں پس تم لوگ اوس کی نعمتوں کے شکریہ میں یوں کہا کرو والحمد للہ علےٰ ما انعم بہ علینا یعنی خدا کا شکر ہے اوس کی اون نعمتوں پر جو ہمیں دیں[۱]۔ ع۲ بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم کی بڑی یا چھوٹی نعمت کے شکریہ میں اگر بندے الحمد للہ کہیں تو اونھوں نے شکریہ ادا کر دیا[۲]۔ ع۳ بسند مرسل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوندِ عالم کی نعمتوں کا پورا شکریہ حرام سے بچنا (یعنی واجب چیزوں کو بجالانا اور ناجائز چیزوں کو چھوڑنا) اور زبان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہنا ہے[۳]۔ ع۴ بسند معتبر حماد بن عثمان کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا گھوڑا گم ہو گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر خداوندِ عالم اوس کو مجھ تک پلٹا دے تو کامل شکریہ ادا کرونگا۔ جب ملگیا تو آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کسی نے عرض کیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ کامل شکریہ ادا کرونگا۔ فرمایا تم نے نہیں سنا کہ میں نے الحمد للہ کہا[۴]۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا خچر گم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر خداوند عالم اوس کو مجھ تک پلٹا دے تو اوس کا شکریہ ایسی تعریفوں سے ادا کرونگا جنکو وہ پسند کرتا ہے۔ جب خچر ملگیا تو آپ نے فرمایا الحمد للہ اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے کامل شکریہ ادا کرنے کو فرمایا تھا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے شکریہ کا کوئی جزو نہ توڑا چھوڑا اور نہ باقی رکھا اور ہر طرح کی تعریف ادا کر دی کیونکہ الحمد للہ میں کل تعریفیں داخل ہیں[۵]۔

رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ع۱ بسند معتبر حضرت امیر المومنین علیہ السلام مذکورہ بالا حدیث نمبر۱ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ رب العالمین کا معنی یہ ہے کہ خداوندِ جلیل ہر مخلوق کا مالک اور پیدا کرنے والا ہے اور رزق ان کو اس طرح دیتا ہے کہ کچھ کو وہ جانتے ہیں (کہ کیونکر آتا ہے) اور کچھ کو نہیں جانتے۔ اور اپنی قدرتِ کاملہ سے اون کی حالتوں کو بدلتا رہتا ہے اور اپنا رزق اون کو کھلاتا ہے اور آفتوں سے اُن کی حفاظت کرتا ہے

---

[۱] تفسیر صافی بحوالہ عیون اخبار الرضاؑ و تفسیر امام حسن عسکری علیہما السلام ۱۲ منہ [۲] صافی بحوالہ کافی ۱۲ منہ [۳] تفسیر برہان ص۲۹ بحوالہ کافی ۱۲ منہ [۴] اصول کافی باب شکر ص۴۱۵-۱۳۰ منہ [۵] برہان ص۲۹ بحوالہ کشف الغمہ بغیر ذکر سند ۱۲ منہ

اور مصلحت کے مطابق اون کے ہر امر کو درست کرتا ہے اور جمادات یعنی بے جان چیزوں جیسے مٹی۔ پہاڑ۔ جواہرات۔ لوہا۔ تانبا وغیرہ میں سے ملی ہوئی چیزوں کو بکھرنے[عہ] سے اور بکھری ہوئی چیزوں کو آپس میں ملجانے سے اور آسمان کو پھٹ پڑنے سے۔ اور زمین کو دھنس جانے سے روکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان اور رحم کرنیوالا ہے۔[عہ][لہ]

عہ کیونکہ کبھی انکا بکھرا رہنا مفید ہوتا ہے اور کبھی آپس میں ملا رہنا۔ ۱۲ منہ

عہ مذکورۂ بالا مضمون کے بعد حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوندِ عالم تمام دنیا کا مالک اور خالق ہے اور ان تک اس طرح رزق پہونچاتا ہے کہ کچھ کو وہ جانتے ہیں اور کچھ کو نہیں جانتے۔ (کہ کیونکر آتا ہے)۔ پس رزق (قسمت کی چیز ہے اور) مقرر ہو چکا ہے اور اولادِ آدم تک پہونچیگا۔ وہ جہاں بھی جائیں۔ نہ تو کسی پرہیزگار کی پرہیزگاری اوس کو (معین مقدار سے) بڑھاتی ہے اور نہ کسی بدکار کی بدکاری اوس کو (اوس مقدار سے) گھٹاتی ہے۔ اور انسان اور رزق کے درمیان ایک پردا پڑا ہوا ہے (جس کی وجہ سے وہ رزق کی تحصیل میں زمین کی خاک آسمان تک اوڑاتا ہے اور حلال وحرام کا خیال نہیں کرتا اور خدا کی مخالفت سے بالکل نہیں ڈرتا) حالانکہ رزق خود ہی انکو تلاش کر رہا ہے۔ پس اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے جب بھی وہ اوس کو تلاش کرلیگا۔ اور اوس تک پہونچ جائیگا۔ جس طرح موت تلاش کرکے پہونچ جاتی ہے۔ اسی لئے خداوندِ عالم تم کو حکم دیتا ہے کہ کہو الحمد للہ علیٰ ما انعم علینا و ذکرنا بہ من خیر فی کتب الاولین قبل ان نکون یعنی خدا کا شکر ہے کہ اوس نے ہم کو نعمتیں عطا کیں اور ہماری پیدائش سے پہلے اگلے انبیاء کی کتابوں میں ہماری بھلائی بیان کی۔ پس اس آیت میں خداوندِ عالم نے محمدؐ اور آل محمدؐ اور اون کے شیعوں پر اس امر کو واجب کیا ہے کہ اپنی فضیلتوں پر خدا کا شکریہ ادا کریں۔ اور اگلے انبیاء کی کتابوں میں بھلائی کے ساتھ ذکر کرنے کا بیان یہ ہے کہ جب خداوندِ عالم نے حضرت موسیٰؑ کو نبی بنایا اور دریا کے پانی کو دو حصہ کرکے دونوں طرف مثل دیوار کے بنا دیا اور اُن کے لئے راہ نکالدی اور بنو اسرائیل کو فرعون کے شر سے بچا لیا اور موسیٰؑ کو توراۃ اور لوح دئیے اور اون کا مرتبہ اون کو دکھا دیا تو اونھوں نے (مقام شکریہ میں) عرض کیا کہ خداوندا تو نے مجھے ایسی عزت بخشی جیسی مجھ سے پہلے کسی کو نہ بخشی۔ ارشاد پروردگار ہوا کہ اے موسیٰؑ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) میرے نزدیک کل فرشتوں اور کل مخلوقات سے افضل ہیں۔ موسیٰؑ نے عرض کیا کہ پروردگارا اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کل مخلوقات سے افضل ہیں

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۹۵

لہ صافی بحوالہ عیون اخبار الرضا و تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام

۲ع بسند معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آبار کرام کے سلسلہ سے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ مغرب کے پیچھے خدا نے ایک شہر پیدا کیا ہے جسکا نام جابلقا ہے اوس میں ستر ہزار امت ہیں اور ہر امت اس امت (محمدی) کے مثل ہے وہ ایک لمحہ بھی خدا کی مخالفت نہیں کرتے اور اون کا کام صرف یہی ہے کہ پہلے اور دوسرے کے حق میں بد دعا کرتے رہتے اور اُن سے بیزاری ظاہر کرتے رہتے ہیں اور اہلبیت حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ سے محبت کرتے ہیں [لہ]

بقیہ حاشیہ ص ۹۴

تو اولاد انبیاء میں کوئی میری اولاد سے بھی افضل ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ اولادِ محمدؐ کل انبیاء کی اولاد سے اوسی طرح افضل ہیں جس طرح محمدؐ کل انبیاء سے افضل ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر عرض کیا کہ خداوندا اگر اولادِ محمدؐ میری اولاد سے افضل ہیں تو کسی نبی کی امت میری امت سے افضل ہے یا نہیں؟ کیونکہ تو نے اون پر ابر کا سایہ کرایا اور من وسلویٰ نازل کیا اور اون کے لئے دریا کو پھاڑ کر راہ بنائی۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ امت محمدؐ کو دوسری امتوں پر ویسی ہی فضیلت ہے جیسی محمدؐ کو میری کل مخلوقات پر۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ خداوندا میری تمنا یہ ہے کہ میں امت محمدیؐ کو دیکھتا۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ تم اون کو نہیں دیکھ سکتے اور یہ زمانہ اون کے ظاہر ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ تم اون کو بہشت کے اوس درجہ میں جس کو جنّات عدن اور فردوس کہتے ہیں محمدؐ کے سامنے ایسی حالت میں دیکھو گے کہ وہ اوس کی نعمتوں سے طرح طرح کے فائدے اوٹھاتے ہوں گے اور وہاں کی بھلائیوں سے خوشحال اور مسرور ہوں گے۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تمھیں اون کی آوازیں سنا دوں؟ عرض کیا ہاں حکم ہوا کہ اچھا دامن چُن لو اور میرے سامنے اوس طرح کھڑے ہو جاؤ جیسے ذلیل غلام اپنے جلیل القدر مالک کے سامنے کھڑا ہوا کرتا ہے۔ پس حضرت موسیٰؑ حکم کے مطابق عمل کر کے آمادہ ہو گئے اور خداوند عالم نے آواز دی یا امة محمدؐ (اے محمدؐ کی امت) پس کل روحین (جو عالم ارواح میں موجود تھیں) اور اوس کے بعد اپنے اپنے باپوں کے صلب اور ماؤں کے رحم میں منتقل ہوتی رہیں اور قیامت تک منتقل ہوتی رہینگی۔ اس طرح بول اُٹھیں لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لک لا شریک لک (حاضر ہوں پروردگارا حاضر ہوں کوئی تیرا شریک نہیں ہے حاضر ہوں کل تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں اور کل نعمتیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں اور ملک تیری ہی ملکیت ہے کوئی تیرا شریک نہیں) پس خداوند عالم نے امت کے اس جواب کو حاجیوں کے لئے دستور العمل قرار دیا کہ حج کے موقع پر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶)

لہ بصائر الدرجات جزو ۱۰ ص ۱۰۲

۳- بسندِ صحیح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس آفتاب کے علاوہ چالیس آفتاب اور بھی ہیں اور ہر دو آفتاب کے درمیان چالیس برس کی راہ کا فاصلہ ہے اور اون میں بہت سی مخلوقات ہیں۔ وہ کچھ نہیں جانتے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا یا نہیں۔ اور تمہارے اس ماہتاب کے علاوہ چالیس ماہتاب ہیں جن میں سے ہر ایک کو دوسرے سے چالیس سال کی راہ کا فاصلہ ہے اور اُن میں بہت سی مخلوقات ہیں وہ کچھ نہیں جانتے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا یا نہیں۔ اور جسطرح شہد کی مکھیوں پر الہام کیا گیا (وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ پ ۱۴- سورہ نحل آیت ۷۰) یعنی تیرے پروردگار نے مکھیوں کے دل میں ڈال دیا کہ پہاڑوں اور درختوں اور مکانوں میں گھر بنائیں۔ اسیطرح آفتابوں اور ماہتابوں کے رہنے والوں پر بھی الہام کیا گیا ہے کہ پہلے اور دوسرے ظالموں پر ہر وقت لعنت کرتے رہیں۔ اور اون پر فرشتے مقرر کئے گئے ہیں کہ جب لعنت نہ کریں تو وہ اُن پر عذاب کریں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سائل نے پوچھا کہ جب وہ آدمؑ کی پیدائش کو نہیں جانتے تو ان دونوں کو کیسے پہچانا۔ فرمایا تم شیطان کو پہچانتے ہو عرض کیا نہیں بلکہ اُس کے موجود ہونے کی خبر سُن کر جانتے ہیں۔ فرمایا اسی طرح وہ بھی ان دونوں کو سُن ہی کر جانتے ہیں اور اون پر لعنت کرنے کا اون کو حکم دیا گیا ہے۔ (برہان بہ نشان ع۱)۔

آفتاب اور ماہتاب میں بھی مخلوقات ہیں

بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۳۳

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵

اسی طرح لبیک کہا کریں۔ پھر خداوندِ عالم نے خطاب کیا کہ اے امتِ محمدؐ میری تجویز اور میرا حکم تمہارے حق میں یہ ہے کہ میری رحمت تمہارے لئے میرے غضب کے آگے آگے اور میری بخشش میرے عذاب کے آگے آگے رہیگی اور تمہاری دعاؤں کو دعا کرنے سے پہلے قبول کرونگا اور اپنی نعمتیں مانگنے سے پہلے تم کو دونگا۔ تم میں سے جو شخص میرے پاس اس حالت سے آئیگا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سچے دل سے کہتا رہا ہو اور اپنے اعمال میں حق کی پیروی کرتا رہا ہو اور اس بات کا اقرار اور اعتقاد رکھتا ہو کہ علیؑ بن ابی طالب محمدؐ کے بھائی اور اُن کے بعد اُن کے وصی اور ولی ہیں اور اون کی بھی اسی طرح پیروی کرتا رہا ہو جس طرح محمدؐ کی پیروی کرتا رہا اور اس امر کا اقرار و اعتقاد رکھتا رہا ہو کہ اون کی اولادِ طاہرین جو خدا کے برگزیدہ اور مبارک بندے ہیں محمدؐ اور علیؑ کے بعد اوس کی آیتیں اور حجتیں اور اوس کے اولیا ہیں تو اوسکو میں اپنی بہشت میں داخل کر دونگا اگرچہ گناہ اوس کے مثل کفِ دریا کے زیادہ ہوں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷)

بطریق اہلسنت۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ؏۱ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نے الحمد للہ رب العالمین کہا تو شکریہ ادا کر دیا پس خداوند عالم تم پر اپنی نعمتیں زیادہ کریگا ؏۲ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین دعا الحمد للہ کہنا ہے۔ اور ابو عبد الرحمن حیانی کہتے ہیں کہ بہترین شکریہ الحمد للہ کہنا ہے ؏۳ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے کچھ مسلمانوں کو شب کے وقت کہیں بھیجا اور دعا کیا کہ خداوندا اگر یہ لوگ صحیح سالم واپس آئے تو میں تیرا پورا شکریہ ادا کرونگا۔ جب وہ لوگ واپس آگئے تو حضرت نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی سَابِغِ نِعَمِ اللّٰہِ یعنی خدا کا شکر ہے اوس کی وسیع نعمتوں پر۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ میں خدا کا پورا شکریہ ادا کرونگا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے ادا نہیں کیا (یعنی جملہ الحمد للہ جو میں نے کہا وہی کامل شکریہ ہے) ؏۴ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے پدرِ بزرگوار کا خچر گم ہوگیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر خداوند عالم اوس کو مجھ تک پہونچا دے تو اوس کا شکریہ ایسی تعریفوں سے ادا کرونگا جن کو وہ پسند کرتا ہے۔ جب وہ مِل گیا تو حضرت نے فرمایا الحمد للہ اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے کامل شکریہ ادا کرنے کو فرمایا تھا تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے کچھ چھوڑا نہ کچھ باقی لگا رکھا ہے بلکہ کامل شکریہ ادا کر چکا ؏۵۔ رب العالمین ؏۱ ابن عباس کہتے ہیں کہ رب العالمین کا معنی "کل مخلوقات کا خدا" ہے اور مخلوقات میں کل آسمان اور کل زمین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶

پس جب خدا نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کو رسول بنایا تو ارشاد کیا کہ اے محمد جس وقت میں نے تمہاری امت کو اس بزرگی کے ساتھ پکارا تھا اوس وقت تم طور کے پاس موجود نہ تھے۔ اے محمد کہو الحمد للہ رب العالمین علےٰ ما اختصنی بہ من ہذہ الفضیلۃ یعنی خدا کا شکر ہے کہ اوس نے مجھکو اس فضیلت کے ساتھ خاص کیا اور اپنی امت سے کہو کہ وہ بھی کہیں الحمد للہ رب العلمین علےٰ ما اختصنا بہ من ہذہ الفضیلۃ یعنی خدا کا شکر ہی کہ اوس نے ہلوگوں کو اس فضیلت کیساتھ خاص کیا (تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۳۱ بحوالہ ابن بابویہ علیہ الرحمہ و تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام) ۱۲ ؎۱ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۱ بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم و دیلمی ۱۲ منہ ؎۲ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۱ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ و ابن حبان و بیہقی ۱۲ منہ ؎۳ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۲ بحوالہ ابن منذر و ابن ابی حاتم ۱۲ منہ ؎۴ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۲ بحوالہ بیہقی ۱۲ منہ ؎۵ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۲ بحوالہ ابو نعیم و بیہقی ۱۲ منہ

اور ان دونوں کے درمیان کی کل چیزیں داخل ہیں۔ خواہ وہ چیزیں کسی کو معلوم ہوں یا نہ ہوں[1] ۔ ۲ جابر ابن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خدا نے ایک ہزار امت[2] پیدا کی ہے چھ سو دریا میں اور چار سو خشکی میں[3] ۔ اور اسی مضمون کی ایک روایت تبیع حمیری کی ہے جس کو درمنثور میں ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے ۔ ۳ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ ایک عالم انسان ہیں اور ایک عالم جن اور اٹھارہ عالم فرشتے جن میں سے تین تین ہزار زمین کے چاروں کناروں پر (دنیا کی حفاظت کے لئے) ہیں اور چھ ہزار کو خدا نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے[4] ۔ اور اسی مضمون کی ایک حدیث وہب کی ہے جسکو ابونعیم اور ابو الشیخ کے حوالہ سے درمنثور میں نقل کیا ہے ۔ فقہ سورۂ الحمد کو ہر نماز کی پہلی دونوں رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے اگر قدرت رکھتے ہوئے نہ پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کسی قدر بیان اس کا بسم اللہ کی تفسیر میں بھی گذر چکا ہے ۔ آ حضرت امام رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے نماز میں قرآن پڑھنے کو اس لئے واجب کیا تاکہ قرآن کو لوگ چھوڑ نہ بیٹھیں اور ناپید نہ ہو جائے اور قرآن کے کل سوروں پر سورۂ الحمد کو اس وجہ سے مقدم کیا کہ جس قدر علم اور حکمت کا جامع سورۂ الحمد ہے اتنا کوئی دوسرا سورہ نہیں ہے صرف ایک (جملہ) الحمد للہ کو دیکھو کہ اس سے ایک واجب یعنی شکریہ بھی ادا ہو جاتا ہے اور اس شکریہ سے اُن بھلائیوں کی یاد بھی تازہ ہو جاتی ہے جنکی خدا نے اپنے بندوں کو توفیق دی ہے[5] میں عرض کرتا ہوں کہ اس فرمائش میں معصوم نے جامعیت الحمد للہ کی طرف مختصر الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے اسکی جامعیت کی بعض صورتوں کو میں نے قبل اس کے حاشیہ میں ذکر کر دیا ہے جسکو آپ پڑھ چکے ہونگے

تنبیہ میں مقدمہ اور تفسیر بسم اللہ میں دو امروں کو کئی جگہ لکھ چکا ہوں ۔
۱ یہ کہ اس تفسیر میں وہی حدیث نقل کرونگا جسکی سند معتبر اور متن یعنی مضمون عقل کے

---

[1] درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۳ بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم ۱۲ منہ [2] بظاہر امت سے مقصود ایک قسم کی مخلوق ہے جیسے انسان ایک امت جن ایک امت ۔ گائے بیل ایک امت ۔ بکری بکرا ایک امت ۱۲ منہ [3] درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۳ بحوالہ حکیم ترمذی و ابویعلی و ابن عدی و ابو الشیخ و بیہقی و خطیب بغدادی ۱۲ منہ [4] درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۳ بحوالہ ابن ابی حاتم و ابو الشیخ ۱۲ منہ ۔ [5] برہان جلد ۱ صفحہ ۳۱ ۔ ۱۲ منہ ۔

مطابق ہو یا مضمون اس کا اصولِ مذہب کے مطابق ہو اگرچہ سند ضعیف ہو کیونکہ اصول مذہب کی مطابقت اوس کے مضمون کی مؤید ہو کر اوس کے ضعف کو دفع اور مضمون کو لائقِ اعتبار بنا دیتی ہے۔ ع۲ یہ کہ جب ایک مضمون کی متعدد حدیثیں ہوتی ہیں جن میں سے بعض معتبر اور بعض غیر معتبر ہوتی ہے تو معتبر حدیث غیر معتبر کے مضمون کی مؤید ہو کر اس کو لائق اعتبار بنا دیتی ہے اسی کا نام انجبار ضعف ہے۔ بلکہ اگر کئی حدیثیں ایک مضمون کی ہوں اور سب کی سب غیر معتبر ہوں اور اُن کی مخالف کوئی معتبر حدیث نہ ہو تو اون سے بھی اس امر کا گمان ہوتا ہے کہ اس مضمون کو معصوم نے فرمایا ہے اور فروع دین میں گمان اُن لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہے جو گمان کو اصل میں غیر معتبر جانتے ہیں اور اوس کا پہلا حکم عدم جواز عمل سمجھتے ہیں اس لیئے ہر حدیث کی سند کی تحقیق اور ترجیح میں مضمون بڑھانا اور وقت صرف کرنا نہیں چاہتا کیونکہ فرمائش اختصار کی ہے اور زندگی کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے مبادا یہ تفسیر ادھوری رہجائے۔ صرف اسی مقام پر سند اور ترجیح کو ذکر کرونگا جہاں حدیثوں کے مضامین ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے۔ حضرات مومنین اس تفسیر کو پڑھنے کے وقت اس مطلب سے غافل اور خالی الذہن نہ رہیں اور مجھ پر اعتراض نہ کریں۔

اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ

رحم کرنیوالا سب پر۔ رحم کرنیوالا خاص مومنوں پر۔ مالک۔ وقت۔ بدلا۔ خاص تیری۔ عبادت کرتا ہوں۔ اور خاص تجھسے مدد چاہتا ہوں

ایسا خدا جو سب پر اور خاص مومنوں پر رحم کرنیوالا (اور اعمال کے) بدلے کے وقت کا مالک ہے (اے خدا) خاص تیری عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں

قرائت عاصم اور کسائی اور خلف اور یعقوب حضرمی نے مالک الف کے ساتھ پڑھا ہے اور

دارمیۃ) ع۵ آریہ مذہب کے موجد دیانند جی لکھتے ہیں کہ کیا خدا ہمیشہ انصاف نہیں کرتا کسی خاص دن (یعنی قیامت کے دن) انصاف کرتا ہے یہ تو اندھیر کی بات ہے" ۱ھ تحقیقی جواب خداوند عادل ہر روز انصاف کرتا ہے۔ اس کے بندے تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو اوس کے پورے فرمانبردار ہیں۔ دوسرے وہ جو کچھ اوس کی نافرمانی بھی کرتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اوس کے پورے نافرمان ہیں۔ اور نافرمانی کرنے والوں کے برے اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جنکا نقصان دوسروں

بقیہ حاشیہ بر صفحہ

اور باقی قاریوں نے مَلِكِ بغیر الف کے ساہ سب سے پہلے مَلِكِ بغیر الف کے مروان بن حکم نے پڑھا ہے اہلبیت طاہرین علیہم الصلوۃ والسلام بھی مالك الف کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ حدیثوں میں بیان اس کا آئیگا۔ اعراب رحمن دوسری صفت اور رحیم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹

تک نہیں پہونچتا ہے۔ جیسے خدا کو نہ ماننا۔ شراب پینا یا نماز نہ پڑھنی۔ دوسرے وہ جنکا نقصان دوسروں کو پہونچتا ہے۔ جیسے چوری کرنا ظلم کرنا وغیرہ۔ **پورے فرمانبردار** سزا کے عقلاً مستحق ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ بُرا کام نہیں کرتے اور دوسروں سے جو تکلیف اون کو پہونچتی ہے اوس کا اون کو ثواب ملتا ہے۔

اور خدا کو ماننے والے بدکاروں کی سزا دنیا میں بھی مذہب اسلام میں مقرر کی گئی ہے کہ اگر وہ اوس سزا کو پا گئے تو گناہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور اگر مثلاً اونھوں نے چھپا کر گناہ کیا ہے یا مذہبی حاکم اون کو سزا نہ دیگا تو خدا اون کو بلاؤں میں مبتلا کر کے پاک کر دیتا ہے جسکو بعض سمجھ جاتے ہیں اور بعض اپنی غفلت سے نہیں سمجھتے۔ اور اگر موت آگئی اور کچھ گناہ اون کے ذمے رہ گئے تو خداوند عادل قیامت کے دن سے کچھ پہلے یعنی برزخ میں اور کچھ قیامت کے بعد باندازۂ جرم سزا کر کے بہشت میں داخل کر دیگا۔ کیونکہ ایمان کی شان بہشت میں پہونچانا ہے۔ **اور جو لوگ خدا ہی کو نہیں مانتے** اون کو دنیا میں دو طرح کی سزا دیتا ہے۔ ایک بلاؤں میں مبتلا کر کے۔ دوسرے مرنے پر اون کے ہم جنسوں کے ہاتھوں آگ میں جلوا کے۔ یا کم سے کم اوس منہ کو آگ سے جھلسوا کے جس سے اوس کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور آخرت میں ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈال کے۔ **الزامی جواب** ایک تو ویدی خدا بُرے کام کو بُرا ہی نہیں جانتا اور نیوگ جیسی بداعمالی کا حکم دیتا ہے اس لئے اوس کے نزدیک کوئی بداعمال سزا کا مستحق ہی نہیں ہے۔ دوسرے وہ خود بُرا کام کراتا ہے کیونکہ تمام کاروبار میں سہارا اور مدد دیدیتا ہے اور کبھی کسی کاروبار میں اپنی طبیعت کو نہیں بدلتا یعنی نہ اچھے کام سے خوش ہوتا ہے نہ بُرے کام سے نفرت کرتا۔ اس لئے وہ خود سزا کا مستحق ہے پھر دوسروں کو جو مجبور ہیں کیونکر سزا دے سکتا ہے۔ تیسرے جھوٹ اور سچ دونوں طرح کی تعلیم خود ہی دیتا ہے اس لئے جھوٹے اوس کے نزدیک سزا کے مستحق نہیں ہیں۔ چوتھے چونکہ (اچھے اور بُرے) سب کے اندر وہ خود موجود ہے۔ اسلئے سزا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ سزا بعینہٖ اُسی پر واقع ہوگی۔ پانچویں چونکہ (اچھے اور بُرے) سب کا دوست ہے اور کسی کا دشمن نہیں ہے۔ اور سب کی مخالفت سے بری اور بیزار ہے۔ اسلئے نہ کوئی اُس کے نزدیک سزا کا مستحق ہے نہ وہ ...

سلہ ستیارتھ پرکاش سملاس ۱ صفحہ ۲۱ نمبر ۵-۱۲ منہ۔ سلہ ستیارتھ پرکاش سملاس ۱ صفحہ ۱۹ نمبر ۶۴-۱۲ منہ سلہ ستیارتھ پرکاش سملاس ۱ صفحہ ۱۵ نمبر ۳۹-۱۲ منہ سلہ ستیارتھ پرکاش سملاس ۷ صفحہ ۹ جواب سوال ۱۲ منہ۔ سلہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱ سملاس ۱ نمبر ۲۵-۱۲ منہ

سلہ مجمع البیان ۱۲ منہ سلہ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۳ ۱۲ منہ دیانندجی کا مالک یوم الدین پر اعتراض اور [illegible] تحقیقی جواب

تیسری صفت اور مالک مضاف۔ یوم مضاف الیہ اور مضاف اور دین مضاف الیہ یہ
سب مل کر چوتھی صفت۔ ایا مضاف ضمیر خطاب مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مفعول بہ
نعبد فعل۔ نحن فاعل محذوف۔ ایاکَ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول بہ نستعین فعل نحن
فاعل محذوف۔ لغت رحمٰن اور رحیم کا معنی بسم اللہ کی تفسیر میں گذر چکا۔ مالک کا معنی

بقیہ حاشیہ ص١٠٠

کسی کی سزا کریگا۔ ع٢ دیانندجی قیامت کے لفظ سے گھبرا رہے ہیں اور سبب اس کا تین امر ہے۔ ایک یہ کہ
اُنھوں نے ۴۰ سال بت پرستی کی لہ لیکن چونکہ آدمی منچلے تھے سنگی مورتوں کی پرستش سے متنفر ہو گئے کیونکہ
ایسا بت خدا نہیں ہو سکتا جو سر تک نہیں ہلا سکتا ٢ اور دوسرے خدا کی تلاش میں پڑے لیکن بلغم پیدا
کرنیوالا ساگ چونکہ گوشت کی طاقت اور ذہانت اور عقل میں سلامت روی پیدا نہیں کر سکتا اس لئے
اوس کی آخری طاقت نے انکو تین قسم کے موجودات تک پہونچایا۔ ایک کسی قدر طاقتور جو کسی قدر ہاتھ
پاؤں ہلا لیتا ہے اور دو کمزور۔ طاقتور کا نام انھوں نے ایشور رکھا اور اوس کو اپنا خدا مان لیا کیونکہ ہنود
ہر امتیازی حالت رکھنے والے یا تازہ اور عجیب چیز کو فطرۃً خدا کہنے لگتے ہیں۔ اور باقی دو قسموں میں سے
ایک کا نام دیانندجی نے روح اور دوسرے کا نام مادہ رکھا جو دنیا میں آدمی۔ گائے بیل بھینس
گھوڑا۔ ہاتھی۔ کتا۔ سور۔ بندر۔ کیڑا۔ گھاس۔ درخت وغیرہ ہزاروں صورتوں میں پایا جا رہا ہے۔
اور یہ تینوں اپنی ہستی میں ازلی اور آپس میں برابر ہیں۔ اور پہلا یعنی ایشور روح اور مادہ کا بھائیوں
کی طرح مددگار ہے اور رشتہ داروں کی طرح دھرماتماؤں کو سکھ پہونچانے کیلئے مدد دے رہا ہے
اس واسطے تناسخ کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اور اپنے آریہ بندوں کو سکھ پہونچانے کے خیال سے اُن کے
گھروں کو بدلتا رہتا ہے۔ کبھی آدمی کے ڈھانچے میں جگہ دیتا ہے اور کبھی گائے بیل کے کبھی گھوڑا ہاتھی
کبھی درخت یا گھاس پات کے۔ کیونکہ پوری سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے دائمی آرام کی جگہ کو پہچان نہیں
سکتا اور چونکہ کامل مہربان ماں کی طرح تمام جیووں (اچھے اور برے سب) کی ترقی چاہتا ہے اس لئے
اپنے آریہ بندوں کو نیوگ یعنی گیارہ مردوں کو ایک شوہر دار آریہ عورت کے پاس اور گیارہ شوہر دار آریہ عورتوں کو
ایک مرد کے پاس جانے کا حکم دیتا ہے تاکہ نسل میں ترقی ہو۔ اور جس عورت کی حاجت آدمی سے پوری نہیں
بقیہ حاشیہ بر ص١٠٢

ص٩٤

لہ ذوالفقار حیدری مصنفہ گوپال رام ص٢١١ و ص٢١٢ بحوالہ جیون چرتر آریہ دگجناتھ ١٢ منہ ٢ ذوالفقار حیدری
بحوالہ جیون چرتر ١٢ منہ ٣ ستیارتھ پرکاش سملاس ص٣٤٧ نمبر٢ جواب سوال ١٢ منہ ٤ ستیارتھ پرکاش سملاس ص٢١ نمبر ١٩ و ٤٩ ١٢
ہ ستیارتھ پرکاش سملاس ا ص١٧ نمبر ٥٤ ١٢ منہ۔

اپنے قبضہ کی چیزوں میں ہر وقت ہر قسم کا تصرف کرنے پر قدرت اور حق رکھنے والا۔ یوم کا معنی وقت۔ دین کا معنی جزا اور بدلا۔ عبادت کا معنی ذلت یعنی چھوٹا پن۔ اور غلام کو عبد اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ آقا کے مقابل میں ذلیل اور حقیر ہے اور اوس کا مطیع و فرمانبردار۔ استعانت مدد چاہنا۔ **تفسیر** ۔ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر بسم اللہ میں گذر چکی ۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اس کلام سے یہ مقصود نہیں ہے کہ خدا کی ملکیت عالمِ آخرت میں منحصر ہے کیونکہ دنیا اور آخرت سب کا حقیقی مالک وہی ہے چنانچہ خود فرماتا ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اخروی ملکیت میں کوئی اوس کا مجازی شریک بھی نہیں ہے کیونکہ ملکیت کے ایک تو درجے مختلف ہوتے ہیں کوئی ایک چیز کا مالک ہوتا ہے اور کوئی دس چیزوں کا اور کوئی دس ہزار چیزوں کا۔ کوئی ایک قطعہ زمین کا۔ کوئی ایک گانوں کا۔ کوئی ایک ملک کا۔ کوئی ہفت اقلیم کا۔ اور ملکیت نام ہے حقِ تصرف کا جیسا کہ لغت میں ذکر کیا گیا اور دنیا کے آئے دن کے واقعات یہ ہیں کہ ایک ہی چیز مختلف قبضوں میں جاتی ہے۔ اور مختلف لوگ اوس میں صاحبِ تصرف ہوتے ہیں جس سے یہ پتہ ملتا ہے کہ دنیا کی ملکیت اعتباری اور عارضی ہے اور یہ لوگ اپنے مقبوضات کے مجازی مالک ہیں۔ اور اصلی اور حقیقی ملکیت کا معنی حقِ تصرف کا نہ بدلنا اور ہمیشہ کیلئے باقی رہنا ہے۔ اور اسی طرح اصلی اور حقیقی مالک وہی ہے جسکا حقِ تصرف کبھی نہ بدلے۔ خاص کر کے اگر اُن چیزوں کا پیدا کرنیوالا بھی

حقیقی مالک خدا ہے اس کا مفصل بیان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱

ہوتی اوسکو گھوڑوں کے پاس بھی جانے کی اجازت دیتا ہے[۱]۔ اور اگر نیوگ سے فائدہ نہ ہوا تو کسی آریہ کو کتے کے ڈھانچہ میں جگہ دیتا ہے اور کسی کو سور وغیرہ کے تاکہ آزاد ہو کر اپنی خواہشیں پوری کریں اور ایک ایک مرتبہ پانچ پانچ سات سات بچے جنیں اور نسل میں ترقی ہو۔ دوسرے اس وجہ سے گھبراتے ہیں کہ چونکہ یہ دنیا سے لاولد گئے ہیں اور عیش پسند بھی تھے[۲] اس واسطے چاہتے ہیں کہ جانوروں میں سے کتے یا سور کی صورت میں رکھے جائیں تاکہ نسل کو ترقی ہو اور انسانی قیود کی پابندیوں سے آزاد ہو کر دنیا کی لذتیں بھی اوٹھائیں۔ تیسرے اس وجہ سے گھبراتے ہیں کہ چونکہ ایک تو مات گھا تک یعنی مادر کُش تھے۔ دوسرے باپ کے نافرمان تھے تیسرے باپ سے جھوٹھ بولے کہ میں خود آنے کو تھا چوتھے سپاہی کی لوٹیا چرا کر بھاگے[۳] اور یہ چاروں جرم گناہِ کبیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان

(بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۱۰۳)

[۱] ذو الفقار حیدری صفحہ ۴۷ بحوالہ یجر وید ادھیائے ۲۳ منتر ۱۹ بترجمہ پنڈت ہمیدھر ۱۲ منہ [۲] ذو الفقار حیدری صفحہ ۲۱۸ بحوالہ جیون چرتر مؤلفہ جگنا تھ پرشاد ۱۲ منہ [۳] ذو الفقار حیدری صفحہ ۸ بحوالہ جیون چرتر صفحہ ۱۵ - ۱۲ منہ

دہی ہو۔ اس لئے اہلِ دنیا کسی دنیاوی چیز کے بھی حقیقی مالک نہیں ہو سکتے۔ دوسرے واقعی مالک وہی ذات سمجھی جا سکتی ہے جس نے یا تو اپنی مقبوضہ چیزوں اور اون کے کل اجزا کو خود ہی پیدا کیا ہو یا اگر اون کو بدلا دیکر حاصل کیا ہے تو وہ چیز جس کو بدلے میں دیا ہے خود اوسی کی پیدا کردہ ہو۔ اور اہلِ دنیا ایک تو دنیا میں خالی ہاتھ آتے ہیں اور غیر یعنی خدا کی دہی ہوئی چیزوں کے مالک ہوتے ہیں اور عاجز اور مجبور ایسے ہیں کہ ایک تنکا بھی عدم سے وجود میں نہیں لا سکتے۔ اور جس چیز کو بناتے بھی ہیں اوس کا مادہ اور جزء کسی دوسری ہی ذات کا پیدا کیا ہوا ہے اس لئے بھی یہ لوگ کسی چیز کے حقیقی مالک نہیں ہو سکتے۔ تیسرے عالمِ وجود یعنی پیدائش سے مرنے اور فنا ہونے تک کا زمانہ عالمِ دنیا کہلاتا ہے اور فنا ہونے کے بعد کا زمانہ عالمِ آخرت۔ اور عالمِ دنیا دو ہیں۔ عالمِ سفلی یعنی زمین اور اوس کی چیزیں۔ اور عالمِ علوی یعنی آسمان اور اوسکی چیزیں۔ اور اہلِ دنیا کے تصرفات صرف عالمِ سفلی تک محدود ہیں۔ نہ تو عالمِ علوی اِن کے قدرت و اختیار میں ہے اور نہ عالمِ آخرت۔ اس لئے بھی حقیقی مالک نہیں کہے جا سکتے۔ چوتھے تصرف کے تعلق کا دامن بہت وسیع ہے مثلاً کبھی اوس کا تعلق اپنی ملکیت سے نکال دینے یعنی مملوک کو تلف اور فنا کر دینے سے ہوتا ہے اور کبھی کسی غیر کو حقدارِ تصرف بنا دینے سے جسکو تحلیل کہتے ہیں۔ اور کبھی ملکیت بدل دینے جیسے ہبہ کرنے یا بیچ ڈالنے سے۔ اور کبھی فقیر کو مالدار اور مالدار کو محتاج بنا دینے سے اور تندرست کو بیمار اور بیمار کو تندرست کر دینے سے اور کسی کو موت دینے اور کسی کو زندہ باقی رکھنے سے۔ اور ظاہر ہے کہ اہلِ دنیا اپنی مملوک چیزوں میں سوا بعض تصرفات کے ہر قسم کے تصرف پر قادر نہیں ہیں۔ نہ تو بے واسطہ رزق دے سکتے ہیں اور نہ مریض کو صحیح اور صحیح کو مریض کر سکتے اور نہ زندہ کو مردہ اور مُردہ کو زندہ کر سکتے ہیں اور نہ زندوں کی حیات کو

بقیہ حاشیہ مٹ ۱۰۲

اور غیر آریہ ہندو سب کی برائی بیان کی ہے اور سب سے برائی اور دشمنی کرنا آریوں کو تعلیم کیا ہے جو فتنۂ عظیم کا سبب ہے اسلئے قیامت کے فیصلے سے گھبرائے اور تناسخی چکر کو ترجیح دی اور تناسخی ایشور کو خدا مان لیا ۱۲ منہ۔

باقی رکھ سکتے اور اون سے آفتوں اور بلاؤں کو دفع کر سکتے ہیں اسلئے بھی کسی چیز کے حقیقی مالک نہیں کہے جا سکتے بہر حال عالم دنیا سفلی اور علوی اور عالم آخرت سب کا حقیقی مالک اور صحیح جائز التصرف صرف ذاتِ اقدس پروردگار ہے۔ عالم دنیا کی ملکیت کو اوس نے رب العالمین سے بیان فرمایا ہے اور عالم آخرت کی ملکیت کو مالک یوم الدین سے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ سوال کرتا ہے کہ آج ملکیت کس کے لئے ہے پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ خدا اے یکتائے قہار کے لئے۔ یہ سوال و جواب قیامت کے دن سے پہلے ہوگا۔ جس دن کل مخلوقات فنا ہو جائیگی۔ آیت کا تفسیری معنی یہ ہوا کہ ہر طرح کی تعریف کا مستحق وہی خالقِ رحیم و کریم ہے جو عام طور سے کل مخلوقات پر مہربان ہے۔ اور خاص کر کے مومنوں پر اور وہی غفار و قہار جزاء اور سزا کے دن کا مالک و مختار ہے جس دن کل بندوں کو جمع کریگا اور سب کے اعمال کا حساب لیگا۔ اور ہر شخص کے اچھے عمل کا اچھا اور برے عمل کا برا بدلا دے گا۔ اور جسکو چاہیگا اپنی رحمت واسعہ سے بخشیگا اور جسپر چاہیگا عذاب کریگا۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ اصول دین۔ یہ آیت اصول دین میں سے معاد کو ثابت کرتی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ بندوں کے جسموں کے اجزاء جمع کر کے پھر ویسے ہی بدن بنائے جائیں گے جیسے دنیا میں تھے اور اون میں اُن کی روحیں داخل کیجائینگی اور قبروں سے اوٹھائے جائیں گے اور سب کے اعمال کا حساب لیا جائیگا اور بدلا دیا جائیگا۔ اور بہشتی بہشت میں اور جہنمی جہنم میں ڈالے جائینگے اور اس آیت کو خداوندِ عالم نے اسی غرض سے ذکر کیا ہے تاکہ بندے اوس کے غضب سے ڈر کر برے کاموں سے بچیں اور اوس کی رحمت اور نعماتِ آخرت کی امید میں اچھے اعمال بجالائیں اور قیامت کے دن کی ملکیت کو اس غرض سے ذکر کیا ہے تاکہ اوس کی عظمت اور جلالت سے بندے آگاہ ہو جائیں کیونکہ اوس کے سوا کوئی ایسا نہیں جو اوس دن کا مالک ہو سکے حل یتین۔ بطریق شیعہ قرائت

عا صحیحہ ابوبصیر اور عا۲ صحیحہ محمد بن مسلم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اور عا۳ معتبرہ فضل بن شاذان میں حضرت امام رضا علیہ السلام نے لفظ مالک

عا سورۃ المومن پارہ ۲۴ رکوع ۲
عا سورۃ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۴

کو الف کے ساتھ تلاوت فرماکر اوس کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ ع۴ عیاشی نے بسند معتبر محمد بن علی حلبی سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھا کرتے تھے ع۵ عیاشی نے بسند معتبر داؤد بن فرقد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت کو مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھتے ہوئے اس قدر سنا ہے جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ع۶ عیاشی نے بسند عامی زہری سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میرے ساتھ قران ہے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ درمیان مغرب و مشرق کے مجھے کہاں موت آئیگی۔ اور حضرت جب مالکِ یوم الدین پڑھتے تھے تو اوس کو دہراتے تھے اور (خوفِ خدا سے) آپ قریب ہلاکت پہونچ جاتے تھے لہ معنی ع۱ بسند حسن صحیح ابو بصیر کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مالکِ یوم الدین میں یوم دین سے مقصود یوم حساب ہے۔ اور دلیل اس پر کلام پروردگار کہ قالوا یَا وَیْلَنَا ھٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ یعنی یوم الحساب ہے۔ ع۲ بروایت معتبرہ فضل بن شاذان حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ (آیہ مبارکہ) مالکِ یوم الدین (سے) خداوند عالم نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بندوں کو چار چیزوں کا اقرار کرنا چاہیئے ایک) بعث یعنی قبروں سے اوٹھائے جانے کا (دوسرے) اعمال کے حساب کا۔ (تیسرے) اعمال کے اچھے اور برے بدلے کا (چوتھے اس بات کا کہ) خداوند عالم جس طرح دنیا کا مالک ہے اوسی طرح آخرت کا بھی مالک ہے ؎۲ **بطریق اہلسنت۔ قرائت** ع۱ انس بیان کرتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ اور ابوبکر اور عمر اور عثمان مالکِ یوم الدین الف کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ؎۳ ع۲ سالم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت سرورِ عالم ؐ اور ابوبکر اور عمر اور عثمان مالکِ یوم الدین پڑھا کرتے تھے ؎۴

لہ تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۲۹ تا ۳۳ چہوٹی نمبر ۱ ۱۲ منہ ؎۲ تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۲۹ و ۳۱ دونوں نمبر ۱۲ منہ ؎۳ درمنثور جلد ا صفحہ ۱۳ بحوالہ احمد بن حنبل و ترمذی و ابن ابی داؤد و ابن انباری ۱۲ منہ ؎۴ درمنثور جلد ا صفحہ ۱۳ بحوالہ سعید بن منصور و ابن ابی داؤد۔ ۱۲ منہ

۳۔ عنٰ سے ۱۱ تک اسی مضمون کی حدیثیں علامہ سیوطی نے درِ منثور میں لکھی ہیں کہ حضرت
سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ اور اکثر صحابہ وغیرہ جیسے ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ معاویہ۔
یزید۔ طلحہ۔ ابی بن کعب۔ عبداللہ بن عمر۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھا کرتے تھے۔
ان میں سے ایک کے راوی ابن مسعود ہیں۔ اور دو کے زہری۔ اور دو کے ابوہریرہ
اور ایک کے عمر اور ایک کے ابوعبیدہ اور ایک کے ابوقلابہ اور ایک کی بعض ازواجِ
حضرت سرورِ عالم[۴] اور دو روایتوں میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ مالک
کو ملک بغیر الف کے پڑھنے کی بدعت سب سے پہلے مروان نے حادث کی۔ اور
راوی ان دونوں روایتوں کے امام اہلسنت زہری جیسے جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور
چھ روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ
اور کچھ صحابہ جیسے ابوبکر۔ طلحہ۔ عمر۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ معاذ بن جبل۔ ابی
ابن مسعود۔ عثمان۔ علی۔ ملک یوم الدین بغیر الف کے پڑھا کرتے تھے لیکن یہ روایتیں
کئی وجہوں سے لائقِ اعتبار نہیں ہیں ۱۔ یہ کہ گیارہ حدیثیں بطریق اہلسنت اور چھ
حدیثیں بطریق شیعہ جملہ سترہ حدیثیں مالک الف کے ساتھ پڑھنے کو بیان کر رہی ہیں
اور یہ سترہ اون چھ سے جو ملک بغیر الف کے بتا رہی ہیں عدد میں زائد ہیں اسلئے
یہ چھ اون کی معارض اور مقابل نہیں ہو سکتیں۔ ۲۔ چھ حدیثیں بطریق شیعہ
ان گیارہ کی مؤید ہیں۔ اور کتبِ شیعہ میں کوئی حدیث ایسی پائی نہیں گئی جس سے
یہ معلوم ہوتا ہو کہ اہلبیتِ اطہار میں سے کسی نے ملک بغیر الف کے پڑھا ہو تا کہ
وہ ان چھ کی مؤید ہو اس لئے یہ چھ ان گیارہ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ۳۔ بعض
وہ لوگ جنکا ان چھ روایتوں میں نام لیا گیا ہے کہ ملک بغیر الف کے پڑھا کرتے
تھے۔ جیسے ابن مسعود اور عمر۔ وہ خود اس کے راوی ہیں کہ حضرت رسولؐ الف کے ساتھ
پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت رسولؐ کی قرائت کا علم رکھنے والا حضرتؐ کی قرائت
کے خلاف نہیں پڑھ سکتا اس لئے یہ چھ لائقِ اعتبار نہیں ہیں۔ ۴۔ بعض لوگوں
کا نام دونوں قرائتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے حضرت رسولؐ۔ ابوبکر۔ عمر
عثمان۔ طلحہ۔ ابی ابن کعب۔ اور دونوں قسم کی حدیثوں میں یقرء فعل مضارع
پر کان داخل کیا گیا ہے جو دوام اور ہمیشگی کو بتاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک ہی شخص

ہمیشہ الف کے ساتھ اور ہمیشہ بغیر الف کے پڑھ نہیں سکتا اس لئے ان دو قسم کی حدیثوں
میں سے ایک قسم کی حدیث ضرور غلط اور جھوٹی ہوگی۔ اور جس حدیث کی تائید دوسرے
مذہب یعنی مذہب شیعہ کی حدیثیں کرتی ہوں اون کا اعتبار اقرب ہے بہ نسبت اون حدیثوں
کے جنکا کوئی مؤید نہ ہو۔ اور غیر مؤید حدیثیں یہی چھ ہیں اس لئے چھوڑ دیجائینگی۔ ع۵ امام
زہری کی اس تصریح کے بعد کہ بغیر الف کے سب سے پہلے مروان نے پڑھا تھا گمان غالب
اس کا ہے کہ یہ چھ حدیثیں مروان کا عیب چھپانے کے لئے مروانی خلفاء کی خوشامد
میں بنائی گئیں ہیں اس لئے صحیح مالک یوم الدین الف کے ساتھ پڑھنا ہے جو قرائت
اہلبیت اطہار علیہم الصلوۃ والسلام کے مطابق ہے۔ معنی ع۱ بسند صحیح ابن مسعود
اور دوسرے چند صحابہ سے منقول ہے کہ یوم الدین سے یوم الحساب مقصود ہے۔
ع۲ ابن عباس کہتے ہیں کہ جس طرح اہل دنیا دنیا کی ملکیت میں خدا کے شریک ہیں وہ طرح
قیامت کے دن کی حکومت میں خدا کا شریک کوئی نہ ہوگا اور یوم الدین سے وہ دن
مقصود ہے جس دن خلائق کے اعمال کا حساب لیا جائیگا اور وہ قیامت کا دن ہے
خداوند عالم اچھے اعمال کا اچھا اور برے اعمال کا برا بدلا دیگا لیکن وہ شخص جسکے
گناہوں کو بخشدے وہ برے بدلا سے محفوظ رہیگا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ تفسیری معنی خداوند
عالم کی جلالیت قدر اور بزرگی مرتبہ اور بے انتہا نعمتوں اور اعلیٰ حقوق کو خیال کرکے اوسکی
اعلیٰ درجہ کی تعظیم کی غرض سے خلوص اور اعتقاد کے ساتھ اپنے آپ کو اوس کی بارگاہ
کے مقابل میں بیحد ذلیل اور حقیر سمجھنے اور ظاہر کرنے کا نام عبادت ہے۔ اور اوس کی
فرمانبرداری عبادت کو لازم ہے یعنی جو شخص خدا کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم کے خیال سے
اپنی ذات کو بیحد ذلیل اور چھوٹا سمجھے وہ ضرور ہے کہ اوس کے حکموں پر عمل کرے اور
اوس کی مرضی کے مطابق روش کرے اور ممکن نہیں ہے کہ اوس کے کسی حکم کی مخالفت کرے
پس عبادت کا معنی خود اطاعت اور فرمانبرداری اور حکموں پر چلنا نہیں ہے۔ اسیوجہ
سے بیٹے کا باپ کے اور چھوٹوں کا بڑوں کے اور نوکر کا مالک کے حکموں پر عمل کرنے کو
اطاعت اور فرمانبرداری کہتے ہیں لیکن عبادت نہیں کہتے۔ اور عبادت کا حق اسی کو

ع۵ درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۴ بحوالہ ابن جریر و حاکم ۱۲ منہ

حاصل ہے جو ہر طرح کی نعمتیں عطا کرے جن میں وہ نعمتیں بھی داخل ہیں جنپر دوسرے قدرت نہیں رکھتے۔ جیسے پیدا کرنا۔ زندہ رکھنا۔ کام کی قدرت دینا۔ اچھے برے کو پہچاننے کیلئے عقل دینا وغیرہ اور ایسا منعم چونکہ خداوندِ عالم کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اس واسطے عبادت کا حق خاص اوسی کو حاصل ہے اوس کے سوا کوئی بھی اوس کا حقدار نہیں ہے اور چونکہ اوس کی نعمتوں کا خیال اور اونکا دل سے اعتقاد اور زبان سے اقرار عبادت کے معنی میں داخل ہے اس لئے عبادت شکریہ بھی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کا شکریہ۔ اسی بنا پر خداوند حکیم اپنی مقدس فرمائش ایاک نعبد میں تین باتوں کی طرف اشارہ فرمارہا ہے۔ ایک یہ کہ اے میرے بندو تم دل سے اعتقاد کرو کہ عبادت^ع کا مستحق میرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور زبان سے اس کا اقرار کرو اور کہو ایاک نعبد یعنی تیرے بے انتہا حقوق اور اعلیٰ درجہ کی بزرگی کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تعظیم تیری ہی کرتا اور اعلیٰ مرتبہ اور حقیقی مالک اور آقا اور مستحق اطاعت و فرمانبرداری تجھ ہی کو سمجھتا اور سجدہ تذلل اور خاکساری تیرے ہی سامنے کرتا اور ذلت اور عجز و نیاز کا سر تیری ہی بارگاہ کے سامنے جھکاتا ہوں اور تیرے سوا کوئی دوسرا اس طرح کی تعظیم اور عزت و احترام اور اطاعت و فرمانبرداری کا مستحق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ ہر قسم کی نعمت دینے والا میں ہی ہوں اور عقل اور فطرت نعمتوں کا شکریہ ضروری اور واجب جانتی ہے اور کامل شکریہ اوسی وقت انجام پا سکتا ہے جبکہ دل سے اعتقاد اور زبان سے اقرار کیا جائے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ جہاں میری نعمتوں کے دل سے احسان مند ہو وہاں زبان سے بھی کہو ایاک نعبد یعنی پروردگارا میں اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ تیری نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے

ع اعلیٰ درجہ کی تعظیم اور انتہائی تذلل اور خاکساری اور کامل اطاعت و فرمانبرداری ۱۲ منہ

عیسائی ــ پادری عمادالدین کہتے ہیں کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین بھی غلط ہے کیونکہ بغیر مدد کے عبادت نہیں ہو سکتی اسلئے پہلے خدا سے مدد مانگنی چاہیئے یعنی پہلے ایاک نستعین اسکے بعد ایاک نعبد پڑھنا چاہیئے جواب یہ اعتراض جہالت سے پیدا ہوا ہے کیونکہ میں بیان کر چکا کہ عبادت کا معنی خدا کی بزرگی اور عظمت کا اعتقاد اور اقرار کرنا ہے اور اسکے حکم پر عمل کرنا اوسکی فرع اور شاخ اور اسکو لازم ہے پس اس آیت میں مقصود پہلے خدا کی عظمت کے اعتقاد کو ظاہر کرنا ہے اسکے بعد ہر کام میں اسی سے مدد چاہنا خواہ کام دینی ہو یا دنیاوی اور اس آیت کی ترتیب بہت درست اور قافیہ کی رعایت بھی ہو گئی ہے

له تنزیہ الفرقان ص۲۶ بحوالہ کتاب پادری عماد ۱۲ منہ (پادری عمادالدین کا ایاک نعبد و ایاک نستعین پر اعتراض اور اوسکا جواب)

اور ان نعمتوں کا دینے والا تو ہی ہے اور ان نعمتوں میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے اور اس اعلیٰ درجہ کی شکریہ کا مستحق تو ہی ہے۔ تیسرے یہ کہ چونکہ فاعل یا مفعول کو فعل سے پہلے لانا اوس فعل کے معنی کو اوس فاعل یا مفعول میں منحصر کر دیتا ہے اور مطلب اوس کا یہ ہوتا ہے کہ اس فعل کا تعلق اس فاعل یا مفعول کے سوا کسی دوسرے سے نہیں ہے۔ اس لیئے خداوند حکیم و بلیغ نے مفعول یعنی ایّاکَ کو فعل یعنی نعبد سے پہلے ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چونکہ عبادت اور اعلیٰ درجہ کی شکر گزاری کا مستحق میں ہی ہوں اس لئے تم لوگ میری عبادت اور اوس قسم کی شکر گزاری میں جسکا استحقاق خاص مجھ ہی کو ہے اپنی نیتوں کو خالص رکھا کرو اور اوس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا کرو۔ یہاں تک کہ دکھانے اور سنانے کا ارادہ بھی نہ کیا کرو کیونکہ ایسی عبادت اور شکریہ میرے استحقاق کے منافی اور میری مرضی کے مخالف ہے اور ایسے عمل کو میں پسند اور قبول نہیں کرتا۔ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ چونکہ کل مخلوقات ممکن بالذات یعنی اپنی پیدائش اور اسباب زندگی اور صحت و مرض اور اولاد وغیرہ ہر چیز میں دوسرے کی محتاج ہیں اور انھیں مخلوقات میں سے ایک انسان بھی ہے جس سے میری غرض متعلق ہے اور بہ نسبت دوسری مخلوقات کے یہ زیادہ محتاج ہے کیونکہ کل مخلوقات صرف دنیاوی چیزوں میں محتاج ہیں اور انسان

عبادتوں میں خلوص نیت کی شرط

آریہ عـہ مذہب آریہ کے موجد دیانندجی لکھتے ہیں کہ علے کیا بری بات میں بھی مدد چاہنا درست ہے
جواب۔ میں بسم اللہ کی تفسیر میں لکھ آیا ہوں کہ برے کام میں نہ تو خدا مدد دیتا ہے نہ ہم لوگ اوس میں اوس سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ صفت آریوں کے ایشور ہی میں ہے کہ خود بھی کھیلتا ہے اور تمام کھلونوں کا کھلا رہا ہے۔ (دیکھو ستیارتھ پرکاش صـ ۱۳۲ سملاس پہلا نمبر ۳۱) اور برے کام بھی کھیل ہی ہیں۔ پس ایشور ہی برے کاموں میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ عـ۲ سیدھا راستہ کیا مسلمانوں ہی کا ہے
جواب ہاں مسلمانوں ہی کا راستہ سیدھا ہے کیونکہ جس مذہب کا ایشور نیوگ جیسی بے شرمی کی بات کی اجازت بلکہ حکم دیتا ہو وہ پرستش کے قابل نہیں ہے اور اوسکی بتائی ہوئی راہ سیدھی نہیں ہے۔ عـ۳ اگر اچھی باتیں سب کی یکساں ہیں تو پھر مسلمانوں میں کچھ خصوصیت نہ رہی۔ جواب اگر آریوں میں کوئی اچھی بات ہو تو ثابت کریں مسلمانوں کو اون میں کوئی اچھائی ابھی تک معلوم نہیں ہوئی ۱۲ منہ

ایاک نستعین پر آریہ کا اعتراض اور جواب

دنیاوی اور دینی دونوں چیزوں میں۔ پھر دوسرے جاندار دنیاوی چیزوں میں سے بعض چیزوں جیسے لباس کے زیادہ محتاج نہیں ہیں کیونکہ لباس اون کا خلقۃً انکے جسم کے ساتھ قرار دیا گیا۔ اور انسان محتاج ہے اس واسطے دوسروں سے مدد لینے کی ضرورت اس کو زیادہ ہے۔ اور چونکہ ہر مددگار اوسی قدر مدد کر سکتا ہے جتنا اوس کی قدرت کے اندر ہے اور اپنی قدرت سے باہر کی چیزوں میں مدد لینے کا وہ خود بھی محتاج ہے اور دینی اور دنیاوی ضرورتوں کی چیزوں میں زیادہ ایسی ہیں جو انسان کی قدرت اور طاقت سے باہر ہیں۔ اور ہر چیز پر کامل قدرت سوا ذاتِ اقدس پروردگار کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ اسلئے معینِ مطلق یعنی ہر چیز میں مدد دینے والا سوا اوس کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے عقل یہ کہتی ہے کہ اپنے ہم جنس یعنی عاجز اور محتاج مددگاروں کا احسان سر پر لینے سے یہ بہتر ہے کہ ایک تو ایسی ذات سے مدد لیجائے جو ہر ضرورت اور ہر حاجت کو پورا کر سکتی ہو۔ دوسرے یہ کہ دس پانچ کا بارِ احسان اوٹھانے سے بہتر یہ ہے کہ ایک ہی کے احسان کا بوجھ گردن پر لیا جائے تیسرے یہ کہ چونکہ عاجز اور مجبور اور پست فطرت لوگوں کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ بھلائی کر کے احسان رکھیں اور بڑائی جتلائیں۔ اور ہم چشموں کی بڑائی عام طور سے ناگوار ہوتی ہے اسواسطے ایسی بے نیاز ذات کا احسان گردن پر لیا جائے جو ایک تو واقعاً بڑائی کا حق رکھتا ہے۔ دوسرے ہم اوس سے مدد چاہیں یا نہ چاہیں اوس کے بارِ احسان کے نیچے پیدا ہونے کے پہلے ہی سے آچکے ہیں جس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ تیسرے وہ احسان نہیں رکھتا کیونکہ وہ بے نیاز ہے۔ چوتھے اگر احسان رکھے بھی تو وہ ناگوار نہیں گذرتا۔ اور چونکہ عقل سلیم کا حکم خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اس لئے لطف و رحمت کی راہ سے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے یہاں تک کہ علماء کرام نے عام قاعدہ کے طور پر فرما دیا ہے کُلَّمَا حَکَمَ بِہِ الْعَقْلُ حَکَمَ بِہِ الشَّرْعُ وَکُلَّمَا حَکَمَ بِہِ الشَّرْعُ حَکَمَ بِہِ الْعَقْلُ یعنی عقل سلیم کے حکم کے مطابق شریعت حکم کرتی ہے اور شریعت کے حکم کے مطابق عقلِ سلیم حکم کرتی ہے۔ چنانچہ یہاں پر بھی چونکہ حکمِ عقل صحیح اور واقع اور مرضی پروردگار کے مطابق تھا اس لئے اس نے بھی اس کی تائید کی اور اپنے مقدس کلام بلاغت نظام

ایاک نستعین میں دو امروں کی طرف اشارہ فرمایا۔ ایک یہ کہ تمھاری عقل کا حکم صحیح ہے اور یہی مناسب ہے کہ ہر امر میں مجھ ہی سے مدد چاہو۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ میں تمھاری ہر حاجت کو اوسی وقت سے پوری کر رہا ہوں جبکہ تم یا کچھ نہ تھے یعنی زمانہ حمل میں یا کچھ جانتے نہ تھے اور نہ مدد چاہ سکتے تھے یعنی ماں کی گود اور بچپن میں اور اسی طرح آخر عمر تک پوری کرتا رہونگا کیونکہ جب بے مانگے کافر کو دے رہا ہوں تو مومن جیسے عزیز کو کیوں نہ دونگا لیکن اب جبکہ تم صاحب عقل و ہوش ہوئے تم کو میری ہستی اور بزرگی اور منعمیت اور استحقاق تعظیم وغیرہ کے خیال سے میری طرف ضرور متوجہ ہونا چاہیے کیونکہ اگر سب کے سب اس خیال سے مجھ سے منہ موڑ لیں یا غفلت کریں کہ میں بے مانگے اون کی حاجتوں کو پوری کرتا رہونگا۔ تو میری ہستی اور عظمت وغیرہ دنیا پر کیونکر ظاہر ہوگی اس واسطے تم میری طرف رُخ کرو اور کہو کہ ایاک نستعین پروردگار تو ہی قادر مطلق اور حقیقی اور غنی اور نیاز مددگار ہے میں اپنی ہر حاجت میں تجھ ہی سے مدد اور توفیق چاہتا ہوں۔ فائدے پہلا فائدہ اعانت اور توفیق میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ جن چیزوں پر انسان قدرت رکھتا ہے اون میں مدد دینے کو اعانت کہتے ہیں اور اوس کی مقدور و غیر مقدور کل چیزوں میں مدد دینے کو توفیق۔ پس مدد دینے والوں کے لحاظ سے اعانت عام ہے اور توفیق خاص یعنی لفظ معین خدا کی ذات پر بھی بولا جاتا ہے اور مخلوقات پر بھی اور لفظ مُوَفِّق سوا خدا کے کسی پر نہیں بولا جاتا اور حاجتوں کے

ع۵ سنہ ۱۳۴۶ھ میں مشہد مقدس کی زیارت سے واپسی کے وقت درمیان دہلی اور مرادآباد کے ریل پر ایک آریہ نے مجھ سے سوال کیا کہ جب آپ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپکے نبی اور ائمہ آپ کی کل حالتوں کو جانتے ہیں تو اُن کے پاس جانے کی کیا ضرورت میں نے جواب دیا کہ صحیح ہے خدا کے فرشتے ہماری کل حالتوں سے اُن حضرات کو آگاہ اور ہمارے اعمال لکھکر اُن تک پہونچاتے رہتے ہیں لہذا اپنی محبت اور دینداری ظاہر کرنے کی غرض سے ہمکو اون کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہر بزرگ کا حق ہے کہ لوگ انکی بزرگیوں کو ظاہر کریں وہ اہل دنیا کی نگاہیں ظاہر کو دیکھتی ہیں اگر کسی اچھے آدمی کی عزت سب کے دلوں میں ہو لیکن کوئی اُس کے پاس کبھی جائے تو لوگ اوس کی بزرگی ظاہر نہ ہوگی اور اگر کسی بڑے کے پاس لوگ کثرت سے جایا کریں تو اہل دنیا سمجھنے لگے کہ بڑے مرتبہ کا آدمی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کسی کے پاس کثرت سے آنا جانا اس سے محبت اور اسکی بزرگی کو ظاہر کرتا ہے۔ خاص کر اگر جانے آنے میں ہزاروں روپئے خرچ بھی کئے جائیں جو دل کی محبت اور حالت کو ظاہر کرنے میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔ پس ہم لوگ انکی عظمت کو

لحاظ سے توفیق عام ہے اور اعانت خاص۔ یعنی جو چیزیں مخلوقات کی قدرت کے اندر ہیں اور جو اوس سے باہر ہیں سب میں مدد دینے کو توفیق کہتے ہیں اور صرف اون کی قدرت کی چیزوں میں مدد دینے کو اعانت۔ مختصر یہ کہ خدا کی مدد کو اعانت بھی کہتے ہیں اور توفیق بھی اور انسان کی مدد کو صرف اعانت۔ اس لئے خدا معین اور مُوَفِّق دونوں کہلاتا ہے اور انسان صرف معین اس واسطے ایاک نستعین کا معنی ایاک نستوفق ہے یعنی تجھ ہی سے اُن حاجتوں میں بھی مدد چاہتا ہوں جن میں تیرا غیر مدد دیسکتا ہے اور اون حاجتوں میں بھی جن میں غیر مدد نہیں دیسکتا۔ دوسرا فائدہ۔ خداوند عزیز و جلیل نے اس سورۂ مبارک میں اپنے اسماء حسنیٰ میں سے پانچ ناموں کو ذکر فرمایا ہے۔ ۱ اللہ ۲ رب ۳ رحمن ۴ رحیم ۵ مالک۔ لفظ اللہ سے اپنے جامع صفات کمال اور مستحق عبادت و تعظیم ہونے کو بیان فرمایا ہے اور لفظ رب سے اپنی خالقیت اور رازقیت وغیرہ نعمتوں اور حقوق کو۔ اور لفظ رحمن سے دنیاوی رحمت اور مہربانی کو جو کل مخلوقات کو شامل ہے۔ اور لفظ رحیم سے اخروی رحمت و مہربانی کو جو مومنوں کے لئے خاص ہے۔ اور لفظ مالک سے آخرت کی ملکیت اور حکومت کو اور مخلوقات کی چار حالتیں ہیں ۱ محتاج اور مجبور صرف ہونا جو ذلت اور پستی کی دلیل ہے۔ ۲ پیدائش کے پہلے کی حالت ۳ زمانۂ حیات کی حالتیں ۴ مرنے کے بعد کی حالتیں۔ پہلی حالت لفظ اللہ سے تعلق کو ظاہر کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ محتاج اور مجبور اور ذلیل و پست کو غنی اور قادر مطلق اور شریف و جلیل سے متوسل ہونا اور سہارا پکڑنا چاہئے کیونکہ عقل حکم کر رہی ہے کہ پست کا حق رجوع کرنا اور شریف کا حق مرجع بننا ہے۔

دوسری حالت کا تعلق لفظ رب سے ہے اور اس امر کو بتاتی ہے کہ جس نے وجود اور ہستی جیسی عزیز اور محبوب نعمت دی ہے اور ہر طرح کی نعمتوں سے سرفراز کر رہا ہے اوس کے حقوق کو پہچانو اور اوس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔

تیسری حالت۔ لفظ رحمن سے تعلق رکھتی ہے اور اس امر کو بتاتی ہے کہ اوس حقیقی مہربان کی فیاض بارگاہ کی طرف اپنی توجہ اور اپنا رخ رکھو اور

بندوں کی حالتیں اور خدا سے تعلقات

اور اوس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے اور اپنی حاجتیں مانگتے رہو اور ہمیشگی لطف
ومرحمت و مہربانی کیلئے دعائیں کرتے رہو تاکہ وہ اپنی نعمتوں کو زیادہ کرتا رہے کیونکہ
وہ خود فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ یعنی اگر تم میری اطاعت اور شکر گزاری کرتے
رہو گے تو میں اپنی نعمتیں تم پر زیادہ کرتا رہونگا۔ اور اگر آئندہ تمھارے مقدرین تنگی۔ پریشانی
دُکھ۔ درد مصیبت۔ بلا۔ یا عمر طبعی سے پہلے موت ہو تو وہ اوس کو بدل دے اور دفع
کردے کیونکہ وہی مالکِ مقدرات اور قادرِ مطلق ہے۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے
يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ یعنی جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا اور جس
چیز کو چاہتا ہے لکھتا ہے اور ام الکتاب یعنی لوحِ محفوظ اوسی کے پاس اور اوسی کے
قبضۂ قدرت میں ہے۔ چوتھی حالت لفظ رحیم اور مالک سے متعلق ہے اور اس امر کو
بتاتی ہے کہ اُس مالکِ روز قیامت سے اوس کی اخروی مہربانیوں کو چاہتے رہو تاکہ وہ
تمھارے گناہوں سے درگذر کرے اور اپنے خاص اور مقرب بندوں کی رفاقت نصیب
کرے اور بہشتِ بریں میں جگہہ دے کیونکہ اوس دن کا مالک اور صاحبِ حکومت اوسکے
سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اور یہ کل باتیں صرف دو جملوں یعنی ایاک نعبد و ایاک نستعین
سے ادا اور حاصل ہو جاتی ہیں کیونکہ انکا معنی یہ ہے کہ اے پروردگار میں تجھ ہی کو لائق
تعظیم اور مستحقِ عبادت جانتا اور تیری ہی اطاعت و عبادت اور حقیقی شکر گزاری کرتا ہوں
اور تجھ ہی سے اپنے ہر امرِ دنیاوی اور دینی میں مدد اور توفیق چاہتا ہوں جو خیرِ دنیا
اور فلاحِ آخرت کا ذریعہ ہے۔ تیسرا فائدہ۔ ان دونوں جملوں سے خداوند عالم نے
اپنے مومن بندوں کے قرب اور منزلت کو بیان کرنا چاہا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ اس
سے پہلے کی آیتوں میں اوس نے اپنی ذاتِ اقدس کو غائب کے حکم میں رکھا ہے۔ اور ان
دونوں جملوں میں حاضر کے حکم میں۔ اور اگلی آیتوں میں اوس کی جلالت اور عظمت اور
نعمتوں اور حقوق کا بیان ہے۔ پس گویا کہ اوس حکیم کی غرض یہ ہے کہ جو شخص میری عظمت
و جلالت اور نعمتوں اور حقوق کا سچے دل سے اعتقاد اور خالص نیت سے اقرار کرے
اوس کو میری بارگاہ میں اس قدر قرب اور عزت حاصل ہو جاتی ہے کہ گویا وہ میرے
سامنے ہو جاتا ہے اور میں اوس کے سامنے۔ اور سامنے موجود رہنے والوں کا حق
یہ ہے کہ حاضر کی ضمیر سے خطاب کریں اور یوں کہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین اور اھدنا الصراط

اور انعمت علیہم **فقہ**۔ یہ دونوں جملے اس امر کی تعلیم دے رہے ہیں کہ عبادت اور استعانت میں خدا ہی کی طرف توجہ کرنی اور نیت کو خالص رکھنی چاہیے کیونکہ عبادت میں غیر خدا کو شریک کرنا اگرچہ دکھانے یا سُنانے ہی کی غرض سے ہو۔ اور دوسروں کو اپنا معین و مددگار سمجھنا اور زبان سے ایاک نعبد و ایاک نستعین کہنا ترکِ باطنی اور واقع کے خلاف ہے اور عمل کو خراب اور بیوقعت کر دیتا ہے۔ اور خداوند عالم الغیب اور خود اوس کا دل اوس کو جھوٹھلاتے ہیں۔ **کلام** عبدالملک بن مروان کے پاس ایک قدریہ آیا۔ اوس سے کل علماء شام نے بحث کی اور سب مغلوب ہوئے تو عبدالملک نے کہا کہ اس کا مقابلہ سوا محمد بن علی (یعنی امام محمد باقر ؑ) کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اور حضرت کو مدینہ سے بُلایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بڈھا ہوا سفر کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور حضرت امام جعفر صادق ؑ کو بھیجدیا۔ جب آپ پہونچے تو عبدالملک نے آپ کو کمسن دیکھکر حقیر سمجھا اور مباحثہ کرانا نہیں چاہتا تھا۔ اور ڈرتا تھا کہ اگر قدریہ غالب آگیا اور اہلِ شام نے سُنا تو اچھا نہ ہوگا۔ اوس کے کل درباریوں نے مباحثہ کرانے پر اصرار کیا چنانچہ جب مقابلہ ہوا تو قدریہ نے حضرت سے کہا کہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ آپ نے فرمایا سورہ الحمد پڑھ۔ اوس نے پڑھنا شروع کیا۔ جب ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تلاوت کی تو حضرت نے فرمایا ٹھہر جا۔ اور فرمایا کہ تجھکو خدا سے مدد چاہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ (باعتقاد تیرے) ہر چیز تیرے ہی اختیار میں ہے پس قدریہ گھبرا گیا اور کچھ بول نہ سکا[۱]۔ قدریوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر کام کا اختیار بندوں ہی کو ہے۔ خدا کے حکم اور قضا و قدر اور ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں نہ تو دخل ہے نہ وہ کچھ کر سکتا ہے اس لئے حضرت نے ایاک نستعین سے اوس پر حجت تمام کی اور وہ مغلوب ہو گیا۔ کیونکہ قدریوں کے عقیدہ کی بنا پر خدا سے مدد چاہنا غلط اور بیکار و لغو ہے۔ **حدیثین**

بطریق شیعہ ۱۔ صحیحہ ابو بصیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ مُخَاطَبَۃُ اللّٰہِ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ مِثْلُہٗ۔ یعنی ان دونوں جملوں کو پڑھنا خدا سے ہمکلام ہونا ہے[۲]۔ گویا مقصود حضرت کا یہ ہے کہ اس آیت کو پڑھنے والوں کیلئے

---

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۳۳۔ ۱۲ منہ [۲] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۹ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم علیہ الرحمہ ۱۲ منہ

چند باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک خدائے برتر سے ہمکلام ہونے کی عزت و شرافت۔ دوسرے اوس حقیقی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہونا۔ تیسرے بادشاہ عالم الغیب سے اپنے دل کی باتوں کو ظاہر کرنا۔ چوتھے اوس مالک دنیا و آخرت سے اپنی حاجتوں کو چاہنا۔ پہلی بات یہ چاہتی ہے کہ ایسی عزت بخشنے کا شکریہ ادا کرے اور خدا کا شکریہ اوس کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ دوسری بات یہ چاہتی ہے کہ اوس بادشاہِ جلیل کی بارگاہ کے آداب کو پیشِ نظر رکھے یعنی ایک تو بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے اپنے بدن اور لباس کو ظاہری اور باطنی گندگیوں اور کثافتوں سے پاک کرے چنانچہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوا آہ یعنی جب نماز میں کھڑا ہونا چاہو تو طہارت کرلو۔ اور خُذُوا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ یعنی ہر نماز کے وقت بقدر اپنی وسعت اور قدرت کے اچھا کپڑا پہن لو و ثِیَابَکَ فَطَہِّرْ اور اپنے کپڑوں کو گندگیوں سے پاک کرلو۔ وغیرہ۔ دوسرے سکینہ و وقار سے کھڑا ہو یعنی اعضا کی کوئی حرکت بیکار نہ ہو۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھئے۔ اور حالت ایسی طاری ہو جیسے نہایت درجہ ذلیل غلام بہت بڑے جلیل القدر مالک کے سامنے خوف و ہراس کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ **حکایت**۔ عبدالحمید خاں بادشاہ قسطنطنیہ کے وزیروں میں سے ایک وزیر اوس سے گفتگو کر رہا تھا۔ اوس وزیر کے کپڑے میں ایک بچھو جو پہلے سے چمٹا ہوا تھا اوس کو ڈنک مار رہا تھا اور ہر ڈنک پر اوس کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا لیکن آدابِ شاہی کے خیال سے کچھ نہ کرسکا۔ عبدالحمید خاں نے چہرہ کا رنگ متغیر دیکھ کر سبب پوچھا لیکن اوس نے ظاہر نہ کیا۔ آخر میں بادشاہ کے اصرار پر اوس نے ظاہر کیا۔ کپڑا دیکھا گیا تو بڑا سا بچھو نکلا۔ حقیقی بادشاہ کی بارگاہ کے آداب کو ہمارے ائمہ کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام نے جہاں زبانِ مبارک سے بیان فرمایا ہے عمل کر کے بھی دکھا دیا ہے۔

چنانچہ ایک واقعہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا جس کو سُنی اور شیعہ دونوں نے لکھا ہے یہ ہے کہ آپ نماز میں مشغول تھے شیطان اژدھے کی صورت میں آیا اور آپ کے ایک پاؤں کے انگوٹھے میں زور سے کاٹا لیکن حضرت کو مطلق خبر نہ ہوئی آسمان سے منادی (جبرئیل امین نے بحکم ربِ جلیل) آواز دی کہ اَنْتَ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ یعنی عبادت کرنیوالوں کی زینت تم ہو۔ جب سے آپ کا لقب زین العابدین قرار پایا ۱؎

اور آپ کے جدِ امجد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پانوں سے نماز کی حالت میں تیر نکالا گیا جس کی تکلیف آپ کو بالکل محسوس نہ ہوئی۔ تیسری بات یہ چاہتی ہے کہ عالم الغیب بادشاہ کے سامنے دلی خیالات کے خلاف کوئی بات نہ بولے یعنی دل کے خیال کو اپنے بیان کے مطابق رکھے۔ کیونکہ ایک تو غلط بات بے وقعت ہوتی ہے۔ دوسرے خداوندِ مالک الملوک جہاں رحیم و کریم ہے جبار و قہار بھی ہے۔ اور جزاء و سزاء سب پر قادر ہے اور غلط گوئی کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور ظاہر و باطن کی مخالفت منافقانہ صفت سمجھی جاتی ہے۔ چوتھی بات یہ چاہتی ہے کہ اس آیت کو پڑھنے کے وقت اوس کی طرف پوری توجہ رکھے۔ اور گریہ وزاری کرے۔ اور اگر رونا نہ آتا ہو تو رونے والوں کی سی صورت بنائے اور نہایت عاجزی اور فروتنی سے عرض کرے ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ ۲؎ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم اپنے بندوں سے (بغرض تعلیم) ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو جن پر میں نے نعمتیں نازل کیں کہو کہ اے منعم ایاک نعبد یعنی تیری وحدانیت کا اعتقاد اور اقرار رکھتے ہوئے ذلت اور فروتنی کے ساتھ خالص نیت سے تیری ہی اطاعت کرتا ہوں نہ کسی کو دکھانے کا ارادہ رکھتا ہوں نہ سنانے کا۔ و ایاک نستعین یعنی تیری اطاعت اور عبادت میں اور تیرے دشمنوں کی شرارتوں اور مکروں کے دفع کرنے میں اور تیرے کل حکموں پر ثابت قدم رہنے میں تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں لہ ۳؎ معتبرہ فضل بن شاذان میں حضرت امام رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ایاک نعبد میں چند چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک خدا کی طرف توجہ اور رغبت کرنی۔ دوسرے اوس کی بارگاہ میں قرب اور عزت حاصل ہونا۔ تیسرے اسکی عبادتوں میں نیت کو خالص رکھنا۔ اور ایاک نستعین سے بھی چند چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک عبادتوں کے لئے زیادتی توفیق کی خواہش۔ دوسرے اوس کے نعمتوں کے ہمیشہ باقی رہنے کی آرزو۔ تیسرے ہر مشکل میں اوس کی مدد کی تمنا ۲؎

لہ تفسیر صافی بحوالہ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام ۱۲۔ منہ ۲؎ تفسیر برہان جلد ۱ ص ۳۱ بحوالہ من لا یحضرہ الفقیہ۔ ۱۲ منہ۔

بطریق اہلسنت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایاک نعبد سے مقصود یہ ہے کہ پروردگار تیری ہی وحدانیت کا اقرار کرتا ہوں اور تجھ ہی سے ڈرتا اور تجھ ہی سے امید رکھتا ہوں نہ تیرے غیر سے۔ وایاک نستعین یعنی تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں تیری اطاعت اور اپنے کل امور میں سلہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

قرائت راغب اصفہانی جو سنی المذہب تھے کتاب محاضرات میں لکھتے ہیں کہ لا الضالین اصل میں غیر الضالین تھا۔ اور کوفیوں کا لا کو غیر کے معنی میں لینا اس کا مؤید ہے۔

لغت اِھدِ غیر مومن کیلئے" دکھا دے" مومن کیلئے" باقی رکھ" نا" ہم لوگوں کو" صراط" راہ" مستقیم سیدھی" الَّذین" ان لوگوں کی" اَنعمتَ نعمتیں اتاریں" علیھم جن پر

سلہ درمنثور جلد ا صلا بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم ۱۲ منہ (آریہ) عہ مذہب آریہ کے موجد دیانند جی لکھتے ہیں کہ جب مسلمان تناسخ اور پہلے کئے ہوئے گناہ اور ثواب نہیں مانتے تو بعض پر رحمت کرنے اور بعض پر نہ کرنے سے خدا طرفدار ٹھہرتا ہے کیونکہ بغیر ثواب اور گناہ کے رنج و راحت دینا بے انصافی ہے (ستیارتھ پرکاش) **تحقیقی جواب** مسلمان تناسخ کو نہیں مانتے کیونکہ ان کا خدا تناسخی چکر میں گرفتار نہیں ہے اس لئے کہ وہ قادر مطلق ہے اور روحوں کو پیدا کرتا رہتا ہے۔ تناسخی چکر میں ایشور ہی گرفتار ہے جو روح اور مادہ کا برابر کا بھائی اور ان کو پیدا کرنے سے مجبور ہے کیونکہ تینوں ازلی ہیں سلہ جسکی وجہ سے اون کی سزا نہیں کر سکتا۔ اور روحوں کو محدود سمجھنے کی وجہ سے ایک ہی روح کو ہزاروں قالبوں یعنی ڈھانچوں میں پھیر بدل کرتا رہتا ہے جس کو دیانند جی غلطی سے نیک اور بد اعمال کا بدلا سمجھ رہے ہیں رہے پہلے کئے ہوئے اچھے اور برے اعمال تو ان کو مسلمانوں سے بڑھ کر آج تک نہ کسی نے سمجھا اور نہ اپنے اعمال کا خیال ثواب اور عذاب کا خیال رکھا۔ اگر اس کا شرف حاصل ہے تو صرف مسلمانوں کو۔ کیونکہ حقیقی انصاف اور ثواب و عذاب پر پوری قدرت رکھنے والا

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۱۸)

غیر سوا المغضوب وہ لوگ غضب نازل ہوا علیہم جن پر ف لا الضالین اور نہ وہ ہیں جو گمراہ ہو گئے لفظ لا بصریوں کے نزدیک زائد ہے اور کوفیوں کے نزدیک غیر کے معنی میں۔

ترکیب اھد فعل انت پوشیدہ فاعل۔ نا ضمیر جمع متکلم کی پہلا مفعول، صراط موصوف مستقیم صفت" دونوں مل کر مبدل منہ، صراط مضاف، الذین اسم موصول، مبدل منہ۔ انعم فعل ت، ضمیر واحد مذکر حاضر کی فاعل، علی حرف جار، ہم ضمیر جمع مذکر کی مجرور، جار اور مجرور مل کر

بقیہ حاشیہ ص ۱۱۷

انھیں کا خدا ہے۔ اپنے فرمانبرداروں پر رحمت نازل کرتا ہے اور کافروں اور نافرمانوں پر غضبناک ہوتا ہے اور کامل انصاف یہی ہے۔ اور دوسروں کے خدا خود مخلوق اور مجبور ہیں اور سزاء و جزاء ان کی طاقتوں سے باہر ہے۔ اسی وجہ سے تناسخ کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ **الزامی جواب** اگر تھوڑی دیر کیلئے دیانند کی یہ رائے مان لی جائے کہ اچھے اور بُرے اعمال کے بدلا ہی کا نام تناسخ ہے۔ تو اس سے یہ پتہ ملیگا کہ ان کا ایشور عقل جیسی شریف چیز سے محروم ہے۔ اگر سمجھدار ہوتا تو تناسخ کو تجویز نہ کرتا کیونکہ اس سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں **اُن میں سے ایک گناہگار کو گناہ میں مدد دینا** اور آزاد ہوکر گناہ کرنے کا موقع دینا ہے۔ بیان اُس کا یہ ہے کہ بہ نسبت انسان کے جانوروں میں قوتِ شہوانیہ یعنی خواہش پرستی کی قوت زیادہ ہے اور وہ آزاد ہو کر اوس کو پوری کرتے ہیں پس اگر زناکار آریہ کو تناسخ کے قاعدہ سے اوس کا ایشور اوس کی بداعمالی کی سزا میں کتا یا سُور یا بندر کی صورت میں جنم دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ آریہ جو پہلے محدود عورتوں سے زنا کرتا تھا اب اس کا ایشور یہ چاہتا ہے کہ دل کھول کر اپنی خواہش پوری کرے۔ اور ماں بہن بیٹی وغیرہ میں تصرف کرنے سے بھی نہ رُکے۔ اگر اُن کے ایشور کے عقل اور غیرت کی یہی شان ہے تو اس سے وہ بُت ہی اچھے ہیں جو بیجان اور بے زبان ہیں۔ اگر اچھا کام نہیں کراتے تو بُرا بھی نہیں کراتے۔ **دوسرے** ایشور ظالم ٹھہرتا ہے۔ بیان اُس کا یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ گناہ انسان ہی کرتا ہے۔ جانور اس سے محفوظ ہیں۔ پس اگر فرض کیا جائے کہ کسی آریہ کو اُس کے ایشور نے اُس کے جرم کی سزا میں جانور یا گھاس پات یا اینٹا پتھر کا جنم دیا اور اُس ڈھانچہ میں اِس قدر رہا کہ گناہوں سے پاک ہوگیا۔ اب چونکہ پاک ہو چکا ہے اُس کو انسان کا جنم پانا چاہیے۔ پس ایشور اگر اوس کو انسان کا جنم دیدے تو اس سے معلوم ہوگا کہ وہ چاہتا ہے کہ یہ آریہ پھر گناہ کرے اور کتے۔ سُور کا جنم پائے۔ اور یہ ظلم صریح اور گناہ سے راضی اور خوشنود ہونا اور اوس کو رواج دینا ہے۔ اور ظالم اور گناہ پسند خدائی کے لائق نہیں ہے ۱۲ منہ۔

متعلق اَنعمتَ کے فعل۔ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ غیر مضاف مغضوب مضاف الیہ اور معطوف علیہ اور عَلَیہم جار مجرور مل کر مغضوب کے اور لَا زائد اور ضالین معطوف بصریوں کے نزدیک، اور کوفیوں کے نزدیک غیر مضاف۔ اور مغضوب مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ اور لَا بمعنی غیر مضاف اور ضالین مضاف الیہ مل کر معطوف اور مضاف و مضاف الیہ مل کر بصریوں کے نزدیک اور معطوف علیہ و معطوف مل کر کوفیوں کے نزدیک بدل الّذین کا مبدل منہ اور بدل اور صلہ مل کر مضاف الیہ؛ مضاف اور مضاف الیہ مل کر بدل، مبدل منہ اور بدل مل کر۔ دوسرا مفعول، اِھدِ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ، معنی پروردگارا ہم لوگوں کو سیدھی راہ دکھا یا ہم لوگوں کو سیدھی راہ پر باقی رکھ۔ ایسے لوگوں کی راہ جن پر تو نے اپنی نعمتیں اُتاریں جو غیر تھے اُن کے جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہو گئے۔ تفسیر ظاہری لغت میں ہدایت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک راہ بتانی۔ دوسرے مطلوب تک پہونچا دینا۔ لیکن علمائے فریقین میں اس امر میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں خداوند عالم نے لفظ ہدایت سے کیا مراد لیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ دینِ حق پر باقی رکھنا مقصود ہے کیونکہ خداوند حکیم کل خلق کو دینِ حق بتا چکا اور راہِ راست دکھا چکا۔ لیکن چونکہ انسان کے دل میں بُرے خیالات آتے رہتے ہیں جو دینِ حق اور راہِ راست سے ہٹ جانے کا سبب ہو سکتے ہیں اس لئے اِس امر کی دعا کرنا بہتر ہے کہ خداوندا دینِ حق پر باقی رہنے کی مجھے توفیق دے اور مدد کر بارہ۔ اور کلام پروردگار اَلَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی میں زیادتی ہدایت سے۔ اور اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ میں ہدایت سے مقصود یہی توفیق اور مدد ہے۔ اور اس طرح کا محاورہ کثرت سے رائج ہے۔ جیسے کھڑے ہوئے شخص سے کہتے ہیں قُم یعنی کھڑا رہ۔ اور کھانے میں مشغول شخص سے کہتے ہیں کُل یعنی کھاتا رہ اور بعض نے کہا ہے کہ ہدایت سے مقصود ثواب یعنی جنت کی راہ ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ کلام دونوں لغوی معانی میں سے ایک کی طرف پلٹ جاتا ہے کیونکہ اِھدِنا کہنے والا اگر گمراہ ہے تو معنی اوس کا یہ ہوگا کہ مجھے راہِ حق بتا جو بہشت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے اور اگر ہدایت پا چکا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ توفیق دے تاکہ بہشت میں پہونچانے والے اعمال کو انجام دیتا رہوں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مقصود آئندہ راہ بتانی ہے یعنی جس طرح آج سے پہلے راہِ حق بتائی اور دینِ حق تک پہونچایا آج کے بعد بھی دینِ حق بتاتا رہنا۔ میں عرض کرتا ہوں

کہ یہ کلام بھی پہلے کلام کی طرح پلٹ رہا ہے اور حاصل اوس کا دینِ حق پر باقی رہنے کے لئے توفیق چاہنی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ دعا بھی عبادت ہے اس لئے اھدنا کے ساتھ دعا کرنے سے صرف اس امر کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مجھ کو جو کچھ غرض اور تعلق ہے وہ خدا ہی سے ہے غیر خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور خداوند عالم کی وحدانیت اور عظمت وغیرہ کا اعتقاد رکھتے ہوئے ہمیشہ اوس کی حمد وثنا اور اقرار عظمت و جلالت وغیرہ میں جو مصلحت ہے جس کی وجہ سے ان چیزوں کا حکم دیا گیا۔ وہی مصلحت لفظ اھدنا سے سوال کرنے میں بھی ہے (اور یہ مصلحت اوس کی عظمت و جلالت اور حقوق اور صفات کمال کو ظاہر کرنا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ایاک نعبد وایاک نستعین میں ذکر کیا گیا) میں عرض کرتا ہوں کہ اس آیت کی تلاوت کرنیوالے مومن ہوں گے یا غیر مومن۔ مومن کیلئے اس کا صحیح معنی ہدایت پر باقی رہنے کی توفیق دینا ہے۔ اور غیر مومن کیلئے راہِ حق دکھانا۔ اور اُس تک پہونچنے کی توفیق دینا۔ پس مومن یہ ارادہ کرے گا کہ خداوندا مجھکو راہِ راست پر باقی رہنے کی توفیق دے۔ ۱۲ اور صراطِ مستقیم کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک کتابِ خدا۔ دوسرے اسلام۔ تیسرے دینِ خدا جس کے سوا کوئی دوسرا دین مقبول نہیں ہے۔ پس اگر مومن ہدایت کی دعا کرے تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ خداوندا مجھے اپنی کتاب پر عمل کرتے رہنے یا اسلام یا دینِ حق پر باقی رہنے کی توفیق دے۔ اور اگر غیر مومن دعا کرے تو معنی یہ ہوگا کہ خداوندا مجھے اپنی کتاب کے اختیار کرنے یا اسلام یا دینِ حق کے قبول کرنے کی توفیق عطا کر۔ فائدہ باوجودیکہ پڑھنے والے اور ہدایت کی دعا کرنے والے تنہا ہوتے ہیں اور تنہا کیلئے اِھدِنی ضمیر مفرد کی مناسب تھی۔ خداوند حکیم نے اِھدنا جمع کی ضمیر لا کر ایک تو مومنوں کے ساتھ ہمدردی اور حُسنِ سلوک کو تعلیم کیا ہے یعنی تم جو بھلائی اپنے لئے چاہو اپنے برادر مومن کے لئے بھی چاہو کیونکہ بھائی کا حق یہی ہے۔ دوسرے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چونکہ مومن کے لئے دعا کرنا اوس کے مقبول ہونے کا سبب ہے جیسا کہ کئی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اس لئے ہدایت کی دعا میں اُن کو بھی شریک کر لو تاکہ قبول ہو جائے۔

حدیثیں بطریق شیعہ ۱ بسندِ معتبر حضرت امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اھدنا الصراط المستقیم میں تین امروں کیلئے دعا کرنے کی تعلیم

کی گئی ہے۔ ایک اوس کے دین کی طرف ہدایت کرنے کی۔ دوسرے اوس تک پہونچنے کا ذریعہ عطا کرنے کی۔ تیسرے اُس کی ذات اور کبریائی اور عظمت کی معرفت میں ترقی دینے کی[1] ع۲ بسند معتبر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے آبار کرام کے سلسلہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اِھدِنا کا معنی یہ ہے کہ خداوندا اپنی اُس توفیق کو آئندہ بھی میرے ساتھ باقی رکھنا جس کے سبب سے میں نے آج تک تیری فرمانبرداری کی۔ اور صراطِ مستقیم دو ہیں۔ ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ صراطِ دنیا یہ ہے کہ بلندی سے نیچا اور پستی سے اونچا ہے۔ (یعنی اپنی حد سے نہ آگے قدم بڑھائے نہ پیچھے رہے) بلکہ درمیانی حالت اختیار کرے اور باطل کی طرف نہ جھکے۔ اور صراطِ آخرت مومنوں کا راستہ ہے جو سیدھا بہشت کی طرف گیا ہے کہ وہ (جب اُس پر چلیں گے تو) سوا بہشت کے نہ جہنم کی طرف جھکیں گے نہ کسی دوسری طرف[2] ع۳ بسند معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ خداوندا مجھکو راہ راست اختیار کرنے اور اُس پر باقی رہنے کی توفیق دے۔ جو تیری محبت اور تیرے دین تک پہونچائے اور میری ایسی دلی خواہشوں اور خود رائیوں سے مجھے بچائے جو میری (دنیاوی اور اُخروی) ہلاکت کا سبب ہوں[3] مؤلف میں عرض کرتا ہوں کہ پہلی حدیث غیر مومن کی ضرورت کو بتاتی ہے اور دوسری مومن کی ضرورت کو اور تیسری دونوں کی ضرورتوں کو۔ ع۴ صحیحہ سعدان بن مسلم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے کوئی بجلی کی طرح سے اُس پر سے گذر جائیگا اور کوئی دوڑتے ہوئے گھوڑے کی طرح اور کوئی پانوں پر چلیگا اور کوئی گھٹنوں پر اور کوئی پل صراط سے لٹک کر۔ پس اس کے بعض حصہ تک جہنم کی لپک پہونچے گی اور بعض حصہ بچا رہے گا[4]

بطریق اہلسنت ع۱ ابن عباس کہتے ہیں کہ اِھدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے مقصود اَلْھِمْنَا دِیْنَکَ الْحَقَّ ہے یعنی ہم پر دین حق الہام کر[5] ع۲ اور اُن کی دوسری روایت میں

---

[1] تفسیر برہان جلد ۱ ص۳۲ بحوالہ فقیہ ۱۲ منہ [2] برہان جلد ۱ ص۳۲ بحوالہ فقیہ ۱۲ منہ [3] برہان جلد ۱ ص۳۲ بحوالہ فقیہ ۱۲ منہ [4] برہان جلد ۱ ص۲۹ بحوالہ علی بن ابراہیم ۱۲ منہ [5] درمنثور جلد ۱ ص۱۵ بحوالہ ابن ابی حاتم ۱۲

کہ ہم پر وہ راہ الہام کر جو ہدایت کرنے والی ہو اور یہ راہ دینِ خدا ہے جس میں کجی نہیں ہے [۱]۔ ۳۔ بسندِ صحیح عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے کتابِ خدا مقصود ہے [۲]۔ ۴۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے اسلام مقصود ہے [۳]۔

باطنی تفسیر۔ الصراط المستقیم غرض یہ ہے کہ باطنی تفسیر کو بیان کرنے سے پہلے چند امروں کو بطور مقدمہ کے سمجھ لینا ضرور ہے ۱۔ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کی تفسیروں اور حدیثوں میں لفظِ ہدایت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ایک بتانا دوسرے باقی رکھنا۔ اس واسطے صراطِ مستقیم کے معانی میں سے وہی معنی مراد لینا چاہیئے جو ہدایت کے دونوں معانی سے مناسبت رکھتا ہو۔ ۲۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آیۂ کریمہ اہدنا الصراط المستقیم کو تلاوت کرنے والے اور اس کے ذریعے سے خالص نیت اور صدقِ دل سے ہدایت کی دعا کرنے والے مسلمان ہی ہوں گے۔ اور مسلمانوں کا قرانِ مقدس اور دینِ اسلام کا پیرو ہونا بھی انکار کے لائق نہیں ہے اس واسطے ضرور ہے کہ صراطِ مستقیم سے وہی معنی مراد لیا جائے جو ہدایت کے دونوں معانی سے ربط رکھتا ہو۔ اور کل مسلمان اس کی دعا کرسکیں جن کو وہ معنی حاصل نہیں ہے وہ حاصل ہونے کیلئے۔ اور جن کو حاصل ہو چکا ہے وہ باقی رہنے کیلئے۔ اور وہ معنی بہ شہادت وجدان و حدیثِ ثقلین جو فریقین کے نزدیک مسلم اور صحیح و متواتر ہے سوا اہلبیت اطہار کے کوئی دوسرا نہیں ہے جن کو کچھ مسلمانوں نے ذاتی غرض سے چھوڑ دیا ہے۔ ۳۔ اس آیت سے آخر سورہ تک کی آیتیں دعائیہ اور آپس میں مل کر ایک جملہ ہیں اور مطلوب ان سے ایک ہی چیز ہے یعنی راہ نجات کا حصول یا بقاء اور گمراہی سے بچاؤ۔ اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ نے حدیثِ ثقلین میں نجات کا ذریعہ اور گمراہی سے بچنے کی صورت کو دو چیزوں میں منحصر فرما دی ہے۔ ایک کتاب خدا دوسرے اہلبیتِ اطہار۔ اور غیر مغضوب اور غیر ضالین یا تو الذین کا بدل ہے یا صفت اور صراط الذین بدل ہے صراط مستقیم کا۔ اس لئے یہ پوری آیت یہ بتا رہی ہے کہ ان آیتوں میں مراد خدا اور مطلوب مسلمین وہی راہ ہے جو نجات کا ذریعہ ہے اور گمراہی سے دور ہے۔

---

[۱] درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۴ بحوالہ ابن جریر ۱۲ منہ [۲] درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۵ بحوالہ مستدرک ۱۲ منہ [۳] درمنثور جلد ۱ صفحہ ۱۵ بحوالہ عبد بن حمید ۱۲ منہ

اور حدیثِ ثقلین کا حصر یہ بتا رہا ہے کہ یہ راہ وہی ہے جسکو پیروانِ اہلبیت عصمت و طہارت نے اختیار کیا ہے اس واسطے صراطِ مستقیم سے اہلبیت ہی مراد ہو سکتے ہیں ۴ پروردگار عالم کے معنوی احکام اصولی اور فروعی کا نام اسلام یا دین ہے اور کتابی صورت میں اوس کے مجموعہ کا نام قرآن اور کتاب خدا جو لفظ صراط مستقیم کی ظاہری تفسیر میں ذکر کئے گئے۔ اور یہ دونوں صامت یعنی چپ یا غیر قادر کہے جاتے ہیں۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ ایک تو یہ اپنے آپ کو خود بیان نہیں کر سکتے۔ اور قرآن تو قطعی سے واقعی مرادِ پروردگار کو سمجھنا ایسے بیان کرنے والے کا محتاج ہے جس کو خدا ہی نے تعلیم کیا ہو (اس مطلب کی تفصیل مقدمہ ۳۰ و ۳۱ میں ملاحظہ کریں) دوسرے ان احکام یا قرآن میں نہ تو اس امر کی قدرت ہے کہ جہالت اور غلطی سے مرادِ خدا کے مخالف معنی کا ارادہ کرنیوالوں کو اون کی غلطی سے آگاہ کر سکے۔ اور نہ اُن میں قوتِ قاہرہ ہے تاکہ جان بوجھ کر مخالفت پر اصرار کرنے والوں کو مخالفت سے روک سکے۔ پس ایسی صورت میں صرف اسلام یا قرآن کیلئے دعا کرنی گویا ادھوری ہدایت کیلئے دعا کرنی ہے جو بغیر معلم کے بے فائدہ ہے۔ اور عقلا اس کو پسند نہیں کرتے۔ اور جب نجات کے طالب عقلاء ایسی دعا کو پسند نہیں کر سکتے تو خداوندِ حکیم جو راہِ نجات کی تعلیم فرما رہا ہے اور کامل ذریعۂ نجات کو بتانا چاہتا ہے ایسی بیکار چیز کا حکم کیونکر دے سکتا ہے اس واسطے صراطِ مستقیم سے اہلبیت اطہار ہی مراد ہو سکتے ہیں جو قرآن اور دینِ حق اور اسلام سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اور حوضِ کوثر پر پہونچنے تک اوس کے ساتھ ساتھ ہیں۔ ۵ اپنے مراد و مقصود کو اچھا بیان کرنے والا خود متکلم ہی ہو سکتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ اور اس آیت میں صراطِ مستقیم سے جو چیز مقصود ہے اُسکو خود خداوندِ عالم نے کئی آیتوں میں بیان فرما دیا ہے۔ ۱ اِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ (زخرف پ ۲۵ آیت ۳) یعنی صراطِ مستقیم جو ام الکتاب یعنی سورۂ الحمد میں واقع ہے وہ ہمارے نزدیک علیؑ ہیں جو علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس آیت میں اِنَّهٗ کی ضمیر قرآن کی طرف پھیری گئی ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ علی اور حکیم جاندار کی صفت ہے اور وہ جاندار جو صراط مستقیم ہونے کی قابلیت رکھتا ہو حضرت سرورِ عالم کے بعد سوا اُن کے اہلبیت کرام کے کوئی دوسرا نہیں ہے ۲ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا

فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ (انعام پ۸ آیت ۱۵۴)
یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی کی پیروی کرو اور متعدد راہوں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تم کو میری راہ سے ہٹا دیں گے۔ صراط۔ سبیل۔ طریق تینوں لفظوں کا معنی ایک ہی ہے اسی وجہ سے اسی آیت میں جس راہ کو شروع میں صراط کہا ہے اوسی کو آخر میں سبیل فرمایا ہے۔ اور حدیثوں میں لفظ صراط کی تفسیر لفظ طریق سے کی گئی ہے۔ اور سبل سبیل کی جمع ہے جس کی مقدار عربی میں کم سے کم تین ہے۔ اور کل اہلبیت اطہار علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نور ایک تھا اور مذہب ایک اور حکم ایک اور عمل ایک۔ حضرت سرور عالم ارشاد فرماتے ہیں اولنا محمد اوسطنا محمد اخرنا محمد کلنا محمد وکلنا سواء یعنی ہم میں پہلا شخص محمد ہے اور وسطی محمد اور آخری محمد اور کل اچھے اور کل برابر ہیں۔ بخلاف دوسروں کے کہ اُن میں سے ہر ایک کا خیال جدا تھا۔ روش جدا۔ اعتقاد جدا عمل جدا۔ جیسا کہ حدیث و تاریخ سے آگاہی رکھنے والے حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے ہاں اگر ایک سے تھے تو صرف مخالفت اور عداوت حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں ع۳ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا۔ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (فرقان پ۱۹ آیت ۲۹) ایک ظالم جس دن اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائیگا کہیگا کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ سبیل کو بھی اختیار کر لیا ہوتا اے وائے کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ البتہ اُس نے حضرت رسول کی یاد دہی سے مجھے ہٹا دیا بعد اس کے کہ یاد دہی مجھ کو ہو چکی تھی۔ اور شیطان انسان کو دھوکا دینے والا ہے۔ اور حضرت رسول (بطور شکایت کے) کہیں گے کہ پروردگارا البتہ میری قوم (مسلمانوں) نے اس قران کو چھوڑ دیا۔ اس آیہ کریمہ سے صاف صاف ظاہر ہے کہ اپنے ہاتھوں کو حسرت و ندامت اور غم و غصہ سے چبانے والا ظالم سبیل کو اختیار نہ کرنے پر غم و غصہ کا اظہار کریگا۔ اگرچہ سبیل سے قران و اسلام وغیرہ مراد لیا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ کئی چیزیں صاف بتا رہی ہیں کہ یہ ظالم اسلام کا مدعی تھا اور حضرت سرور عالم کو (زبانی) رسول کہتا اور قران کو (ظاہر زبان سے) مانتا تھا

ایک لفظ مع الرسول جس کا صاف معنی یہ ہے کہ رسول کو اختیار کیا اور سبیل کو چھوڑا۔ اور کفار حضرت کو بلفظِ محمد پکارا کرتے تھے بلفظ رسول کبھی نہ پکارتے تھے اس لئے اگر ظالم سے کوئی کافر مقصود ہوتا تو مع الرسول کے لفظ سے تعبیر نہ کرتا بلکہ محمد کہتا اور لفظ مع نہ ہوتا بلکہ اتخذت محمدا وسبیلا ہوتا۔ بلکہ صرف اتخذت سبیلا ہوتا کیونکہ اسلام یا قران کو اختیار کرنا ممکن نہیں ہے جب تک حضرت رسولؐ کو اختیار نہ کرے بلکہ ان دونوں کو اختیار کرنا بعینہ حضرت رسولؐ کو اختیار کرنا ہے کیونکہ اسلام نام ہے اقرار وحدانیت و رسالت کا۔ دوسرے لفظِ "ہذا القران" جو یہ بتا رہا ہے کہ مشہور قران کو توم اختیار کر چکی تھی لیکن کسی دوسرے قران (یعنی قران ناطق) کو چھوڑ دیا تھا۔ اگر یہاں پر مشہور قران مقصود ہوتا تو ہذا اسم اشارہ سے معین کو معین کرنا غلط ٹھہرتا۔ حاصل یہ کہ لفظ سبیل اور صراط سے سوا اہلبیتؑ کرام کے کوئی دوسرا مقصود نہیں ہو سکتا۔ اس مضمون پر دلالت کرنے والی حدیثیں بطریق اہلسنت عنقریب ذکر کی جائینگی۔

حدیثیں۔ بطریق شیعہ الصراط المستقیم ۱۔ حسنہ ابراہیم بن ہاشم میں جو میرے نزدیک صحیح ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ الصراط المستقیم میں صراط سے مقصود طریق یعنی راہ ہے اور وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں اور امام (زمانہ) کی امامت کا معتقد ہونا۔ [1] ۲۔ حسنہ ابراہیم میں جو میرے نزدیک صحیح ہے حضرت امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور اُن کی امامت کا اعتقاد کرنا ہے۔ اور ثبوت اس کا کلام پرور دگار انہ فی ام الکتاب لدینا لعلیّ حکیم ہے [2] ۳۔ روایت مفضل بن عمر میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ صراط دو ہیں۔ صراطِ دنیا اور صراطِ آخرت۔ صراطِ دنیا امام واجب الاطاعت ہیں۔ جو ان کی امامت کا معتقد ہوا اور ان کی ہدایت و روش پر چلا وہی صراطِ آخرت پر جس کو پلِ صراط کہتے ہیں اور جہنم پر ہو کر گذرا ہے (بے تکلف) گذر جائے گا۔ اور جو امامت کا معتقد نہ ہوا صراطِ آخرت پر اس کا قدم پھسلیگا اور جہنم میں گر جائیگا۔ [3] ۴۔ مرسلہ یونس بن عبد الرحمن

---

[1] تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۲۹ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم دو نوں نمبر ۱۲ منہ [2] ... [3] تفسیر برہان جلد ا صفحہ ۳۳ بحوالہ صدوق علیہ الرحمہ ۱۲ منہ

ہیں جو صحیحہ کے حکم میں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم حضرت امیر المومنین علیہ السّلام ہیں[1] ۵ حسنہ ابراہیم میں جو صحیح ہے حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم اہلبیت صراطِ مستقیم ہیں[2] ۶ روایت حنان بن سدیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ صراط حضرت محمد مصطفیٰ اور اون کی ذریت طاہرہ صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

۷ روایت داؤد بن فرقد میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم حضرت امیر المومنین علیہ السّلام ہیں الذین انعمت علیہم ۱ روایت محمد بن حسین میں ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ انعمت علیہم اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین علیؑ کے شیعے ہیں جن پر خدا نے یہ نعمت نازل کی کہ اعتقادِ امامت علی بن ابی طالبؑ کی توفیق دی۔ نہ تو خدا اون پر غضبناک ہے اور نہ وہ گمراہ ہیں[3]

بعض روایتوں میں ہے کہ صراطِ مستقیم صراطِ انبیا ہے۔ اور یہ حدیث مذکورہ بالا حدیثوں کے منافی نہیں ہے کیونکہ کل انبیاء کی شریعتیں خدا تک پہونچانے والی اور خدا کی طرف سے تھیں اور اس امت کو خدا تک پہونچانے والی راہ شریعتِ حضرت سرورِ عالمؐ ہے۔ جس کے واقعی اور حقیقی رہبر اہلبیت اطہار ہیں۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے عمار میرے بعد بہت جلد اختلاف ہوگا۔ پس اگر لوگ ایک راہ سے جائیں اور علیؑ دوسری راہ سے۔ تو تم علیؑ کی راہ اختیار کرنا اور دوسروں کو چھوڑ دینا۔ وہ تم کو راہِ حق سے ہٹا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں گے۔ اے عمار علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے[4]

بطریق اہلسنت ۔ الصراط المستقیم ۱ حسن بصری صِرَاطُ عَلِیٍّ مُّسْتَقِیْمٌ کو صراطُ عَلِیِّ مُسْتَقِیْمٌ پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ معنی اس کا یہ ہے کہ علیؑ کا دین اور اُن کا طریقہ درست ہے اوس میں کجی نہیں ہے پس تم لوگ اوسی کو اختیار کرو اور علیؑ کا دامن پکڑو[5]

---

۱ برہان جلد ۱ صـ۳۲ بحوالہ صدوق ۱۲ منہ ۲ برہان جلد ۱ صـ۳۲ بحوالہ علی بن ابراہیم ۱۲ منہ۔ ۳ برہان جلد ۱ صـ۳۲ بحوالہ صدوق علیہ الرحمہ تینوں نمبر ۱۲ منہ ۴ کنز العمال جلد ۶ صـ۱۵۵ نمبر حدیث ۲۵۹۰ ۔ ونیا بیع المودۃ باب ۴۳ صـ۱۰۵ بحوالہ حموینی ۱۲ منہ ۵ مناقب خوارزمی ۱۲ منہ

۲۔ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ انت الطریق الواضح والصراط المستقیم اے علیؑ راہِ روشن اور صراطِ مستقیم تم ہو۔ انتہی بقدر حاجت[1]

۳۔ اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ صراط، ہم اہلبیت کی امامت کو ماننا ہے[2]۔ ۴۔ اس نمبر کی روایت بھی حضرت امیر علیہ السلام سے بسند زید بن حضرت موسی کاظمؑ اسی مضمون کی ہے[3]۔ ۵۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ صراط سے مقصود امام ہیں[4]۔ ۶۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ صراط سے مقصود امامت حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے[5]۔ ۷۔ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام نے ارشاد فرمایا کہ صراطِ مستقیم امام ہیں اور سبل سے مقصود غیر امام (برحق) جو سبیل سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور ہم اہلبیت سبیلِ خدا ہیں[6]۔ ۸۔ خیثمہ کہتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ راہِ روشن اور صراطِ مستقیم ہیں[7]۔ الذین انعمت علیہم ۱۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا کہ نعمتِ خدا اُس کی خلق میں ہم لوگ ہیں[8]۔ ۲۔ بروایت متعدد حضرت امیر المومنین اور حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام موسی کاظم اور حضرت امام رضا علیہم السلام نے ارشاد فرمایا کہ نعمت ہم اہلبیتؑ اور ہماری امامت کا اعتقاد ہے[9]۔

حسن بصری اور ابوالعالیہ نے صراطِ مستقیم کی تفسیر میں اہلبیت کے ساتھ صحابہ کو بھی داخل کیا ہے۔ (بغوی و درمنثور) لیکن اولاً یہ اون لوگوں کی ذاتی رائے ہے جو مقبول نہیں ہے۔ دوسرے حسن تدلیس کیا کرتے تھے (میزان الاعتدال) اور تدلیس جھوٹ ہے (شرح نخبۃ الفکر) اور ابوالعالیہ غیر معتبر تھے (عنایہ شرح ہدایہ) اور سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم طریقۂ سنت و جماعت ہے[10]۔ امام اہلسنت ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ سہل مذکور منکر الحدیث تھے اور موضوعہ یعنی بنائی ہوئی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے[11]۔

---

[1] ینابیع المودۃ باب ۳۷ ص ۱۰۱ بحوالہ المناقب ۱۲ منہ [2] ینابیع باب ۳۸ ص ۹۳ بحوالہ حموینی ۱۲ منہ [3] ینابیع باب ۳۸ ص ۹۳ بحوالہ المناقب ۱۲ منہ [4] ینابیع باب ۳۸ ص ۹۳ بحوالہ المناقب ۱۲ منہ [5] ینابیع باب ۳۸ ص ۹۳ بحوالہ المناقب ۱۲ منہ۔

[6] ینابیع باب ۳۷ ص ۱۰۱ بحوالہ المناقب ۱۲ منہ [7] ینابیع باب ۳۷ ص ۱۰۱ بحوالہ حموینی ۱۲ منہ [8] ینابیع بحوالہ وبہ نشان باب ۳۷ [9] ینابیع باب ۳۸ ص ۹۳ بحوالہ ابونعیم و حاکم و مناقب ۱۲ منہ [10] تفسیر بغوی برحاشیہ تفسیر خازن جلد ۱ ص ۲۰ ۱۲ منہ۔

[11] میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۔۔۔ [illegible]

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

عے اہلسنت - امام اہلسنت محمد بن اسمٰعیل بخاری لکھتے ہیں کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبہا اغضبنی یعنی فاطمہؑ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے پس جس نے اُس کو غضبناک کیا اوس نے مجھ کو غضبناک کیا، اور حضرت رسولؐ کی غضبناکی خدا کی غضبناکی کا سبب ہے اس لئے فاطمہؑ کی غضبناکی خدا کی غضبناکی کا سبب ہے۔ باقتضائے تقضیہ مساوات۔ ع۲ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ یَغْضَبُ لِغَضَبِ فَاطِمَۃَ وَیَرْضٰی بِرِضَاھَا یعنی خداوند عالم فاطمہ کے غضبناک ہونے سے یقینا غضبناک ہوتا ہے اور اون کے خوش ہونے سے خوش ہوتا ہے۔ ع۳ حضرت سرور عالمؐ نے جناب فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ یا فَاطِمَۃُ اِنَّ اللہَ تَعَالٰی لَیَغْضَبُ لِغَضَبِکِ وَیَرْضٰی لِرِضَاکِ یعنی اے فاطمہؑ تمھارے غضبناک ہونے سے خدا یقینا غضبناک ہوتا ہے اور تمھارے خوش ہونے سے خوش ہوتا ہے۔ ع۴ امام اہلسنت محمد بن اسمٰعیل بخاری لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے فئے مدینہ اور فدک اور بقیہ خمس خیبر سے اپنا حصہ خلیفہ اول سے مانگا تو ابوبکر صاحب نے دینے سے انکار کیا اور کچھ بھی نہ دیا پس فاطمہ علیہا السلام اُن پر غضبناک ہوئیں اور مرتے دم تک اُن سے کلام نہ کیا۔ اور اُن کے جنازہ میں شرکت کرنے کی ابوبکر صاحب کو اجازت نہیں دی گئی۔ شیعوں کا یہ دعویٰ کہ ابوبکر صاحب نے معصومہ کو غضبناک کیا ابوبکر صاحب کے ماننے والوں کے اقرار اور گواہی سے ثابت ہے۔ جن میں بخاری صاحب جیسے معتبر شخص بھی داخل ہیں اور اہلسنت کا یہ دعویٰ کہ ابوبکر صاحب نے معافی چاہی اور معصومہ راضی ہو گئیں۔ ایک دعویٰ ہے کہ جس پر گواہی کی ضرورت ہے۔ اور اپنوں کی گواہی مقبول نہیں ہے پس معصومہ کا ابوبکر صاحب پر غضبناک ہونا ثابت ہے۔ اور جب تک کسی غیر کی جو معتبر ہو گواہی نہ گذرے راضی ہونا ثابت نہیں ہے حضرات اہلسنت غور کریں ۱۲ منہ

سے صحیح بخاری جلد ۲ چھاپہ مصر صفحہ ۲۰۰ کتاب مناقب باب مناقب قرابت رسول اللہ ۱۲ منہ سے ۲ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۹ نمبر حدیث ۳۸۵۹ بحوالہ دیلمی و وسیلۃ النجات ملا مبین فرنگی محلی لکھنوی صفحہ ۲۱۳ بحوالہ مدارج النبوۃ ۱۲ منہ

سے ۳ وسیلۃ النجات صفحہ ۲۱۳ بحوالہ شرف النبوۃ مصنفہ سعد و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۹ نمبر حدیث ۳۸۶۰ بحوالہ طبرانی و ابونعیم و ابن عساکر۔ و اصابہ ابن حجر عسقلانی امام اہلسنت جلد ۴ ذکر فاطمہ صفحہ ۱۵۸ ۱۲ منہ

سے ۴ صحیح بخاری جلد ۳ چھاپہ مصر صفحہ ۳۸ آخر باب غزوہ خیبر ۱۲ منہ

عسه (آریہ) بابو رام گوپال صاحب اگروالہ ساکن سہارن پور اپنی کتاب ذوالفقار حیدری بحوالہ جیون چرتر یعنی سوانح عمری لکھتے ہیں کہ "سوامی دیانند سرسوتی ٹھیک راہ پر نہ تھے" میں بابو صاحب کی عبارت کا خلاصہ لکھتا ہوں کیا اچھا ہوتا کہ آریہ صاحبان اس کے دفیعہ کے لئے دو چار گواہ ایسے پیش کرتے جو آریہ مذہب نہ رکھتے ہوں اور مذہب و سرسوتی جی کے حالات سے پوری آگاہی رکھتے ہوں۔ بابو صاحب لکھتے ہیں کہ سرسوتی دیانند جی شیطان کے پھندے میں پڑ گئے تھے اوس نے ان کو مات گھاتک کا خطاب دلوایا یعنی انھوں نے اپنی ماں کو مار ڈالا اس وجہ سے ان کو ان کے باپ نے مات گھاتک یعنی ادرگش کہہ کر خطاب کیا۔ باپ کی دل آزاری کرائی جو کسی مذہب میں درست نہیں ہے۔ مکر و فریب کرایا۔ گھر کا زیور چروایا۔ سپاہی کا لوٹا چروایا۔ تین مہینے تک اوباشوں اور بدچلنوں کی صحبت میں رکھوایا۔ اونچے مندروں اور بڑے بڑے درختوں پر بغیر سہارا کسی چیز کے چڑھوایا۔ دو تین جگہ گرفتاری کے خوف سے نام بدلوایا۔ دل میں ان کے غرور پیدا کرایا۔ نذر اور بھیک اور خیرے کے روپیوں کو بمبئی کے سیٹھ کے یہاں سود پر جمع کرایا۔ بنارس کے پنڈتوں سے بحث کرایا تاکہ ان کو خفت اور ذلت نصیب ہو چنانچہ بحث میں ہار گئے اور ذلت اُٹھائی۔ پھر سیکڑوں آدمیوں کو بہکا کر ان کا چیلہ بنایا اور سرسوتی جی پوجے جانے لگے۔ ابتدا میں تو بظاہر دکھانے کو سنیاسی فقیر تھے مگر دل سے نہ تھے لیکن آخر میں ظاہر داری بھی جاتی رہی کیونکہ شیطان نے چمڑے کا جوتا پہنوایا۔ گھی۔ دودھ۔ بالائی شکر اور اچھے اچھے لذیذ کھانے کھلوائے۔ پہننے کو ریشمی کپڑے شال دوشالے۔ سواری کو لینڈو۔ فٹن قسم قسم کی گاڑیاں جن میں عمدہ عمدہ جوڑیاں پُرتکلف ساز و یراق سے آراستہ جوتی جاتی تھیں مہیا کرا دیئے۔ رہنے کو وسیع مکان اور اونچی کوٹھیاں۔ بنگلے۔ پر فضا باغات۔ سونے کو اچھی اچھی مسہریاں چھپر کھٹ۔ نواڑ کا پلنگ جن پر مخملی اور ملائم نرم اونی قالینوں کے بچھونے تھے فراہم کرا دیئے بمبئی سے ایک بائی جی بھی بلوا کر مہاراج کی خلوتگاہ میں کھوا دیئے حالانکہ سنیاسی فقیر کو ایسا نہ ہونا چاہیے سنیاسی فقیر وہی ہو سکتا ہے جو دنیا کی کل لذتوں کو چھوڑے۔ اور نفس کشی کرے۔ اور ریاضت و عبادت میں بسر کرے۔ بھیک مانگ کر کھائے۔ زمین پر سوئے۔ اور آرائش اور خانہ داری کا کوئی سامان نہ رکھتا ہو اور کپڑے کی قسم سے صرف دو گز کپڑا ستر عورتین کیلئے بدن پر رکھتا ہو۔

لہ ذوالفقار حیدری جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ لغایت صفحہ ۲۱۸ چھاپہ لکھنؤ مصنفہ بابو رام گوپال صاحب پسر دائرز وسب ڈیویژن افسر بحوالہ جیون چرتر مصنفہ جگناتھ پرشاد مراد آبادی ۱۲ منہ۔

مغضوب علیہم اور ضالین دشمنان اہلبیتؑ ہیں۔

حدیث تیس علہ محمد بن ابی عمیر اپنی مرفوعہ حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی ہے غیر المغضوب علیہم وغیر الضالین اور مغضوب علیہم سے فلاں اور فلاں اور فلاں اور دباقی) دشمنانِ اہلبیت مقصود ہیں۔ اور ضالین سے وہ لوگ جو (امامت میں) شک رکھتے ہیں اور ائمہ برحق علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پہچانتے یعنی اون کی امامت کا اعتقاد نہیں کرتے۔

عہ تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی گئی ہے کہ مغضوب علیہم یہودی ہیں جن کے حق میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ یعنی کہو میں خبر دوں تم کو اون لوگوں کی جن کے لئے (مذکورہ بالا سے) زیادہ سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور غضبناک ہوا ہے اور اُن میں سے بعض کو بندر کی صورت پر مسخ کیا اور بعض کو سور کی صورت پر اور ضالین وہ لوگ ہیں جن کے حق میں خداوند عالم نے فرمایا ہے قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ یعنی کہو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں حق کے خلاف حد سے نہ بڑھو اور اُس قوم کی پیروی نہ کرو جو گمراہ ہوئی اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور ٹھیک راستہ سے ہٹ گئی۔ اور یہ ضالین وہ نصاریٰ ہیں (جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے خلاف کیا)، ملہ واضح ہو کہ ان دونوں حدیثوں کے مضمون میں آپس میں مخالفت نہیں ہے کیونکہ ان دونوں حدیثوں میں سے کسی میں حصر کے طور پر مراد خدا بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اور مغضوب ملہ علیہم اور ضالین دونوں لفظ جمع ہیں جن پر الف لام داخل کیا گیا ہے۔ اور جمع محلی بلام یعنی جس پر الف لام داخل ہو وہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے یعنی کل ان

ملہ یہ بزرگ حضرت موسیٰ کاظم اور حضرت امام رضا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے مقرب اور جلیل القدر صحابی تھے اور غیر معتبر لوگوں سے حدیثیں نہیں لیتے تھے اس وجہ سے انکی مرسلہ یعنی وہ حدیثیں بھی جن کے بعض راوی کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو حدیث صحیح کے حکم میں سمجھی جاتی ہیں اور راغب کا کلام ان کے کلام کا موئد ہے ۱۲ منہ

ملہ تفسیر برہان جلد ۱ ص ۳۳ ہر دو نمبر ۱۲ منہ ملہ لفظ مغضوب اگرچہ مفرد ہے لیکن مقصود اس سے جنس یعنی جمع ہے اور قرینہ اس پر علیہم کی ضمیر ہے ۱۲ منہ

فردوں کو شامل ہوتا ہے جو ایسا وصف رکھتی ہوں جو اس جمع کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے
پس بعض فردیں پہلی حدیث میں بیان کی گئی ہیں اور بعض دوسری حدیث میں اور شاہد اس پر
خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی فرمائش ہے جس کو دوسری حدیث کے آخر میں ارشاد
فرمایا ہے کہ جو شخص بھی خدا کے ساتھ کفر کرے یعنی[1] اوس کے حکم کی مخالفت کرے وہ مغضوب علیہ
اور راہِ خدا سے ضال یعنی گمراہ اور ہٹا ہوا ہے (خاص کر کے اگر وہ حکم اصول دین کے
متعلق ہو جس میں امر امامت بھی داخل ہے جو بشہادت حدیثِ ثقلین گمراہی سے نجات کا ذریعہ ہے
اور میں پچیسویں مقدمہ میں لکھ آیا ہوں کہ قران مقدس ہر خشک و تر کا جامع ہے لیکن حضرت
سرورِ عالم اور ائمہ اہلبیت علیہم الصلوۃ والسلام راویوں کی ضرورت اور حال کے مطابق
جس کو کبھی بقرینہ اور کبھی بعلمِ لدنی سمجھا اُن کے سوالات کے جواب میں جس وقت جو تفسیر
مناسب سمجھی ارشاد فرمایا اور ان دونوں لفظوں کے عام اور کل مسلمانوں کو شامل
ہونے پر وہ حدیث بھی قوی شاہد ہے جس کو امام اہلسنت محمد بن اسمٰعیل بخاری صاحب نے
اپنی صحیح بخاری میں روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ نے غیظ و غضب
کے لہجہ میں صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَذِرَاعًا
بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ

---

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کتابِ خدا میں کفر پانچ معنوں میں
استعمال ہوا ہے ۱ کفر جحود یعنی انکار کرنا اوس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خدا کی خدائی سے انکار کرنا
دوسرے حق کو حق سمجھ کر اس سے انکار کرنا۔ ۳ کفر نعمت یعنی نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرنا ۴
اون چیزوں کو چھوڑنا جن کا خدا نے حکم دیا ہے۔ ۵ برائت اور جدائی اختیار کرنا
(مجمع البحرین نعمتِ کفر) پس اس حدیث میں کفر سے مقصود کفر جحود کی دوسری قسم
یعنی حق کو سمجھ لینے کے بعد اس سے انکار کرنا۔ اور معنی کفر کی چوتھی قسم یعنی خدا کے حکم کو چھوڑنا ہے
اور ارکانِ اسلام یعنی وحدانیت و رسالت و قیامت سے انکار کرنے کے بعد درجہ میں بدترین اقسام
کفر و مخالفتِ خدا ائمہ برحق علیہم الصلوۃ والسلام کی امامت سے انکار کرنا ہے جسکو حضرت سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ نے حدیث ثقلین میں مسلمانوں کے لئے ذریعہ نجات اور گمراہی سے بچنے کا وسیلہ
قرار دیا ہے ۱۲ منہ

م اور جو بیان کے نفس کی چیز کا انکار کرتا ہے

بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ چھاپہ مصر۔ باب قول النبی لتتبعن سنن من کان قبلکم) یعنی تم لوگ اپنے اگلوں کی ضرور پیروی کروگے ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ ناپ کر یہاں تک کہ اگر گوہ کے سوراخ میں بھی گھسے ہوں گے تو تم لوگ بھی گھس جاؤگے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا اگلوں سے یہود و نصاریٰ مقصود ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ پھر اون کے سوا دوسرا کون مقصود ہے۔ خداوند حکیم آیہ مبارکہ مَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی میں خبر دے رہا ہے کہ حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ کا مذہبی کوئی کلام بغیر وحی کے نہیں ہوتا تھا۔ اور وحی غلط نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ماننا پڑیگا کہ کچھ مسلمانوں صحابہ اور غیر صحابہ نے دین کو تباہ اور برباد کرنے اور مٹانے اور اُس کی مخالفت کرنے میں یہود و نصاریٰ کی پیروی ضرور کی۔ اس واسطے جس طرح وہ لوگ مغضوب علیہم اور ضالین میں داخل ہیں اُسی طرح اُن کی پیروی کرنے والے بھی ضرور داخل ہوں گے۔ اور لفظ ضالین میں اُن مسلمانوں کے داخل ہونے پر جو راہِ ہدایت کو چھوڑ بیٹھے حدیث ثقلین جو متواتر اور فریقین کی مانی ہوئی ہے بہت قوی ثبوت ہے کیونکہ حضرت سرور عالم نے اسی حدیث میں گمراہی سے بچنے کا ذریعہ قرآن اور ائمہ اہلبیت دونوں کو ساتھ ساتھ قرار دیا ہے۔ (فوائد) پہلا فائدہ۔ امام اہلسنت محمد بن طلحہ درمنظوم میں لکھتے ہیں کہ کل آسمانی صحیفوں کے مطالب قرآن مجید میں ہیں اور اور جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ سورہ الحمد میں ہے اور جو کچھ سورہ الحمد میں ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے وہ بسم اللہ کی ب میں ہے اور جو کچھ ب میں ہے وہ اس کے نقطے میں ہے اور نقطہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام ہیں[۱]۔ بیان جامعیت قرآن مجید خدا وند عالم ارشاد فرماتا ہے

عہ نقطہ مرکز کو کہتے ہیں جس پر پرکار کا ایک پایہ ٹھہرتا ہے اور دوسرا پایہ گول دائرہ بناتا ہے اور اُس دائرہ پر چلنے والی چیز مرکز کے چاروں طرف گھومتی ہی جیسے چکی کیلئے اوس کے بیچ کا کھونٹا اور گاڑیوں کے پہیوں کیلئے اُنکے بیچ کا دھورا اور خطی دائرہ کیلئے اس کے بیچ کا خیالی جزو یعنی اس حدیث میں نقطہ سے مقصود یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام دائرہ علوم قرآنی کیلئے مرکز ہیں اور علوم آپ کو گھیرے ہوئے ہیں یہ ہے معنی انا تلک النقطۃ کا ۱۲

لہ ینابیع المودۃ باب ۱۴ بیان غزارت علم حضرت علی علیہ السلام صفحہ ۶۹ چھاپہ بمبئی بحوالہ درمنظوم ۱۲ منہ۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ انعام پارہ ۷ آیت ۵۹) یعنی کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین یعنی قرآنِ مجید میں نہ ہو۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (سورہ نحل پ۱۴ آیت ۹۱) یعنی تم پر کتاب اُتاری جس میں کل چیزوں کا بیان ہے۔ اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ایک[۱] حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ یعنی مجھے ایسی کتاب دی گئی ہے جو اپنے تھوڑے لفظوں سے کل باتوں کو بتاتی ہے (مجمع البحرین لغت جمع وتفسیر برہان جلد۲ ص۱۲۲) اور دوسری[۲] حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے بڑے سات سورے (سورہ بقرہ سے سورۂ توبہ تک) توراۃ کے بدلے میں دیئے گئے ہیں۔ اور مئین (سورۂ بنی اسرائیل سے سورۂ مومنون تک یہ سات سورے جن میں کچھ کم یا کچھ زیادہ سو سو آیتیں ہیں انجیل کے بدلے دیئے گئے) اور مثانی (یعنی وہ اُنتیس سورے جن کی آیتیں سو سے کم ہیں اور مفصل سے زیادہ) زبور کے بدلے دیئے گئے۔ اور اڑسٹھ[۱] سورے (سورۂ محمد سے آخر تک) ان کے علاوہ مجھے دیئے گئے جو باقی کتب سماویہ پر کے مطالب پر شامل ہیں[۲]۔ بیان جامعیت سورۃ الحمد۔ [۱] حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ پروردگار عالم نے مجھ پر وحی نازل کی کہ اے محمدؐ میں نے تم کو مثانی میں سے سات آیتیں (یعنی سورۂ الحمد) دیا اور قرآنِ عظیم۔ پس خداوند عالم نے سورۂ الحمد کے ساتھ مجھ پر اپنے احسان کو جدا کر کے بیان فرمایا ہے۔ اور اوس کو قرآن کے مقابل میں قرار دیا ہے۔ اور عرش کے خزانوں میں جو کچھ بھی ہے سورۂ الحمد اُن سب سے زیادہ شرافت اور بزرگی رکھتا ہے[۳]۔ [۲] ابی بن کعب کہتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس پروردگار کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ

---

[۱] کیونکہ سورۂ الحمد اس بیان سے باہر ہے اس لئے کہ وہ ام القرآن ہے اور سورۂ انفال اور توبہ مل کر ایک سورہ ہے اور سورۂ فیل اور قریش مل کر ایک سورہ۔ پس اس بنا پر قرآن میں کل ایک سو گیارہ سورے ہیں۔ ۱۲ منہ [۲] تفسیر صافی آخر مقدمہ اولی ۱۲ منہ [۳] لآلی الاخبار باب جلد ۲ ص۲۹۱۔ چھاپہ اول۔ بقدر حاجت۔

بیان جامعیت قرآن مجید

بیان جامعیت سورۃ الحمد

سورۃ الحمد کا مثل نہ تو خدا نے توریت میں نازل کیا ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن (کے باقی دوسرے سوروں) میں۔ یہ اُمّ الکتاب[عہ] اور ام القرآن ہے[سلہ] (یعنی سورۃ بقرہ سے آخر قرآن تک کے کل مطالب اس کے اندر موجود ہیں) حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لَوْ شِئْتُ لَاَ وْقَرْتُ سَبْعِيْنَ بَعِيْرًا فِيْ تَفْسِيْرِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ[سکہ] یعنی اگر میں چاہوں تو سورۃ الحمد کی تفسیر میں ستر اونٹ کا بوجھ تیار کر سکتا ہوں۔ [سکہ] حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے سورۃ الحمد پڑھا گویا اوس نے کل آسمانی کتابوں کو پڑھا۔ اور جس نے اوس کے معانی کو سیکھا گویا اوس نے کل آسمانی کتابوں کے معانی سیکھے۔ اور آسمانی کتابیں ایک سو چار ہیں۔ اور خدا نے ان کل کے مطالب سورۃ الحمد (کے مختصر الفاظ) میں جمع کر دیئے ہیں[سکہ]۔ [عہ] آسمانی کتابوں کی تفصیل کو جناب ابوذر بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ سے پوچھا کہ انبیا کل کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ عرض کیا ان میں رسول[عہ] کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو[سہ] تیرہ۔ عرض کیا خدا نے کتابیں کس قدر نازل کیں؟ فرمایا ایک سو چار۔ جن میں سے حضرت آدمؑ پر دس صحیفے نازل کئے گئے اور حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس اور پہلے پہل قلم اُنھیں نے لکھا۔ اور حضرت ادریسؑ پر تیس۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس۔ اور توریت حضرت موسیٰؑ پر اور انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اور زبور حضرت داؤدؑ پر اور فرقان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ پر[سکہ]۔ اس جامعیت کی توضیح۔ توضیح کی پہلی تقریر واضح ہو کہ اس سورۃ مبارکہ میں لفظ رحمٰن اور رحیم دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے ایک مرتبہ پہلی آیت بسم اللہ میں اور ایک مرتبہ تیسری آیت میں جس سے تاکید یعنی اس امر کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ

عہ قرآن کی ماں ۱۲ منہ سلہ لآلی الاخبار بہ نشانِ بالا ۱۲ منہ سکہ تفسیر برہان جلد ا صا ۱۲ منہ سکہ لآلی الاخبار بہ نشانِ بالا۔ ۱۲ منہ عسہ زرارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کلام خدا رسول اور نبیا کی تفسیر پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نبی وہ ہے جو احکام کو خواب میں دیکھے اور فرشتہ کی آواز سنے لیکن آنکھ سے نہ دیکھے۔ اور رسول وہ ہے جو فرشتوں کی آواز بھی سنے اور احکام کو خواب میں بھی دیکھے اور فرشتوں کو آنکھ سے بھی دیکھے ۱۲ منہ سہ حضرت آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب خاص بھی اُسی قدر ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ سکہ خلاصہ حدیث جواہر السنیہ فی الاحادیث القدسیہ صا۲۱ چھاپہ بمبئی و

صفت رحم خداوند عالم کو اس قدر پسند ہے کہ اوس نے اپنی ذاتِ اقدس کے صفات میں سے خاص کر کے اس کو اس سورۂ مبارکہ میں چار مرتبہ ذکر فرمایا۔ دو دفعہ لفظ رحمٰن سے اور دو دفعہ لفظ رحیم سے۔ اور اس تاکید کو حدیثِ قدسی میں یوں ارشاد فرمایا ہے رَحْمَتِیْ تَغْلِبُ عَلٰی غَضَبِیْ سلہ یعنی عذاب کرنے سے زیادہ میرا ارادہ رحمت نازل کرنے سے متعلق ہے اور دوسرے الفاظ میں یوں فرماتا ہے اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ (جواہر السنیہ صفحہ ۱۳۰) یعنی میری رحمت میرے غضب کے آگے آگے ہوگی اور معصوم ارشاد فرماتے کہ اِنَّ لِلّٰہِ تعالیٰ مِائَۃَ رَحْمَۃٍ سلہ یعنی خداوند عالم کے لئے سو رحمتیں ہیں۔ اور اس عدد سے رحمتوں کی انتہائی حد بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ غیر محدود اور بے انتہا ہونے کو بیان کرنا چاہتا ہے جس طرح ہم لوگ غیر محدود کو سیکڑوں اور ہزاروں کے لفظ سے بیان کیا کرتے ہیں۔ اور رحمت کا معنی خداوند عالم کے لئے نعمتیں دینا اور گناہوں کو بخشنا ہے اور اولادِ آدم کے لئے نرم دلی اور مہربانی و ہمدردی کرنا جو بھلائی اور بہی خواہی کو چاہتا ہے۔ اور خداوند عالم نے اس تاکید کو دو غرض سے ذکر فرمایا ہے۔ ایک اپنی شدتِ محبت اور زیادتی رحمت کو ظاہر کرنے کی غرض سے تاکہ بندے مایوس نہ ہوں۔ دوسرے بندوں کی تعلیم کی غرض سے تاکہ آپس میں اچھا برتاؤ رکھیں۔ کیونکہ دنیا و آخرت دونوں جگہ ہر خیر و بھلائی کا سرچشمہ یہی ہے۔ خداوند رحیم و کریم قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (سورۂ نساء پ ۵ آیت ۳۶) یعنی خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اُن عزیزوں کے ساتھ جو ہمسایہ میں نہ ہوں اور یتیموں کے ساتھ۔ اور فقیروں کے ساتھ اور اُن عزیزوں کے ساتھ جو ہمسایہ میں ہوں اور اُن ہمسایہ والوں کے ساتھ جو عزیز نہیں ہیں اور ساتھ بیٹھنے والوں کے اور مسافروں کے ساتھ اور مملوک یعنی لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ اس آیت میں خداوند حکیم نے ہر قسم کے لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور سب کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور حضرت

سلہ اس میں لطیف اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ رحمت خداوند عالم اپنی کثرت اور زیادتی کے ساتھ غیر مومنوں کیلئے اگر چہ ہے مگر دنیا میں اور مومنوں کیلئے دُہری ایک دنیا میں ایک آخرت میں جیسا کہ رحمٰن و رحیم کے معنی میں بیان کیا گیا۔ سلہ مجمع البحرین لغت رحم

رحمدلی کی تعریف اور فائدہ

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لَیْسَ لِلّٰہِ فِیْ عِبَادِہٖ اَمْرٌ اِلَّا الْعَدْلَ وَ الْاِحْسَانَ[1] یعنی خدا کا اُس کے بندوں میں صرف دو ہی حکم ہے ایک تو انصاف کرنا۔ دوسرے بھلائی کرنا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پھر ارشاد فرماتے ہیں تَوَاصَلُوْا وَ تَبَارُّوْا وَ تَرَاحَمُوْا وَ تَعَاطَفُوْا بَیْنَکُمْ[2] یعنی آپس میں صلہ رحم اور بھلائی اور رحمدلی اور مہربانی کرو۔ اور معصوم دوسری حدیث میں فرماتے ہیں اِنَّمَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَاءَ[3] یعنی خداوند عالم اپنے بندوں میں سے اونھیں لوگوں پر رحم کرے گا جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں وَ مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ[4] یعنی جو لوگ دوسروں پر رحم نہیں کرتے اون پر رحم نہیں کیا جائیگا۔ حدیث قدسی میں حضرت عیسیٰؑ سے خطاب کرکے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ تم سے (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا پس کمزوروں پر اوسی طرح رحم کرو جس طرح میں تم پر رحم کرتا ہوں اور یتیم پر ظلم نہ کرو اور رحمدلی مال اور ذات دونوں سے تعلق رکھتی ہے۔ پس جو شخص آپ کے مال کا محتاج ہو بقدر اپنی وسعت اور قدرت کے مال سے اور جو شخص آپ کی ذات کی طرف محتاج ہو جتنا ہو سکے اپنی ذات سے اوس کی مدد کریں۔

مومن کے حقوق کی تفصیل

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے دوسرے مومن پر تیس حق ہیں جب تک اون کو ادا نہ کرے یا حق دار اوس کو بخش نہ دے ان حقوں سے نجات نہ ہوگی اور صاحب حق اُن حقوں کو قیامت کے دن مانگے گا اور اُس کی خواہش کے مطابق خدا وند عالم فیصلہ کریگا

عسه دنیا جانتی ہے اور مشہور ہے کہ اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ یعنی انسان بھلائی کا بندہ ہے سه چوں زر بسر فولاد نہی نرم شود۔ اس فرمائش میں معصوم نے اولاد آدم کیلئے دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیوں اور فریضوں کو جمع فرما دیا ہے کلام الامام امام الکلام یعنی امام کا کلام کل کلاموں کا پیشوا ہے۔ عدالت یعنی انصاف ایسی جامع اور اعلیٰ درجہ کی صفت ہے کہ صرف اس پر عمل والے شخص سے نہ خدا کا کوئی حق برباد ہو سکتا ہے نہ اپنی ذات کا نہ خدا کی کسی دوسری مخلوق کا۔ اور وہ مذہب کے پورے پابندوں میں داخل ہو جائیگا کیونکہ عدالت کا معنی وضع الشیئ فی محلہ یعنی ہر فعل اور کلام کو مناسب مقام میں واقع کرنا ہے اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کیلئے بھی پسند کرو۔ اور جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ اور یہ کھلی ہوئی بات ہے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۳۷)

[1] تفسیر برہان جلد ا شروع صفحہ ۵۸۱ در ذکر تفسیر آیت ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان ۱۲ منہ [2] اصول کافی کتاب الایمان والکفر باب التراحم صفحہ ۲۶۱ ۱۲ منہ [3] مجمع البحرین لغت رحم ۱۲ منہ [4] مجمع البحرین لغت رحم ۱۲ منہ

بقیہ حاشیہ صفحہ

کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اوس کے ہر چھوٹے اور بڑے حق کو پورا کریں۔ اور اوس کا کسی قسم کا حق برباد نہ کریں خواہ وہ حق جان سے تعلق رکھتا ہو یا مال سے یا عزت سے۔ یعنی نہ اُس کی ذات پر کوئی صدمہ پہونچائیں نہ اوس کا مال برباد کریں نہ عزت۔ اوسی طرح چاہیئے کہ یہ بھی ہر حق دار کے جانی اور مالی اور عزتی حق کو پورا کرے۔ اور ہر شخص پر کچھ تو خداوند عالم کے حقوق ہیں اور کچھ خود اپنی ذات کے اور کچھ دوسری مخلوقات خدا کے۔ خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان یا نباتات یعنی گھاس اور درخت وغیرہ یا جمادات یعنی مٹی۔ پتھر۔ لوہا۔ تانبا۔ پیتل۔ سونا۔ چاندی۔ جواہرات وغیرہ۔ پس جو شخص انصاف کو اپنا دستور العمل قرار دیگا اوس کے ہاتھوں نہ تو خدا کا کوئی حق برباد ہوگا یعنی اوس کے کسی حکم کی مخالفت کرے گا۔ اور نہ ایسا کام کرے گا جس سے اپنی ذات کو دنیا یا آخرت میں کوئی نقصان پہونچے یعنی اوس کی جان اور مال اور عزت صدموں اور آفتوں سے محفوظ رہیں گے اور نہ غیروں کا حق برباد کریگا۔ چھوٹے پودوں کو بے وجہ اوکھیڑ دینا۔ پھلدار درختوں کو کاٹ ڈالنا۔ مال کو بے محل صرف کرنا بھی خلاف عدالت اور ظلم اور ناجائز ہے جس سے بروز قیامت سوال کیا جائے گا اور دنیا میں بھی سبب ملامت اور نفرت ہوتا بلکہ کبھی مستحق سزا بنا دیتا ہے۔ تفصیل اس کی سمجھداروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ انصاف یہ چاہتا ہے کہ قصورواروں کی سزا کیجائے اور اکثر اوقات قصور کو بخشدینا اچھا اثر پیدا کرتا ہے اور بے قصور کے ساتھ بھلائی کرنا اوس کے دل کو کھینچتا اور دوست بنا دیتا ہے۔ اور آپس کی محبت اور اگلی اسلام و مذہب کی قوت اور شوکت کا باعث ہے۔ اسی واسطے ایسے مقامات میں بھلائی کا حکم دیا گیا۔ پس فرمائش معصوم کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ انصاف کرے تاکہ اوس کے ہاتھوں اپنا اور دوسروں کا حق برباد نہ ہو۔ اور حتی الامکان قصورداروں کے قصور کو بخش دے۔ جو ان کے ساتھ احسان ہے۔ اور بے قصور بلکہ قصوروار کے ساتھ بھی علاوہ قصور بخشنے کے بھلائی کرے۔ دیکھیئے ائمہ اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روش کو۔ مثلاً ابن ملجم کے ساتھ حضرت امیر علیہ السلام کے حسن سلوک اور دودھ پلوانے کو۔ اور حضرت امام حسنؑ کے احسان کو شامی کے ساتھ جس نے آپ کو گالیاں دی تھیں۔ اور پیروی کیجیئے ان کے مکارم اخلاق کی ۱۲ منہ۔

۱؎ اوس کے گناہوں کو بخش دو۔ ۲؎ اوس کے آنسو بہانے پر رحم کھاؤ۔ ۳؎ اگر ننگا ہو تو کپڑا پہناؤ۔ ۴؎ اُس کی غلطیوں سے درگذر کرو۔ ۵؎ اوس کے عذر کو قبول کرو۔ ۶؎ اگر کوئی اوس کی بدگوئی کرے تو اُس کو دفع کردو۔ ۷؎ ہمیشہ اوس کی بھلائی کا خیال رکھو۔ ۸؎ اُس سے دوستی اور محبت کو باقی رکھو۔ ۹؎ اُس کے حقوں کو ادا کرتے رہو۔ ۱۰؎ بیمار ہو جائے تو دیکھنے جاؤ۔ ۱۱؎ مر جائے تو جنازہ میں شرکت کرو۔ ۱۲؎ دعوت دے تو قبول کرو۔ ۱۳؎ سوغات بھیجے تو لیلو۔ ۱۴؎ اس کی بھلائیوں کا بدلا کرتے رہو۔ ۱۵؎ اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ ۱۶؎ حاجتوں کے وقت اس کی مدد کرو۔ ۱۷؎ اُس کی عورتوں کی عزت و حرمت کی حفاظت کرو۔ ۱۸؎ اُس کی ضرورتوں کو پورا کرو۔ ۱۹؎ اگر سفارش چاہے تو سفارش کردو۔ ۲۰؎ چھینکے تو رحمک اللہ کہو یعنی خدا تجھ پر رحمت نازل کرے۔ ۲۱؎ اگر راہ (دنیا یا آخرت) بھول جائے تو راہ بتاؤ۔ ۲۲؎ سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دو۔ ۲۳؎ میٹھی زبان سے اُس سے باتیں کرو۔ ۲۴؎ اگر بھلائی کرے تو اُس کے حق میں دعاے خیر کرو ۲۵؎ اگر قسم کھائے تو مان لو اور نہ جھوٹلاؤ۔ ۲۶؎ اُس سے محبت کرو دشمنی نہ کرو۔ ۲۷؎ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم دونوں حالتوں میں اس کی مدد کرو یعنی اگر دوسرے پر ظلم کرتا ہو تو اس کو ظلم کرنے سے روک دو تاکہ دنیا اور آخرت کے نقصان سے بچا رہے اور اگر کوئی دوسرا اُسی پر ظلم کرتا ہو تو اُس ظلم کو دفع کرو۔ اور اس مظلوم مومن کا حق اُس ظالم سے دلواؤ۔ ۲۸؎ اوس کو دشمن کے حوالے نہ کرو اور نہ دشمن کے قبضہ میں چھوڑ کر ہٹو۔ ۲۹؎ جو بھلائی اپنے لئے پسند کرتے ہو اُس کے لئے بھی پسند کرو۔ ۳۰؎ جو برائی اپنے لئے پسند نہیں کرتے اس کے لئے بھی پسند نہ کرو۔[۱] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی متعدد حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زکوۃ دینا کوئی تعریف کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک کھلا ہوا حق ہے جسکو ادا کر کے انسان قتل کئے جانے سے اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے اور مسلمان کہا جاتا ہے۔ بلکہ زکوۃ کے سوا بھی تمہارے مال میں دوسروں کا حق ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یعنی وہ لوگ (اغنیا) جن کے مال میں سائل اور محروم کا حق معلوم ہے۔

۱؎ کشف الریبہ فی احکام الغیبہ مصنفہ شہید ثانی علیہ الرحمۃ والرضوان چھاپہ ایران ص ۲۶ ۱۲ منہ

پس یہ حق معلوم زکوٰۃ کے علاوہ وہ ہے جس کو بقدر اپنی طاقت اور وسعت کے وہ اپنے مال میں قرار دے اور واجب ہے کہ ایسا کرے۔ اب اس کو اختیار ہے چاہے روزانہ اوس کو فقیروں تک پہونچا دیا کرے یا ہر جمعہ کو یا ہر مہینہ میں ایک دفعہ۔ جس نے ایسا کیا وہ اُس بوجھ سے سبکدوش ہوا جس کو خدا نے اوس پر واجب کیا تھا۔ اور خدا نے جو اُسکو مال دیا ہے اوس کی اس نعمت کا شکریہ ادا کر دیا[۱]۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر انسان پانچ عدد خرمے یا پانچ روٹیاں یا پانچ اشرفیاں یا پانچ روپئے رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ اون کو اچھے کاموں میں صرف کرے تو افضل اور بہتر یہ ہے کہ ایک کو ماں باپ کی ذات میں خرچ کرے اور ایک اپنے اور اپنی بیوی بچوں کی ذات میں اور ایک عزیز فقیروں کی ذات میں اور ایک ہمسایہ کے فقیروں کی ذات میں اور ایک دوسرے کار خیر میں کہ اس طرح خرچ کرنے کا ثواب بہت زیادہ ہے[۲]۔ ہمسایہ[۳] کا حق بھی بہت بڑا ہے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جو بھر پیٹ کھا کر سو رہے اور ہمسایہ اوس کا بھوکا ہو[۴]۔ حضرت پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ عزت کرو ہمسایہ والوں کی اگرچہ کافر ہوں[۵]۔ حضرت کا یہ حکم صرف اس خیال سے نہیں ہے کہ کافر اس کا مستحق ہے بلکہ اس غرض سے ہے کہ یہ رحمدلی خود رحم کرنے والوں کو کئی طرح کا فائدہ پہونچائے گی۔ ایک یہ کہ اس کافر کی نگاہ میں رحم کرنے والے کے مذہب کی عزت اور وقعت ہوگی۔ اور وہ یہ سمجھے گا کہ یہ شخص اپنے مذہب کے حکم سے ایسا کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ مذہب کی خوبی اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی کہ دشمنوں کے ساتھ بھی بھلائی کرنے کی ہدایت کرے۔ اور زیادہ تر کفار اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے مسلمان ہوتے ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ کفار پر ہمارا احسان اور بھلائی ہمارے مذہب کی ترقی کا باعث ہو۔ دوسرے وہ کافر خود اس اچھا برتاؤ کرنے والے کی عزت کریگا اور اس کی شرافت اور بزرگی کا معتقد اور اسکا ہمدرد و بہی خواہ ہو جائیگا

[۱] لآلی الاخبار جلد ۲ باب ۶ صفحہ ۲۱۱ - ۱۲ منہ [۲] لآلی الاخبار جلد ۲ باب ۶ آخر صفحہ ۲۱۱ - ۱۲ منہ [۳] متعدد حدیثوں میں معصومین علیہم السلام سے منقول ہے کہ ہمسایہ کی حد اپنے گھر کے چاروں طرف چالیس چالیس مکان تک ہے ۱۲ منہ [۴] لآلی الاخبار جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ باب ۶ - ۱۲ منہ [۵] تحف العقول ۱۲ منہ۔

ہمسایہ کے حقوق اور اسلامی تعلیم

اور انسان کے لئے بہت بڑی سعادت اور نیک نامی اور عزت و شرافت یہ ہے کہ عام طور سے محبوب لعاوب اور ہر دلعزیز ہو اور ہر شخص اس کا بھی خواہ اور ہمدرد ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ بھی اُس کے دُکھ درد اور تکلیف او مصیبت و ضرورت کے وقت کام آئے گا اور اس کی حاجتیں پوری ہوتی رہینگی۔ انسان دنیا کے ہر مذہب و ملت والوں کی طرف اپنی دنیاوی ضرورتوں میں محتاج ہے اور دنیا کا دستور ہے کہ انسان جیسا کرتا ہے ویسا پاتا ہے معصوم ارشاد فرماتے ہیں کہ بھلائی کرنا اور اچھی طرح ملنا لوگوں کو دوست بناتا اور بہشت میں داخل کرتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ چند چیزوں کی پابندی کرو۔ ایک نمازوں کو مسجد میں پڑھنا۔ دوسرے مخالفین مذہب کے ساتھ بھی بھلائی کرنا۔ تیسرے ان کے رجائز مقدموں میں گواہی دینا۔ چوتھے ان کے جنازوں میں شریک ہونا کیونکہ تم کو بھی ان سے کام پڑیگا اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنی زندگی میں دوسرے سے حاجت نہ رکھتا ہو ہر شخص دوسرے کا محتاج ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ مخالفین مذہب کی امانتوں کو بھی ادا کرو اور اُن کے بیماروں کو دیکھنے جاؤ۔ اور اُن کے جنازوں میں شرکت کرو۔ (فصول المہمہ ص۱۶۶) حدیث قدسی میں حضرت موسیٰ سے خطاب کر کے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اُکْتُمْ سِرِّیْ فِیْ سَرِیْرَتِکَ وَ اَظْهِرْ فِیْ عَلَانِیَتِکَ الْمُدَارَاةَ عَنِّیْ لِعَدُوِّیْ وَعَدُوِّكَ مِنْ خَلْقِیْ[۱] یعنی میرے راز (بھید) کو اپنے دل میں رکھو اور میری مخلوقات میں سے میرے اور اپنے دشمن کے ساتھ میری طرف سے یا میرے حکم سے ظاہر میں اچھا برتاؤ رکھو۔ اور حضرت علی علیہ السلام سے خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ کُنْ رَحِیْمًا مُتَرَحِّمًا وَکُنْ کَمَا تَشَاءُ اَنْ تَکُوْنَ الْعِبَادُ لَكَ یعنی رحمدل اور رحم کرنے والے بن کر رہو اور ویسے بنو جیسا چاہتے ہو۔ کہ بندے تمہارے لئے بنیں[۳]۔ پھر اپنے کل بندوں سے خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے یا بَنِیْ اٰدَمَ کُنْ کَیْفَ شِئْتَ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ یعنی اے اولادِ آدم[۳] (اچھے یا برے جیسے چاہو) بنو (لیکن سمجھ رکھو کہ اچھا یا برا)، جیسا کام کروگے ویسا ہی بدلا پاؤ گے۔[۴]

---

[۱] لآلی الاخبار جلد ۱ باب ص۱۶۳ - ۱۲ منہ [۲] جواہر السنیہ ص۳۴۷ - ۱۲ منہ [۳] جواہر السنیہ چھاپہ بمبئی ص۳ ۱۲ منہ [۴] جواہر السنیہ چھاپہ بمبئی ص۲۳ - ۱۲ منہ۔

اور اگر مال سے مدد نہ کر سکتا ہو تو چاہیئے کہ ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ سے مدد کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو چاہیئے کہ کشادہ پیشانی کے ساتھ یعنی اچھی طرح ملے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص تین باتوں میں سے ایک کے ساتھ بھی بارگاہِ پروردگار میں حاضر ہوگا خداوندِ عالم اس کیلئے بہشت واجب کر دے گا۔ ایک محتاج کی ذات میں مال خرچ کرنا۔ دوسرے تمام دنیا کے لوگوں سے اچھی طرح ملنا۔ تیسرے اپنے اور دوسروں کے درمیان انصاف کرنا۔ اور اپنے کنبہ والوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے اولادِ عبدالمطلب لوگوں کے ساتھ مال سے تم لوگ بھلائی نہیں کر سکتے پس ان سے اچھا طرح ملا کرو۔[1] اور رحم دلی کی پہلی منزل اپنے اوپر رحم کرنا ہے یعنی نفع اور نیکنامی کی چیزوں کو حاصل کرنا اور نقصان اور بدنامی کی چیزوں کو چھوڑنا۔ اور یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اپنے بدن کے ہر ٹکڑے کے حق کو ادا نہ کرے۔ اور بدن کے حقوق کی تفصیل میں حضرت سید سجاد امام زین العابدین علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہاری ذات کا حق تم پر یہ ہے کہ اوس کو خدا کی فرمانبرداری میں پوری طرح صرف کرو۔ پس چاہیئے کہ اپنی زبان اور کان اور آنکھ اور ہاتھ اور پانوں اور پیٹ اور شرم گاہ سب کے حقوق کو ادا کرو۔ اور اس میں خدا سے مدد چاہو۔ زبان کا حق یہ ہے کہ اس کو بُری باتوں سے بچاؤ اور اچھی باتوں کی عادت کرو اور بے فائدہ بات نہ بولو۔ اور لوگوں کے ساتھ اس سے بھلائی کرو۔ اور لوگوں سے میٹھی زبان سے کلام کرو۔ اور کان کا حق یہ ہے کہ لوگوں کی برائی سننے سے اوس کو بچاؤ۔ اور کوئی ایسی بات نہ سنو جس کا سننا جائز نہیں ہے۔ اور آنکھ کا حق یہ ہے کہ ناجائز چیزوں کو دیکھنے سے روکو اور عبرت و نصیحت یعنی خدا کو یاد دلانے والی اور اچھی راہ پر لگانے والی چیزوں کو دیکھو۔ اور ہاتھوں کا حق یہ ہے کہ ناجائز کاموں کی طرف نہ بڑھاؤ (اور خدا کی فرمانبرداری اور خلقِ خدا کی بہبودی اور خیر خواہی کے کاموں کو اوس سے انجام دو) اور پانوں کا حق یہ ہے کہ ناجائز کاموں کی طرف اُس سے نہ چلو کیونکہ انھیں پانوں پر پل صراط پر کھڑا ہونا ہے۔

---

[1] لآلی الاخبار صفحہ ۱۶۳ جلد ۱ باب ۱۲ ۔

دیکھو اگر ان سے گناہ کروگے تو یہ پل صراط پر پھسلیں گے اور تم جہنم میں گر جاؤ گے۔ (اور خدا کی فرمانبرداری اور بندوں کی بھلائی کے لیئے ان کو کام میں لاؤ۔) اور پیٹ کا حق یہ ہے کہ حرام مال نہ کھاؤ اور اوس مقدار سے زیادہ نہ کھاؤ جس سے پیٹ بھر جاتا ہے۔ اور شرمگاہ کا حق یہ ہے کہ زنا سے بچاؤ اور اوس کو چھپائے رہو تاکہ نامحرم کی نگاہ اوس پر نہ پڑے۔ (اور عورتوں کا پورا بدن شرمگاہ ہے۔ اس واسطے ان پر واجب ہے کہ نامحرم سے اپنے پورے بدن کو چھپائیں) [1]

حقوقِ مخلوقات

انسان کے فعل اور کلام کا تعلق ایک تو ذاتِ اقدس پروردگار سے ہے دوسرے خود اپنی ذات سے۔ پس اگر اوس نے ان حقوق کو انجام دیا تو خدا کی فرمانبرداری کی اور اُس کی بارگاہ میں عزت حاصل کی اور مخلوقاتِ خدا کے حقوق سے بھی سبکدوش ہوا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ انسان کی ہر بات اور ہر کام خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے۔ جو ان اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق خداوند رب العالمین کی ذاتِ اقدس سے ہے۔ دوسرے وہ جنکا تعلق اکثر مخلوقات سے ہے اس طرح کہ ان کا نفع یا نقصان دوسروں کو پہونچتا ہے جیسے اُن کے ساتھ بھلائی یا بُرائی کرنا تیسرے وہ کہ جن کا تعلق خود اپنی ذات سے ہے۔ اور اُن سے نفع یا نقصان اپنی ہی ذات کو پہونچتا ہے۔ جیسے نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا۔ کہ ہمارے پڑھنے کے فائدہ اور نہ پڑھنے کے نقصان سے دوسروں کو کوئی تعلق نہیں ہے پس ان کل اعضاء کے کل حقوں کو انجام دینے سے خداوند مالک الملک کے حقوق بھی انجام پا جاتے ہیں یعنی اوس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اوس کے حکموں کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے اور دوسروں کے حقوق بھی انجام پا جاتے ہیں۔ اور اپنی ذات کے حقوں سے بھی سبکدوشی حاصل ہو جاتی ہے اور ان حقوق کو چھوڑنے سے سب کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور مخالفت کرنے والا دنیا اور آخرت دونوں کے خسران اور نقصان کا مستحق ہوتا ہے اور چونکہ صرف اپنے اوپر رحم کرنا یعنی اپنے بدن کے حقوں کو ادا کرنا کل حقوں سے سبکدوشی

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲ باب الحقوق ص ۲۰۳ چھاپہ لکھنؤ ۱۲ منہ

کا ذریعہ اور دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی اور سرخروئی اور نیک نامی کا باعث ہے اس لئے رحمدلی کی پہلی اور بہترین منزل اسی کو قرار دیا۔ اور اس حدیث شریف میں بہت باریک نکتہ اور نہایت لطیف اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنی ہی ذات کے ساتھ بھلائی کرنا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ دنیا میں چار طرح کے لوگ دیکھے جا رہے ہیں ایک کریم جو اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی ذات میں صرف کرنے سے دوسروں کی ذات میں صرف کرنا اچھا سمجھتے ہیں۔ یہ مرتبہ اولیاء اللہ کا ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ مثل اکسیر کے بہت کم ہیں۔ دوسرے سخی جو اپنی ذات میں بھی خرچ

ع۵ میرا واقعہ یا اپنی بیتی کربلائے معلی کی زیارت سے فرصت کر کے میں اپنے رفقائے سفر یعنی سید مقبول حسین اور خوش صفات دوست جناب مولوی سید سبط نبی صاحب سلمہ اللہ ساکن نوگانواں اور جناب مولوی سید یوسف حسین صاحب مرحوم امروہوی اور شیخ زاہد علی صاحب سلمہ ساکن سقرا کے ساتھ بارادہ نجف اشرف تویرج پہونچا ایرانی طالب العلموں کو دیکھا کہ ایک کشتی پر سوار ہیں۔ کرایہ دریافت کر کے ہم لوگ بھی سوار ہو گئے کشتی کے روانہ ہونے میں دیر ہوئی۔ اور چونکہ اسی دن کوفہ پہونچنے والی نہ تھی ایرانیوں نے دوسری چھوٹی کشتی کرایہ کر لی اور اس پر سوار ہو گئے۔ ہم لوگ چونکہ نئے تھے اس بات سے آگاہ نہ ہوئے مگر اتنا سمجھا کہ اس بڑی کشتی میں کوئی عیب ضرور ہے۔ ایرانیوں کے زمرہ میں ایک عالم تھے جن سے میں نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم لوگ بھی اس پر آجائیں کرایہ دے دیں گے انھوں نے منظور کیا لیکن ایک اصفہانی سید نے روک دیا۔ اور کہا کہ یہ سب ہندی ہیں ان کو چھوڑ دیجئے چنانچہ ہم لوگ چھوڑ دئیے گئے اور وہ لوگ اسی دن کوفہ پہونچ گئے اور ہم لوگ دوسرے دن۔ راہ میں فاقہ اور شدید سردی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ڈیڑھ دو سال کے بعد میں اپنے رفیق سفر سید عبداللہ بخارائی کے ساتھ بارادہ کربلائے معلی کوفہ پہونچا کشتی کرایہ کی۔ تقریباً بیس طالب العلم جمع ہو گئے اور سب سوار ہو چکے تھے کہ وہی اصفہانی سید پہونچے اور ایک رفیق بھی ان کے ساتھ تھے جگہ کی خواہش کی میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ان کے برے برتاؤ کے جواب کا یہی موقع ہے۔ اپنے رفیقوں سے کہا کہ ان کو وسیع جگہ دینی چاہیے ہم لوگوں کو تکلیف ہو لیکن ان لوگوں کو آرام ملے۔ اور غرض میری اس سے شریفانہ گوشمالی تھی۔ رفقا سے واقعہ بیان نہ کیا لیکن ان لوگوں کو وسیع جگہ دے دی لیکن سید صاحب اس پر بھی نہ مانے پہلے تو شرارت آمیز گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد اپنے خیال میں مجھ کو خفیف کرنے کی غرض سے ایک منطقی سوال کر بیٹھے ہیں میں نے اس کا جواب دے کر

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۴۴)

کرتے ہیں اور دوسروں کی ذات میں بھی۔ یہ مرتبہ خالص مومنوں اور خدا و رسول کی ہدایت پر چلنے والوں کا ہے۔ یہی لوگ حبیب اللہ یعنی خدا کے دوست ہیں اور ان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی حاصل ہے۔ تیسرے بخیل جو اپنی ذات میں خرچ کرتے ہیں لیکن دوسروں کو اون کی ذات سے فائدہ نہیں پہونچتا۔ یہ لوگ دنیا کی لذت تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن تینوں قسم کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسا سامان مہیا کرتے ہیں کہ نیکنامی اور دوسروں کی ذات سے جو فائدہ اُن کو پہونچنا چاہئے اُس سے دنیا میں محروم رہیں۔ اور خداوند عادل کی رحمتوں سے آخرت میں۔ اور لقب اون کا عدو اللہ یعنی دشمن خدا ہے اور جگہ ان کی جہنم۔ چوتھے لئیم جو نہ تو اپنی ذات میں خرچ کرتے ہیں نہ دوسروں کی ذات میں ؎ نہ خورد نہ کس دہد + گندہ شود بسگ دہد۔ ایسے لوگ نہ گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے۔ خسر الدنیا والآخرہ۔ دونوں کے فیوضات اور بھلائیوں سے محروم۔ اور اشقی الاشقیاء کے لقب سے سرفراز۔ یعنی سب سے زیادہ بدبخت۔ ایسے لوگ خاک پھانک کر مال جمع کرتے ہیں اور آخر میں یا تو چور لیجاتا ہے یا نالائق اولاد زناکاری اور شراب خواری اور فسق و فجور میں اُڑا دیتی ہے۔ اور یہ لوگ علاوہ ملامتِ دنیا کے آخرت میں دوہرے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایک[۱] حقوں کے برباد کرنے کا۔ دوسرا[۲] اولاد کے فسق و فجور کا۔ بہرحال چوتھی قسم کے لوگ تو خطاب ہی کے لائق نہیں ہیں کیونکہ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں اس لئے کہ جانور خود کھاتے ہیں یہ خود بھی نہیں کھاتے لیکن تیسری قسم کے لوگوں سے معصوم یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ غیروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا فائدہ چونکہ اپنی ہی طرف پلٹ آتا ہے اس لئے یہ بھلائی درحقیقت اپنی ہی ذات کے ساتھ ہے۔ اور جبکہ اپنی ذات میں خرچ کرنا تم پر جبر نہیں ہوتا اور ہر طرح سے اپنی ذات کو فائدہ پہونچانا چاہتے ہو تو اگر تم کو دوسروں کی ذات میں خرچ کرنا اس وجہ سے ناگوار گذرتا ہے کہ وہ غیر ہے۔ تو چاہئے کہ تم اِس امر پر نگاہ رکھو کہ یہ بھلائی اگرچہ ظاہر میں یا دوسروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳)

کہا کچھ اور پوچھئے لیکن معلوم ہوا کہ اس بیچارے کی سنی سنائی ہوئی بضاعت اسی قدر تھی۔ پھر میں نے ان سے اجازت لیکر تین منطقی سوال کئے۔ دو سوال تو کئی مرتبہ بیان کرنے پر بھی وہ سمجھ نہ سکے اور تیسرے کو سمجھا بھی تو جواب نہ دیسکے۔ اس واقعہ کے بعد وہ میری تعظیم کیلئے کرتک جھکنے لگے۔ نتیجۂ کلام بُرا برتاؤ کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنے سے ہاتھ نہ روکنا چاہئے۔ اگر وہ نہ سمجھے جب بھی دنیا کی نیکنامی اور آخرت کا ثواب ہاتھ سے نہیں جاسکتا ۱۲۔ ابن راحت حسین

کے ساتھ ہے لیکن واقع میں اپنی ہی ذات کے ساتھ ہے۔ پوری تحریر کا خلاصہ کل آسمانی کتابوں کے مطالب قرآن میں ہیں اور پورے قرآن کے مطالب ام القرآن یعنی سورۂ مبارکۂ الحمد میں۔ اور قرآن مقدس میں تین قسم کی چیزیں ہیں۔ ۱۔ اہل دنیا کے عبرت اور نصیحت آمیز قصے۔ ۲۔ حضرت سرور عالم اور اُن کے اہلبیت کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے دوستوں کی تعریف اور ان کے دشمنوں کی مذمت اور بُرائی۔ ۳۔ احکام جو خدا اور خلقِ خدا کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں اور دنیا کا انتظام اونھیں پر قائم ہے۔ اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہیں۔ پہلی کی طرف خداوند عالم نے سورۂ الحمد میں لفظ رب العالمین سے اشارہ کیا جس کو میں نے ان لفظوں کی تفسیر میں مختصر طور سے بیان کیا۔ اور دوسری قسم کو الصراط المستقیم سے آخر تک کی آیتوں سے بیان فرمایا جس کی مختصر توضیح و تفسیر اوپر گذر چکی۔ اور تیسری قسم کی طرف دو لفظوں یعنی رحمٰن و رحیم سے اشارہ کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا رحیم ہے اور رحمدلی کو پسند کرتا اور اس کی ہدایت کر رہا ہے اور ایک رحمدلی سے انسان انسان بلکہ فرشتہ بنجاتا بلکہ فرشتوں سے بھی افضل و رخدا کا عزیز اور مقرب بندہ اور خلق خدا کا محبوب و رعزیز القلوب اور دنیا و آخرت دونوں کی ہر خیر و بھلائی کا مستحق

ؑ نصیحت آمیز حکایت شام کے وقت ایک مسافر ایک رئیس کے دروازہ پر پہونچا اور سائبان میں رات بسر کرنے کی اجازت چاہی۔ رئیس صاحب کو ایک وقت کھانا کھلانا جبر ہوا اور حیلہ حوالہ کرکے اس کو ہٹا دیا۔ خداوند عالم نے ان کی گوشمالی کرنی چاہی۔ ان کے دل میں شکار کا خیال پیدا ہوا گھر سے دور پڑ گئے۔ شدید بارش ہوئی۔ خوب بھیگے شام ہو گئی۔ قریب کی بستی میں کانپتے ہوئے اوسی مسافر کے دروازہ پر پہونچے انھوں نے اس کو نہ پہچانا لیکن وہ ان کو پہچان گیا اس سے شب بسر کرنے کی خواہش کی اُس شریف نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ گھر گیا بیٹے کو ان کی خدمت کے لئے بھیجدیا۔ ان کے کپڑے بدلوا دیئے۔ نہایت درجہ خاطر مدارات کی اور آرام سے رکھا لیکن خود گھر سے نہ نکلا۔ صبح کو روانہ ہونے کے وقت انھوں نے اُس سے ملاقات چاہی۔ اُس نے معذرت کہلا بھیجی۔ جب انھوں نے اصرار کیا تو ملاقات کی۔ انھوں نے ملاقات نہ کرنے کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ میں وہی مسافر ہوں جسکو آپ نے نکال دیا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر آپ پہچان لیں گے تو شرمندہ ہوں گے اور آپ کے آرام میں فرق آجائے گا اس لئے رات بھر ملاقات نہ کی۔ آپ کے اصرار نے ملاقات کرنے اور ملاقات نہ کرنے کا سبب بیان کرنے پر مجبور کیا۔ ۱۲ منہ۔

اور خدا اور خلق خدا اور اپنی ذات کے حقوق سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ اور انتظام دنیا کو باقی رکھنے یا قائم کرنے کا تاج اوسی کے سر کی زینت قرار پاتا ہے۔

توضیح کی دوسری تقریر۔ توضیح کی تقریر بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کو مختصر طور سے بیان کر دوں کہ ایک حرف یا ایک لفظ بہت سے معنی کو کیونکر ادا کرتا ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ قرآنِ مقدس اپنے تھوڑے الفاظ سے دنیا کی کل چیزوں کو بیان کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ دنیا کی سب چیز ایسی چھوٹی کتاب میں تفصیل سے بیان نہیں ہو سکتی اس لیئے ضرور ہوا کہ کچھ چیزیں تفصیل سے مذکور ہوں اور کچھ چیزوں کی طرف اشارے ہوں جن کی تفصیل ان مقدس ہستیوں کے سینوں میں ہو جن پر اور جن کے گھر میں قران نازل کیا گیا۔ اور ان کو علمِ قرآن تعلیم کیا گیا اور وہ اُس کے مخزن اور مبیّن اور مروّج قرار دیئے گئے اور یہ مقدس ہستیاں حضرت سرور عالم اور اہلبیت علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور اس مطلب کی تفصیل بائیسویں مقدمہ میں ذکر کی گئی۔ اب میں دو تین مثالیں ذکر کرتا ہوں جن سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک حرف یا ایک لفظ بہت سے معنی کو کیونکر ادا کرتا ہے۔ واضح ہو کہ چھوٹے بچوں کو جب ا ب ت وغیرہ پڑھایا جاتا ہے تو وہ ان حروف کو پہچان لینے کے سوا ان سے کوئی معنی نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر ان کو بتا دیا جائے کہ "ا" سے ایک عدد کی طرف اور "ب" سے دو عدد کی طرف اور "ت" سے چارسو کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ تو وہ ان حروف کی صورت شناسی سے گذر کر ان اشاروں کو بھی سمجھنے لگتے ہیں لیکن ان کے اذہان ان حرفوں کے معانی تک نہیں پہونچتے لیکن اگر ان کو بتا دیا جائے کہ "ا" کی دو قسمیں ہیں ایک ساکن یعنی جس پر جزم ہو جیسے قَالَ بَاعَ میں۔ اس کو الف لیّنہ کہتے ہیں اور حرفِ علت بھی۔ دوسرا متحرک یعنی جس پر زبر یا زیر یا پیش ہو اس کو ہمزہ کہتے ہیں اور یہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک قطعی جو ہمیشہ باقی رہتا ہے جیسے اَفعال میں۔ دوسرا وصلی جو پچھلے لفظ سے ملنے کے وقت گر جاتا ہے جیسے اِفتعال میں۔ پھر ہمزہ کبھی دریافت کرنے کے مقام میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے اَ قرأتَ (کیا تو پڑھ چکا) اور کبھی نزدیک کے آدمی کو پکارنے کیلئے جیسے اَ زید (اے زید) اور کبھی دور کے آدمی کو پکارنے کیلئے جیسے آ خالد (اے خالد) اور کبھی دو چیزوں میں برابری ظاہر کرنے کے لئے جیسے لَا اُبَالِیْ اَ قُمْتَ اَمْ قَعَدْتَ (مجھے کوئی پروا نہیں خواہ

توضیح کی دوسری تقریر سے اہلبیت

تو کھڑا رہے یا بیٹھے۔) یعنی تیرا کھڑا رہنا اور بیٹھنا میرے نزدیک برابر ہے۔ پس ان کل باتوں کو سمجھ لینے کے بعد اگر اس بچے کے سامنے آپ صرف "الف" بول دیں تو اس کے ذہن میں اوس کی صورت بھی آجائیگی اور ایک عدد کی طرف اشارہ کے لئے ہونا بھی اور اس کی دونوں قسمیں لین اور متحرک بھی اور قطعی اور وصلی بھی اور یہ بھی کہ یہ حرف کن کن معانی میں استعمال جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک حرف "ا" کی ایک صفحہ شرح اوس کے ذہن میں موجود ہو جائیگی۔ پھر اگر علم و استعداد اچھی رکھتا ہے تو حروف لینہ اور حروف علت کی تعداد اور ان کے احکام۔ اور اون بابوں کی تفصیل اور اُن کے خواص بھی بیان کر دے گا۔ جنکا ہمزہ وصلی یا قطعی ہے۔ پھر یہ بھی بیان کر دیگا کہ ہمزہ استفہام دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک دریافت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور ایک انکار کیلئے۔ اور یہ بھی بیان کر دیگا کہ جو ہمزہ نزدیک کے شخص کو پکارنے کیلئے ہے اس قرب (نزدیکی) سے کیا مقصود ہے۔ آیا جگہ کی نزدیکی مقصود ہے یا زمانہ کی یا عزت و شرافت کی یا رشتہ و قرابت کی۔ اسی طرح دوری کو۔ اور یہ بھی بیان کر دیگا کہ مساوات یعنی برابری کئی طرح کی ہوتی ہے۔ ایک جگہ میں۔ دوسرے زمانہ یعنی عمر میں۔ تیسرے مال میں۔ چوتھے علم میں۔ پانچویں عزت یا ذلت وغیرہ میں مثلاً دیکھئے میں نے ان مطالب کی تفصیل نہیں بیان کی ہے بلکہ تفصیل طلب چیزوں کی فہرست بیان کی ہے اور ایک صفحہ پورا ہو گیا۔ اگر تفصیل بیان کی جائے تو حروف ہجا کے اٹھائیس حرفوں میں سے صرف ایک حرف "ا" کے معانی اور قسموں اور خاصیتوں کے بیان میں جو علم خواصِ حروف میں ذکر کی جاتی ہیں ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہم لوگوں کی مثال عالمانِ علمِ لدنی کے مقابل میں مثل اُس بچے کے ہے جو ابھی پورا حرف شناس بھی نہ ہوا ہو۔ عبداللہ بن عباس جو بحر العلوم یعنی دریائے علوم کہے جاتے ہیں حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شب بھر نقطۂ بائے بسم اللہ کی تفسیر سنکر کہنے لگے کہ میں نے اپنے علم کو حضرت کے علم کے مقابل میں ویسا پایا جیسے ایک فوارہ دریائے ذخار کے مقابل میں[1]۔ اور دوسری حدیث میں بجائے فوارہ کے ایک قطرہ سات دریاؤں کے مقابل میں کہا ہے[2]۔ حالانکہ حضرت نے نقطۂ بائے بسم اللہ کی تفسیر بھی ختم نہیں کی تھی۔

---

[1] ینابیع المودۃ باب ۱۴ صکہ بحوالہ شرح فتح المبین مصنفہ حکیم ترمذی ۱۲ منہ [2] ینابیع بہ نشانِ بالا۔ ۱۲ منہ

باقی حرفوں کو بھی اسی طرح کا سمجھ لینا چاہیئے۔ یہ مثال حرف کی تھی۔ رہے الفاظ تو مثال کے لئے ایک لفظ عین کو ملاحظہ کیجئے جس کے ستر معنی کلام عرب میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ۱؎ آنکھ ۲؎ حدقہ یعنی آنکھ کی گہرائی۔ ۳؎ اہل شہر ۴؎ اہل مکان ۵؎ آنکھ کی بیماریاں ۶؎ زانو ۷؎ خالص چیز۔ ۸؎ نفیس چیز ۹؎ عزت ۱۰؎ علم ۱۱؎ سوئی کا سوراخ ۱۲؎ نگہبان ۱۳؎ جاسوس ۱۴؎ جماعت ۱۵؎ حاضر و موجود ۱۶؎ ہر چیز کا مکھ پات۔ ۱۷؎ چمڑے پر کی باریک گول سلکنیں ۱۸؎ اشرفی ۱۹؎ ڈھلا ہوا سونا۔ ۲۰؎ نقد موجود ۲۱؎ ہر ذات ۲۲؎ سود۔ ۲۳؎ سردار۔ ۲۴؎ رئیس قوم۔ ۲۵؎ رئیسِ فوج۔ ۲۶؎ طلیعہ یعنی فوج کا وہ دستہ جو دشمن کی حالتوں کا سراغ لینے کے لئے آگے آگے چلتا ہے۔ ۲۷؎ آفتاب ۲۸؎ اس کی شعاع ۲۹؎ مال ۳۰؎ مال مخزون ۳۱؎ پانی کا چشمہ ۳۲؎ چشمہ کا پانی گرنے کی جگہ۔ کل معانی کو ذکر کرنا غیر ضروری اور باعثِ طوالت ہے۔ اور ان معانی میں سے اگرچہ بعض معنی دوسرے معنی میں داخل کیا جا سکتا ہے جیسے اہلِ مکان اہلِ شہر میں اور رئیس فوج رئیسِ قوم میں لیکن مجھکو اس امر کی تحقیق مقصود نہیں ہے کہ اس کے متعدد معانی کیلئے کوئی جامع اور عام معنی نکل سکتا ہے یا نہیں بلکہ صرف اس امر کو ذکر کرنا مقصود ہے کہ ایک لفظ بہت سے معانی کو کیونکر ادا کرتا ہے یہ تو ان معانی کی صرف فہرست تھی لیکن اگر اس لفظ کے کل معانی کی حقیقت و ماہیت اور اُن کی پوری حالتیں اور احکام بیان کئے جائیں تو ایک بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ عالم یعنی دنیا میں مخلوقات اس قدر ہیں کہ اون کی فردوں کو نہیں بلکہ صرف قسموں کو کوئی گننا چاہے تو نہیں گن سکتا۔ اور لفظِ عین کے ستروں معانی کو موجوداتِ عالم کی تعداد کے مقابل میں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو ایک کو ہزار سے ہے پس جبکہ ایک لفظ عین کے معانی کی حقیقتوں اور حالتوں اور آثار اور احکام کی شرح میں ایک بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے تو عالم یعنی دنیا کے کل موجودات کی حقیقتوں اور حالتوں اور احکام اور آثار کی شرح میں یقیناً بیسوں کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ اور اگر لفظ رب کو اُس پر داخل کر کے اس کے پانچوں معانی

ع ۱؎ سردار ۲؎ مالک ۳؎ صاحب ۴؎ مربی ۵؎ مصلح و متمم (ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ الحمد) ۱۲ منہ

کو پیش نظر رکھ کر رب العالم کی شرح کیجائے تو کتابوں کی تعداد اس سے بھی بڑھجائیگی
غرض یہ ہے کہ لفظ عالم مفرد ہے جس سے یہ دنیا مقصود ہے جس میں ہم ہیں اور لفظ
عالمین اس کی جمع ہے جس میں ذات مقدس پروردگار کے سوا کل موجودات داخل ہیں۔
پس جبکہ لفظ رب العالم کی شرح و بیان سے پچاسوں کتابیں تیار ہو سکتی ہیں تو اگر لفظ رب العالمین
کی شرح ایک سو چار آسمانی صحیفوں کو قرار دیا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہونی چاہیے
اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ لفظ عالم جمع ہے جس کے لیئے اوس کے لفظ سے کوئی
مفرد نہیں ہے اور اس میں اس دنیا کی کل چیزیں داخل ہیں اور عالمین عالم کی جمع ہے
جس میں سوا ذات پروردگار کے آسمان و زمین کے کل موجودات داخل ہیں۔ اور
ان موجود چیزوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک متحیز یعنی وہ چیزیں جن میں لمبائی چوڑائی موٹائی
ہے۔ دوسرے صفت متحیز یعنی عرض جو جسم میں ہو کر پایا جاتا ہے جیسے سفیدی
سیاہی۔ سردی۔ گرمی وغیرہ۔ تیسرے ارواح یعنی لطیف چیزیں جو نہ تو متحیز ہیں
نہ صفت متحیز۔ پہلی قسم اجسام ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجسام علویہ یعنی آسمانی
جسم۔ دوسرے اجسام سفلیہ یعنی اس دنیا کے موجودات کے جسم اجسام علویہ میں عظیم کل آسمان

عہ حدیث نمبر ۲ جو شروع فائدہ میں بروایت ابی بن کعب نقل کی گئی اُس کا یہ مضمون "کہ سورۃ الحمد کا مثل خدا
نے نہ انجیل میں نازل کیا نہ توریت میں نہ زبور میں نہ قرآن میں"، ممکن ہے کہ اسی لئے مقصود یہ ہو کہ سورۃ الحمد کا
ہر جملہ کل آسمانی کتابوں کے مضامین اور اہل دنیا کی کل ضروری چیزوں کو شامل ہے۔ ۱۲ منہ
عہ آسمانوں کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس سے انکار کرنا کفر کا سبب ہے، اور انکار
کرنے والے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کے پاس اس انکار پر کوئی معقول ثبوت موجود نہیں
ہے بہت بڑا ثبوت ان کا دوربینیں ہیں جو ذرہ برابر بھی اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ ایک اس وجہ سے
کہ ہر زمانہ میں دوربینوں سے جو چیزیں دریافت کی گئیں دوسرے زمانہ کی دوربینوں نے اون
تحقیقوں کو غلط ٹھہرا دیا حالانکہ ہر زمانہ کی تحقیق پر اوس زمانہ کے حکما یقین رکھتے تھے اس لئے
ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد بھی ایسی کوئی دوربین نکلے جو آج کل کی تحقیق کو بھی غلط ثابت کر دے۔
دوسرے اس وجہ سے کہ آج کل کے حکماء بھی جن کے ہاتھوں میں دوربینیں ہیں بہت سے مسئلوں
میں آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ تیسرے اس وجہ سے کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آسمان پانی کے
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۵۰)

داخل ہیں اور آفتاب اور ماہتاب اور تارے اور عرش اور کرسی اور سدرۃ المنتہیٰ اور لوح اور قلم اور بہشت اور دوزخ وغیرہ اور اجسام سفلیہ میں بسائط یعنی وہ چیزیں داخل ہیں جو کئی چیزوں سے مل کر نہ بنی ہوں۔ جیسے آگ۔ ہوا۔ پانی۔ مٹی۔ قدیم فلاسفہ کی رائے کے مطابق۔ اور گندھک اور سونا وغیرہ جدید فلاسفہ کی رائے کے مطابق۔ اور مرکبات داخل ہیں جو کئی چیزوں سے مل کر بنی ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک جمادات یعنی زمین اور پہاڑ اور لوہا اور تانبا اور جواہرات وغیرہ۔ دوسرے نباتات یعنی گھانس اور درخت وغیرہ تیسرے حیوانات یعنی جاندار چیزیں جیسے انسان اور چارپائے اور کیڑے وغیرہ اور دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو پانچوں حواس ظاہری یعنی آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ ہاتھ وغیرہ سے دریافت کیجاتی اور سمجھی جاتی ہیں جیسے رنگ آواز۔ بو۔ مزہ۔ سردی۔ گرمی سختی نرمی وغیرہ۔ دوسری وہ جو عقل سے سمجھی جاتی ہیں۔ جیسے علم۔ سخاوت۔ شجاعت۔ بردباری خوش خلقی۔ بدخلقی وغیرہ اور تیسری قسم میں عقل اور جنات اور ملائکہ اور جانداروں کی روحیں وغیرہ داخل ہیں انھیں موجودات کو خداوند عالم نے لفظ عالمین سے مراد لیا ہے اور بہ لفظ جمع تعبیر کیا ہے۔ اور ان موجودات سے کئی طرح سے بحث کیجاتی ہے ایک اس حیثیت سے کہ یہ کل چیزیں پیدا ہوئی ہیں اور اپنی پیدائش میں کسی ایسی ذات کی طرف محتاج ہیں جو خود پیدا ہوئی ہو اور کسی دوسرے کی طرف محتاج نہ ہو۔ یعنی ذاتِ پروردگار اور یہ بحث فلسفہ الٰہیات سے تعلق رکھتی ہے جس میں ذات و صفاتِ خالقِ عالم سے گفتگو کی جاتی ہے دوسرے اس حیثیت سے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان میں عبد و معبود اور مالک و مملوک کی نسبت ہے اور یہ نسبت یہ چاہتی ہے کہ مالک و معبود حاکم ہو اور عبد و مملوک محکوم اور ان کے درمیان میں کچھ احکام ہوں جن کی تعمیل محکوم بندوں پر لازم اور ضروری ہو پس ضرور ہوا کہ جب تک دنیا باقی ہے کچھ ایسی ہستیاں ان کے درمیان میں ہوں جو اس برحق حاکم کے احکام ان تک پہونچائیں اور اُن کو انجام دینے کا طریقہ انکو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹

پھین سے بنائے گئے ہیں جن کی رنگت سفید تنتنہ کی سی ہے اور دوری کی وجہ سے نیلے معلوم ہوتے ہیں جس طرح سمندر کے زیادہ گہرے مقام کا پانی نیلا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص شیشے کے گول ظرف میں کھڑا ہو جائے اور وہ ظرف بہت بڑا ہو اور اسکو معلوم نہ ہو کہ کس چیز کے اندر ہے تو اپنی کو شیشے کے اندر ہونے کا پتہ نہ ملیگا اور شیشے کی جسامت نظر آئے گی میں نے اس بحث کو کتاب الفقام حجر میں جو ابھی چھپی نہیں ہے بہت تفصیل سے لکھدیا ہے۔ ۱۲ منہ [۱] اگر معتبر حدیثوں سے ثابت ہو جائے کہ لوح و قلم مجسم ہیں ۱۲ منہ

تعلیم کریں۔ اور یہ ہستیاں رسول و نبی اور ان کے قائم مقام خلیفہ اور وصی کہے جاتے ہیں۔ اور یہ بحث فن نبوات سے تعلق رکھتی ہے جو فلسفہ الٰہیات کی ایک شاخ ہے۔ **تیسرے اس حیثیت سے** کہ چونکہ ان میں ظالم اور مظلوم اور سرکش اور فرمانبردار بھی پائے جاتے ہیں۔ اور برے اور اچھے عمل کا بدلا دینے اور مظلوم کا حق ظالم سے دلوانے پر عرف اور شرع اور عقل سب حکم کر رہے ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ان کو اچھے اور برے عمل کا بدلا دیا جائے اور ظالم اور مظلوم کے درمیان میں انصاف کیا جائے اور یہ بحث **نشاۃ آخرت یا فن معاد** سے تعلق رکھتی ہے جو فلسفہ الٰہیات کی ایک شاخ ہے۔ **چوتھے اس حیثیت سے** کہ ایک تو بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور حاجتوں کے پوری ہونے اور انجام پانے کے لئے آپس میں اکدلی اور میل و محبت بہت ضروری چیز اور جزو اعظم ہے۔ اور میل و محبت آپس میں اچھا برتاؤ رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسرے ان کی صحت جسمانی کے باقی رکھنے اور ان کی روز مرہ کی ضرورتوں کے انجام پانے اور دوسروں کی نگاہوں میں عزت اور وقعت حاصل ہونے میں جو ہر صاحب عقل کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے بقدر حاجت اور موقع اور محل سے سونے اور جاگنے اور کھانے اور پینے اور نہانے دھونے۔ اٹھنے بیٹھنے۔ تھوکنے۔ بولنے ہنسنے۔ رونے وغیرہ کو کامل دخل ہے اس واسطے ان چیزوں کے متعلق جو احکام اور آداب تعلیم کئے گئے ہیں اون کو سیکھنا اور برتنا ضروری ہے اور یہ بحث **علم اخلاق** سے تعلق رکھتی ہے **پانچویں اس حیثیت سے** کہ ان موجودات کی اصل اور حقیقت اور ماہیت کیا ہے اور کس چیز سے بنائی گئی ہیں اور یہ کہ متحرک ہیں۔ یا ساکن اور یہ کہ ان میں تغیر بھی ہوا کرتا ہے اور صاحب طبیعت بھی ہیں اور یہ بحث **فن طبعیات** سے تعلق رکھتی ہے **چھٹے اس حیثیت سے** کہ ان پر کون کون سی حالتیں طاری ہوتی ہیں اور کس قسم کے تغیرات ان سے متعلق ہوتے ہیں اور ان حالتوں اور تبدیلیوں سے کون سے آثار اور کس طرح کی خاصیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پس آسمانی چیزوں کی حالتوں سے بحث **علم ہیئت اور علوم نجوم** سے تعلق رکھتی ہے۔ اور دنیاوی چیزوں کی حالتوں سے بحث دوسرے علوم سے۔ جو آگے ذکر کئے جائیں گے انشاء اللہ **ساتویں اس حیثیت سے** کہ ان میں سے جو چیزیں مکان کی محتاج ہیں اون کا مکان یعنی یہ زمین کئے قسموں پر تقسیم کی گئی ہے اور ہر قسم کا طول و عرض کتنا ہے اور کس قسم میں کون کون سے ملک واقع ہیں اور کس ملک میں کون کون سے شہر اور کس شہر کے تابع کون کون سے دیہات ہیں

اور ہر ملک کی آبادی کتنی ہے۔ اور اس میں جاندار جانور کون کون سے پائے جاتے ہیں اور کیا کیا چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کتنی اور کون کون سی زبانیں بولی جاتی ہیں اور یہ بحث علم جغرافیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ آٹھویں اس حیثیت سے کہ یہ موجود ہیں یا معدوم۔ ممکن ہیں یا غیر ممکن۔ جزئی ہیں یا کلی۔ ذہن میں موجود ہیں یا دنیا میں۔ اور یہ بحث فلسفہ اُولٰی سے تعلق رکھتی ہے۔ نویں اس حیثیت سے کہ ان کی بینائی میں کس وقت کیا تغیر پیدا ہوتا ہے اور کیوں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ہی چیز دور سے یا بلندی پر سے چھوٹی اور نزدیک سے بڑی کیوں دکھائی دیتی ہے۔ چلتی ہوئی ریل پر بیٹھ کر زمین کو دیکھنے سے زمین چکی کی طرح گھومتی ہوئی کیوں معلوم ہوتی ہے۔ دریا کے کنارے کی اونچی چیزیں اُلٹی کیوں دکھائی دیتی ہیں۔ اور چیزیں روشنی میں کیوں دکھائی دیتی ہیں اور اندھیرے میں کیوں نظر نہیں آتیں۔ کون سی چیز دیکھی جا سکتی ہے اور کون سی چیز نہیں۔ اور یہ بحث علم مرایا و مناظر سے تعلق رکھتی ہے دسویں اس حیثیت سے کہ ان میں سے جو چیزیں کل حروفِ ہجا کو بولتی ہیں یا یوں کہیے کہ اپنی دلی باتوں کو الفاظ میں ادا کرتے ہیں اون کو منہ اور حلق کے حصوں میں سے کس جگہ سے کس حرف کو نکالنا چاہیے تاکہ اُن میں اور توتلے شخص میں فرق کیا جا سکے۔ کیونکہ جس طرح "ر" کو "ل" بولنے والے توتلے سمجھے جاتے ہیں اور صحیح بولنے والوں کے لئے "ر" کو "ل" سے بدل کر عیب سمجھا جاتا ہے اور وہ مستحقِ ملامت قرار دیئے جاتے ہیں۔ اوسی طرح زبان عرب میں "ذ" یا "ض" کو "ز" کی صورت میں بولنا عیب اور سببِ ملامت سمجھا جاتا ہے۔ اور بولنے والا توتلے کے حکم میں قرار دیا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے معنی میں بھی بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ کہنا چاہے اور "ص" کو "س" کی جگہ سے نکالے جیسا کہ عام طور سے قرائت نہ جاننے والے صلی اللہ کو سَلِّ اللہ پڑھتے ہیں تو بعوض ثواب کے عذاب کا مستحق ہو جائے گا کیونکہ صلی اللہ علیہ کے معانی خدا اُن پر رحمت نازل کرے ہیں۔ اور سَلِّ اللہ علیہ کے معانی خدا اون پر تلوار کھینچے یعنی مار ڈالے اور ہلاک کرے۔ اسی طرح قرائت نہ جاننے والے نماز میں الحمد کی "ح" کو "ہ" کی جگہ سے نکالنے اور الہمد پڑھتے اور معنی کو بگاڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ الحمد کا معنی "کل تعریفیں" ہے اور "الہمد" کا معنی "گل سڑے گلے ہوئے کپڑے" پس الہمد للہ کے معانی یہ ہوئے کہ

گل سڑے گلے ہوئے کپڑے خدا کہلاتے ہیں۔ غرض کہ الفاظ کو بگاڑ کر پڑھنے سے یا تو معنی خراب ہو جاتا ہے یا الفاظ مہمل اور بے معنی ہو جاتے ہیں اور نماز باطل یعنی خراب ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرائت سیکھنا واجب قرار دیا گیا۔ اور یہ بحث علم تجوید (قرائت) سے تعلق رکھتی ہے۔ گیارہویں اس حیثیت سے کہ ان کے الفاظ کے حروف میں کیا کیا تغیرات اور تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور کون سا لفظ کس لفظ سے اور کیونکر بنایا گیا اور اس تغیر و تبدیل سے معنی میں کیا فرق پیدا ہوا۔ اور یہ بحث علم صرف سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہویں اس حیثیت سے کہ یہ اپنے محاورات میں کس لفظ کو کیونکر ادا کرتے ہیں اور کس کو کس اعراب عـــہ کے ساتھ بولتے ہیں۔ اور یہ بحث علم نحو سے تعلق رکھتی ہے تیرہویں اس حیثیت سے کہ ان کا کلام فصیح و بلیغ کیونکر ہو سکتا ہے اور کس طرح ادا کرنے سے کلام میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ حُسن اور خوبی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ بحث فن معانی۔ بیان۔ بدیع سے تعلق رکھتی ہے۔ چودہویں اس حیثیت سے کہ ان کے خیالات اور عقائد ان کے خالق اور مالک اور منعم اور اوس کے اولیاء کے ساتھ کس طرح کے ہیں اور کیسے ہونے چاہئیں اور یہ بحث علم کلام و اصول اعتقاد سے تعلق رکھتی ہے۔ پندرہویں اس حیثیت سے کہ خود ان کی یا اُن چیزوں کی تعداد پر جن پر ان کے تجارتی معاملات واقع ہوتے ہیں کیا کیا حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ جیسے اوس کے بڑھانے۔ گھٹانے۔ جمع کرنے کی مثلاً کیا صورت ہے۔ اور یہ بحث علم حساب سے تعلق رکھتی ہے۔ سولہویں اس حیثیت سے کہ ان کی صحت و مرض کے لحاظ سے ان کی حالتیں کیونکر بدلتی ہیں اور صحت کی حفاظت اور بیماری کا دفعیہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور یہ بحث علمِ طب سے تعلق رکھتی ہے۔ سترہویں اس حیثیت سے کہ ان کا کونسا فعل یا کلام جائز ہے اور کون سا ناجائز۔ اور کونسا صحیح ہے اور کونسا فاسد اور باطل۔ اور یہ بحث علمِ فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مختصر یہ کہ دنیا میں جس قدر علوم ہیں اون سب میں کل موجودات و مخلوقاتِ پروردگار کی ذات و صفات و حالات و ضروریات و افعال و اقوال و عقائد وغیرہ سے گفتگو کی جاتی ہے اور آسمانی کتابیں انھیں کو بیان

عـــہ آخر لفظ کی حرکت یعنی زیر۔ زبر۔ پیش۔ جزم۔ ۱۲ منہ۔

اور تعلیم کرنے کے لئے نازل کی گئیں۔ اور قران مقدس جس کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ نے جوامع الکلم یعنی کل باتوں کا جامع فرمایا ہے اپنے مختصر الفاظ سے ان سب کو بیان کرتا ہے۔ اور سورہٌ مبارکہٌ فاتحۃ الکتاب (یعنی الحمد) صرف دو لفظوں "رب العالمین" سے۔

توضیح کی تیسری تقریر۔ ایک تو ہر سمجھدار اور صاحب عقل عافیت اور آرام کی خواہش رکھتا ہے۔ اور عافیت و آرام دنیا کے انتظام کے باقی رہنے پر موقوف ہے اور دنیا کا انتظام درست نہیں رہ سکتا جب تک کہ اہل دنیا انصاف اور اعتدال سے روش نہ کریں اور آپس میں اچھا برتاؤ نہ رکھیں۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہل دنیا میں سے زیادہ لوگوں کی رفتار انصاف اور اعتدال سے گذری ہوئی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں حیوانی جذبہ قوت کے ساتھ ہے اور عقلیں ناقص اور مغلوب۔ دوسرے دنیا مزرعۂ آخرت ہے۔ اور ہر شخص اپنے ہر کام اور کلام کے آخری انجام کی بھلائی کو چاہتا ہے اور جب تک ان کی رفتار درست نہ ہو اچھا انجام حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور ناقص اور مغلوب عقل والوں کے کام اور کلام کا انجام اچھا ہو نہیں سکتا جب تک کہ ایسا سردار ان پر حکومت کرنے والا نہ ہو جو صحیح رائے دے سکتا اور ٹھیک راہ بتا سکتا ہو اور ان کی ذات اور متعلق چیزوں میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا اختیار اور ہر قسم کی سزا اور جزا پر قدرت رکھتا ہو اور حکومت اوس کی برحق ہو تاکہ کچھ لوگ اُس کے حقوق کو سمجھ کر اوس کے حکم پر چلیں اور کچھ لوگ نفع کی امید میں۔ اور کچھ لوگ نقصان اور عذاب کے خوف سے۔ اور ایسا سردار سوائے ذاتِ پروردگار کے کوئی دوسرا نہیں۔ وہی مقدس ذات دنیا اور آخرت دونوں کا مالک اور حاکم اور صاحبِ مجد و جلال ور فعت و بزرگی ہے۔ اور اسی کی حکومت عام اور برحق اور قاہر و جابر ہے اور رہبری بھی کامل اور صحیح۔ اور اوسی کا رعب و داب سرکشوں کو سر کر سکتا اور انتظام دنیا کو باقی رکھ سکتا ہے اور صحیح راہ پر لگا سکتا اور دنیا کے سمجھدار تین طرح کے دیکھے جاتے ہیں

عہ علوم قران کے بیان میں مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جو حضرات ان کا مطالعہ کرنا چاہیں منگا کر مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲ منہ۔

ایک وہ جو اپنے سردار اور حاکم کی محبت میں اوس کے حکم پر چلتے اور اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ دوسرے انجام کی بھلائی کی امید پر۔ تیسرے انجام کی برائی سے ڈر کر۔ انھیں لوگوں کی ہدایت کے لیئے اوس نے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آخرم انجام کا مالک میں ہی ہوں اس لیئے تم میرے حکم پر چلو تاکہ دنیا کا انتظام درست رہے۔ اور تم کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ عافیت اور آرام نصیب ہو اور تمھارے ہر فعل اور کلام کا انجام بخیر ہو جو شخص میرے حکم کی مخالفت کرے گا وہ دونوں جگہ نقصان اوٹھاے گا اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوگا۔ اور کل آسمانی کتابوں کے مضامین کا حاصل یہی اطاعت و فرمانبرداریِ پروردگارِ عالم ہے جو انتظام دنیا باقی رہنے اور دنیا و آخرت میں عافیت و آرام حاصل ہونے کا ذریعہ اور انجام بخیر ہونے کا باعث ہے جس کو اس نے صرف تین لفظوں مالکِ یوم الدین سے ادا فرمایا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام مالکِ یومِ الدین کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اقرار کرو کہ خداوندِ عالم تم کو قبروں سے اوٹھائے گا اور (اعمال کا) حساب لیگا اور اچھے اور بُرے عمل کا بدلا دے گا۔ اور وہ آخرت کا اُسی طرح مالک ہے جس طرح دنیا کا[1]

اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت بڑا عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے اعمال کا حساب کرے (کہ اچھا کام کس قدر کیا اور برا کس قدر تاکہ بُرے کاموں سے توبہ کر کے آئندہ ان سے بچے) اور مرنے کے بعد کے لیئے (دنیا ہی میں) اچھا کام کرے۔ اور نہایت درجہ بے وقوف وہ شخص ہے جو نفسانی خواہشوں کی پیروی کرے اور خدا سے بھلائی کی امید رکھے[2]۔ توضیح کی چوتھی تقریر معبود برحق ارشاد فرماتا ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۴۴) یعنی ساتوں آسمان اور زمین اور اُن میں کی چیزیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اُس کی تعریفوں کی تسبیح نہ پڑھتی ہو لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ پھر ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالشَّجَرُ

[1] تفسیر برہان جلد ا ص۳۳ تفسیر سورۂ الحمد ۱۲ منہ [2] تفسیر صافی صلا تفسیر سورۂ الحمد ۱۲ منہ

وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ (سورۂ حج پ۱۷ آیت ۱۸) یعنی خدا کا سجدہ کل وہ صاحب عقل (فرشتے) کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں۔ اور آفتاب اور ماہتاب اور کل تارے اور کل پہاڑ اور کل چیزیں جو زمین سے اُگتی ہیں اور کل جاندار جو زمین پر چلتے (اور رینگتے) ہیں اور بہت سے آدمی۔ ان دون آیتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کل مخلوقات خداوند مالک الملوک کو خدائی صفت سے پہچانتی اور اوس کے حقوق کو سمجھتی اور اس کی عبادت کرتی ہیں اور خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے آپس کے تعلقات تین چیزوں کو چاہتے ہیں۔ ایک مخلوق کا خالق کے حقوق کو پہچاننا اور اوس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا۔ اور مملوک کا مالک کے حکموں کو بجالانا۔ دوسرے مخلوق اور مملوک کا ضعیف اور محتاج ہونے کی وجہ سے خالق اور مالک کی مدد کا محتاج ہونا اور اُس سے ہر امر میں مدد چاہنا۔ تیسرے اپنے خیر و بھلائی اور عافیت و آرام اور انجام بخیر ہونے کیلئے دنیا اور آخرت میں ہدایت اور راہِ راست[1] کی خواہش اور بری راہ سے بچانے کی دعا کرنا۔ یہی تینوں باتیں کل کائنات کے لئے خیر و بھلائی کا سرمایا اور ہر ضعیف و محتاج کے فلاح و رستگاری کا ذریعہ ہیں اور دینِ خدا کا خلاصہ اور کل آسمانی کتابوں کا حاصل مطلب جس کی شرح اُن میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اور قرآن مقدس کے معدودہ چند اوراق میں جو دونوں دفتی کے درمیان میں ہیں۔ اور سورۂ مبارکہ فاتحۃ الکتاب (الحمد) کے تین آیتوں ۱؎ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۲؎ اہدنا الصراط[2] المستقیم ۳؎ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب

؏ افسوس اور عبرت کا مقام ہے کہ اسی آیت کی رو سے خدا کی کل مخلوقات جن پر عبادت کا بوجھ نہیں ڈالا گیا اور صاحب عقل نہیں سمجھی جاتی انسان جیسے اشرف المخلوقات سے بہتر اور افضل ثابت ہوتی ہیں کیونکہ اس آیت میں خداوند عالم نے ان کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس پر الف لام داخل کیا ہے جو استغراقی یعنی کل فردوں کے داخل ہونے کو بتاتا ہے اور انسان کیلئے لفظِ کثیر فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا کی مخلوقات میں اگر سرکش اور اس کے سجدہ سے سرتابی کرنے والا کوئی ہے تو وہ انسان ہی ہے ۱۲ منہ۔ [1] دنیا میں راہِ راست وہ باتیں ہیں جن کو برتنے اور انجام دینے سے دنیا اور آخرت دونوں بھلائی حاصل ہو اور دنیا کا انتظام قائم رہے یعنی ہر فعل و قول کو خدا کے حکم کے مطابق رکھنا خواہ وہ اپنی ذات سے تعلق رکھتے ہوں یا خداوند مالک الملوک کی ذات اقدس سے یا اس کی مخلوقات کی ذات سے اور آخرت میں راہ راست وہ ہے جو بہشت میں پہونچا دے یعنی بہشت کی راہ ۱۲ منہ [2] ظاہری تفسیر میں صراط مستقیم سے دینِ حق مقصود ہے اور الذین انعمت علیہم سے اہلبیت اطہار۔ اور باطنی تفسیر میں صراط مستقیم سے ائمہ اہلبیت مقصود ہیں اور الذین انعمت علیہم سے مومنین جنکو خدا نے نعمتِ ولایت و امداد و پیروی ائمہ اہلبیت سے سرفراز فرمایا جیسا کہ قبل اس کے تفصیل سے ذکر کیا گیا ۱۲ منہ۔

علیہم ولا الضالین ہیں۔ یعنی تیری ہی فرمانبرداری اور بندگی کرتا ہوں اور تجھ ہی سے
اپنے ہر امر میں مدد چاہتا ہوں۔ مجھ کو سیدھی راہ پر لگا دے اور اوس پر باقی رکھ
اون لوگوں کی راہ جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کیں جو غیر ہیں اُن کے جن پر تو غضبناک
ہے اور جو گمراہ ہوگئے۔ یا نہ راہ اون لوگوں کی جن پر تو غضبناک ہے اور جو گمراہ ہوگئے

بیان جامعیت بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان جامعیت بسم اللہ الرحمن الرحیم پہلی تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ صرف
اپنے اوپر رحم کرنا خداوند رحمن و رحیم کے کل حکموں کو پورا پورا انجام دلواتا اور خدا
اور خلق خدا اور اپنے سب کے حقوق سے سبکدوش کرا دیتا ہے۔ اور دوسری تقریر
کا خلاصہ یہ ہوا کہ خداوند عالم تمام عالم کا خالق اور مالک اور پالنے والا اور
نعمتوں سے بہرہ مند کرنے والا ہے اور لفظ عالم دنیا کے کل علوم کا جامع ہے۔
یعنی یہ علوم اہل عالم کی ذوات و صفات و حالات و ضروریات و افعال و اقوال سے
بحث کرتے ہیں۔ اور تیسری تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ دنیا کا انتظام درست رہنے اور
اہل دنیا کے لئے خیر و بھلائی اور فلاح و رستگاری حاصل ہونے اور انجام بخیر ہونے کیلئے
ایک ایسے مالک اور سردار کی ضرورت ہے جو صاحب مجد و جلال اور حاکم مطلق اور ہادی
برحق ہو اور چوتھی تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ تمام دنیا مخلوق اور محتاج ہے جس پر
لازم ہے کہ اپنے خالق اور مالک کے حقوق کو پہچانے اور اوس کے حکموں پر چلے۔
اور اوس سے ہر امر میں مدد چاہے اور دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کے لئے دعا کرے
پس پہلی تقریر یعنی الرحمن الرحیم کے مطالب کو الفاظ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں سے
الرحمن الرحیم ادا کرتا ہے جس کی تفصیل اس تقریر میں گذر چکی۔ اور دوسری تقریر
یعنی رب العالمین کے مطالب کو لفظ اللہ اپنے اسمی معنی سے ادا کرتا ہے کیونکہ متعدد
حدیثوں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے لفظ اللہ کی تفسیر الٰہ کل شیء
فرمائی ہے[1]۔ اور لفظ اللہ نام ہے ذات جامع صفات کمال کا۔ اور سردار اور
مالک اور مربی اور مصلح اور منتظم ہونا جو لفظ رب کے معانی ہیں صفات کمال سے ہیں۔
اور کل شیء یعنی کل مخلوقات لفظ عالمین کا معنی باہم معنی ہے اس لئے ایک لفظ اللہ

[1] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۸ تفسیر سورۂ فاتحہ ۱۲ منہ

اپنے ظاہری معنی سے رب العالمین کا ہم معنی ہوا اور اوس کے کل اون مطالب کو ادا کرنے والا جو دوسری تقریر میں ذکر کئے گئے۔ اور تیسری تقریر یعنی مالک یوم الدین کے مطالب کو لفظ بسم ادا کرتا ہے کیونکہ متعدد حدیثوں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس لفظ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "با" سے بہاء اللہ یعنی عظمت و بزرگی پروردگار مقصود ہے اور سین سے سناء اللہ یعنی بلندی مرتبہ اور میم سے ملک اللہ یعنی اوس کی سلطنت و بادشاہت و سرداری و حکومت۔ اور چوتھی تقریر یعنی ایاک نعبد سے آخر تک کے مطالب میں سے بعض کو لفظِ اللہ اپنے ظاہری یعنی لغوی معنی سے ادا کرتا ہے اور بعض کو اپنے باطنی معنی سے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ

اور عبادت چاہتی ہے کہ کوئی معبود ہو جس کی عبادت کی جائے[۱] اور عبادت کا معنی توحید یعنی اعتقاد وحدانیت اور خضوع یعنی حضورِ قلب اور پوری توجہ اور تذلل یعنی بارگاہِ پروردگار کے سامنے فروتنی اور خاکساری۔ اور اطاعت یعنی اوس کی فرمانبرداری و عبادت کرنا ہے[۲]۔ اور عبادت کی تفصیل محقق طوسی علیہ الرحمہ یوں فرماتے ہیں کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بدن پر واجب ہے جیسے نماز۔ روزہ وغیرہ۔ دوسرے وہ جو اعتقاد سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسے اعتقادِ وحدانیت وغیرہ۔ تیسرے وہ جو آپس کے معاملات اور برتاؤ اور سلوک سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسے لین دین۔ خرید فروخت۔ شادی بیاہ۔ آپس میں ہمدردی اور بہی خواہی۔ اور اعانت و مدد اور دشمنوں کو دفع کرنا اور دین اسلام اور مسلمانوں کی حمایت وطرفداری کرنا وغیرہ۔ پس اس معنی کے لحاظ سے لفظ اللہ نے ایاک نعبد کے مطالب کو ادا کیا جو دین اسلام کے کل اصول و فروع و آداب و اخلاق کو شامل ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام لفظِ اللہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ وہ قادر مطلق ذات ہے جس کی طرف ہر مخلوق اوس وقت رجوع اور توجہ کرتی ہے جبکہ حاجتوں اور سختیوں کے وقت کل مخلوقات کی طرف سے امید قطع ہو جاتی ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو دنیا کو پسند کرتا ہے اور بڑائی اور

[۱] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۹ سطر ۷۔ ۱۲ منہ [۲] المنجد مصنفہ لویس عیسائی ۱۲ منہ۔

ریاست و حکومت حاصل کرلی ہے۔ جس قدر بھی ثروت اور مالداری اس کی بڑھ جائے اور سرکشی اوس کی حد سے گذر جائے اور لوگ اپنی حاجتیں اس کے پاس لیجائیں۔ جب بھی لوگوں کی کچھ حاجتیں ایسی ضرور رہجاتی ہیں جن پر وہ رئیس یا مالدار یا بادشاہ قدرت نہیں رکھتا۔ اور ایسے وقت میں لوگ اُسی قادر مطلق ہستی کی طرف پلٹتے اور توجہ کرتے (اور کہتے ہیں کہ ایاك نستعین یعنی اے پروردگار اب ان حاجتوں کے پورے ہونے میں تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں)، پس اس معنی کے لحاظ سے لفظ اللہ نے ایاك نستعین کے مطالب کو بھی ادا کیا۔ اور چونکہ جن و انسان دونوں کی بہت بڑی حاجت راہِ راست کو پالینا اور اوس پر باقی رہنے اور اُس کی پیروی کرنے کی توفیق پانا اور بُری راہوں سے بچتے رہنا ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی خیر و بھلائی کا سرمایہ ہے۔ اور سوا ذات مقدس پروردگار کے کوئی فقیر یا بادشاہ۔ جاہل یا عالم اوس تک پہونچانے اور اُس کی پیروی کرنے اور اُس پر باقی اور بری راہوں سے بچتے رہنے کی توفیق دینے پر قدرت نہیں رکھتا کیونکہ خداوند عالم حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ جیسی کامل اور اکمل ہستی سے خطاب کرکے ارشاد فرماتا ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ (سورہ قصص پ ۲۰ آیت ۵۶) یعنی تم جس کو چاہو راہِ حق تک نہیں پہونچا سکتے بلکہ خدا جس کو چاہے پہونچاتا ہے۔ اور وہی اچھی طرح جانتا ہے کہ ہدایت پانے والے کون لوگ ہیں۔ اور توفیق دینا خاص خدا ہی کی شان ہے۔ اس لئے لفظ اللہ نے اس معنی کے لحاظ سے اھدنا الصراط آخر سورہ تک کے مطالب کو بھی ادا کردیا۔ باقی رہ گئے ان آیتوں کے باطنی معانی تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام لفظ اللہ کی باطنی تفسیر ارشاد فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ کے "الف" سے اٰلَآءُ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ مقصود ہے۔ پس خدا کی نعمتیں جو مخلوقات پر نازل کی گئیں اور وہ ہم اہلبیت کی ولایت و امامت ہے۔ اور "لام" سے اِلْزَامُ اللّٰهِ خَلْقَهٗ وِلَایَتَنَا مقصود ہے۔ یعنی ہم اہلبیت کی ولایت و امامت کے اقرار و اعتقاد کو خدا کا مخلوقات پر واجب کردینا۔ اور "ہ" سے هَوَانٌ لِمَنْ خَالَفَ مُحَمَّدًا وَاٰلَ مُحَمَّدٍ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ

۱؎ تفسیر برہان جلد ا ص ۲۶ بقدر حاجت۔ اور اس حدیث کا باقی ماندہ حصہ تفسیر انوار القران ص ۲۹ ذکر تفسیر بسم اللہ میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

اَجْمَعِیْنَ مقصود ہے۔ یعنی بارگاہ پروردگار اور عقلاء کی نگاہوں میں) مخالفین محمد وآل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذلت و خواری[1]۔ پس لفظ اللہ نے اپنے باطنی معنی سے صراط مستقیم کے باطنی معنی یعنی ولایت و امامت اہلبیت اطہار کو بھی ادا کر دیا جو ثقلین کا ایک لنگا اور قبولیت اعمال کی شرط اور نجات آخرت کا سرمایہ ہے۔

بیان جامعیت بارِ بسم اللہ۔ بسم اللہ کی "ب" اَسْتَعِیْنُ کے معنی میں اور اس کی قائم مقام ہے کیونکہ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں اَسْتَعِیْنُ عَلٰی ھٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ لَا یَحِقُّ الْعِبَادَۃُ لِغَیْرِہٖ[2]۔ یعنی مدد چاہتا ہوں اس امر میں اوس پروردگار سے جس کے غیر کیلئے عبادت سزاوار نہیں ہے۔ اس فرمائش میں حضرت نے "ب" کی تفسیر اَسْتَعِیْنُ سے کی ہے۔ اور لغت میں بھی اس معنی میں استعمال کی گئی ہے جیسے کتبت بِالْقَلَمِ لکھا میں نے مدد سے قلم کی۔ اور اَسْتَعِیْنُ (مدد چاہتا ہوں) وہی شخص کہیگا جو عاجز اور مجبور اور دوسروں کی مدد کا محتاج ہو اور اپنے کو مجبور و محتاج سمجھتا ہو۔ اور مجبور و محتاج ہونا ممکن اور مخلوق کی شان ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ سوار ذات مقدس پروردگار کے کل موجودات ممکن اور مخلوق ہیں۔ اور جس طرح میں عاجز اور مجبور اور مدد کا محتاج ہوں اسی طرح سب ہیں۔ اور ایک محتاج و مجبور دوسرے محتاج و مجبور کی کل حاجتوں میں مدد نہیں کر سکتا جن میں وہ حاجتیں بھی داخل ہیں جو مخلوقات کی قدرت سے باہر ہیں پس ضرور ہے کہ ایسی حاجتوں میں ہر مخلوق خدا ہی کی مقدس اور قادر مطلق کی ذات کی طرف رجوع کرے اور اُس کی بارگاہ میں یہ عرض کرے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی ہم سب کے سب مخلوق اور مجبور و محتاج ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چونکہ ظاہر ہے کہ مخلوقات اپنی قدرت کی چیزوں میں بھی اپنے مثل یعنی مجبور و محتاج کی بغیر خدا کی مدد یعنی قدرت دینے کے مدد نہیں کر سکتا اس لئے ہر سمجھدار کے ذہن میں یہ مطلب اجمالاً موجود ہے کہ ہر مدد دینے والی مخلوق بھی کسی کو مدد دینے میں خدا ہی کی مدد کی محتاج ہے اس لئے نہ تو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں کسی خاص حاجت کی قید بڑھائی گئی اور نہ "ب" کے معنی میں پس جب "ب" کا معنی اَسْتَعِیْنُ

[1] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۳۸ - ۱۲ منہ [2] تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۸ - ۱۲ منہ۔

عَلٰی اُمُوْرِیْ کُلِّھَا عہ ہوا جیسا کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام بسم اللہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں یعنی میں اپنے کل امروں میں خدا ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ فَاِلَیَّ فَافْزَعُوْا فِیْ کُلِّ اَمْرٍ تَاْخُذُوْنَ یعنی میری ہی طرف رجوع کرو اپنے ہر امر میں جس کو کرنا چاہو۔ اور میں اس تفسیر کے مقدمات کی ابتدا میں لکھ آیا ہوں کہ کل موجودات ذی روح اور غیر ذی روح سب کے سب احسان اور بھلائی کرنے والوں کے حق کو فطرۃً پہچانتے اور بقدر اپنی قدرت کے محسن کے حقوق سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایک حاجت کو پورا کرنا بھی احسان ہے۔ چہ جائیکہ ہر قسم کی حاجتوں کو پورا کرنا جس میں وجود یعنی پیدائش اور وجود کو باقی رکھنے والی اور زینت دینے والی نعمتیں سب داخل ہیں۔ اور ایک احسان کرنے والا بھی شکریہ اور مدح و تعریف کا مستحق ہوتا ہے چہ جائیکہ ہر قسم کی بھلائی اور احسان کرنے والا پس اسی بنا پر خداوند منعم و محسن حقیقی کامل شکریہ اور انتہائی مدح و تعریف کا مستحق ہو گا۔ اور شکریہ کا معنی اوس کی نعمتوں کو ظاہر کرنا اور لوگوں سے مقام شکر گزاری میں ذکر کرنا اور محسن کی خواہشوں یعنی حکموں کی تعمیل کرنا ہے جس کو جملہ الحمد للہ ادا کرتا ہے اور لفظ رب کے معانی میں سے مالک اور مربی یعنی پالنے والا اور مصلح و متمم یعنی ہر کام کو درست اور ہر حاجت کو پورا کرنے والا بھی ہے اور کل حاجتوں میں مدد دینا ان معانی کی دوسری تعبیر ہے جس کو لفظ رب العالمین ادا کرتا ہے۔ اس لئے ایک حرف "ب" نے الحمد للہ اور رب العالمین اور ایاک نستعین سب کے مطالب کو ادا کر دیا۔ اور چونکہ دنیا میں یہ بات جاری ہے اور مشاہدہ بھی اس پر شہادت دے رہا ہے کہ ہر حاجتمند خواہ حاجتوں کے حاصل ہونے کی لالچ میں یا حاصل نہ ہونے کے خوف سے یا اس کو پورا کرنے والے کی محبت میں اوس کے ہر حکم کی تعمیل اور اوس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے

عہ چونکہ خداوند عالم بندوں کے برے کاموں سے راضی نہیں ہے اس لئے ان میں مدد بھی نہیں دیتا بلکہ بندوں کو اُن کے ارادہ و اختیار پر چھوڑ دیتا ہے اس لئے کہ حجت تمام کر چکا ہے پس ان امور سے جائز امور مقصود ہیں جن میں مباح مستحب۔ واجب داخل ہیں ۱۲ منہ ۔ عہ تفسیر برہان جلد ۱ ص ۳۸ ۔ ۱۲ منہ

اس لئے عقلار کی عقل اور ان کا دستور العمل اس امر پر مجبور کر رہا ہے کہ کل مخلوقات جن کا بال بال حاجتمند ہے خداوند منعم و محسن حقیقی اور ہر حاجت کو پورا کرنے والے کی اطاعت و فرمانبرداری اور بندگی کریں اور نہایت توجہ اور خالص ذل اور عاجزی و فروتنی سے اس بات کو ظاہر کریں کہ اے مالک و محسن ایاك نعبد تیری ہی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں اور تو ہی اوس کا مستحق اور سزاوار ہے۔ پس اس بنا پر ایک حرف "ب" نے ایاك نعبد کے مطالب کو بھی ادا کر دیا۔ اور چونکہ حاجتوں میں بہت بڑی حاجت جو ذات مقدس پروردگار کی اعانت و مدد کی محتاج ہے اور کوئی دوسرا اوس پر قدرت نہیں رکھتا وہ راہ راست دکھانا اور اس کی پیروی کرنے اور اس پر باقی رکھنے اور بُری راہوں سے بچتے رہنے کی توفیق دیتا ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ اس واسطے معنیِ "ب" یعنی اَستَعِینُ کہنے والے عاقل کی نگاہ اوس پر ضرور رہنی چاہئے کیونکہ دنیا و دینی مہمات اور حاجتیں اوس کے مقابل میں کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔ اس لئے "استعین" کہنے کے وقت پہلی خواہش اور آرزو اس کی یہ ہونی چاہئے کہ اھدنا الصراط المستقیم آخر سورہ تک۔ اور اس کے ظاہری اور باطنی دونوں معانی کو پیش نظر رکھے کیونکہ بغیر باطنی معانی کے سارا عمل بیکار ہے۔ پس اس بنا پر ایک حرف "ب" نے اھدنا الصراط المستقیم سے آخر سورہ تک کے ظاہری اور باطنی دونوں معانی کو بھی ادا کر دیا وللہ الحمد و للہ الشکر علیٰ اتمام ھذا التوضیح۔

بیان جامعیت نقطہ باء بسم اللہ صاحب درمنظوم کا بیان ابتدار فائدہ میں یہ تھا کہ جو کچھ علوم آسمانی کتابوں میں ہیں وہ کل قران میں ہیں اور جو کچھ قران میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ باء بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ باء بسم اللہ میں ہے وہ اوس کے نقطہ میں ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ نقطہ میں ہوں اور میں نے عرض کیا کہ نقطہ کا معنی مرکز ہے جس کو دائرہ گھیرے ہوئے ہوتا ہے اس لئے مقصود حضرت کا یہ ہے کہ علوم اولین و آخرین اور علوم قران کا مرکز میں ہوں اور یہ علوم مجھے گھیرے ہوئے ہیں یا یہ کہ میں دریائے علوم میں ڈوبا ہوا ہوں اور علوم مجھے گھیرے ہوئے ہیں جس طرح کسی غوطہ لگانے والے کو پانی گھیرے ہوئے رہتا ہے اور وہ مثل مرکز کے بیچ میں ہوتا ہے جسکو

بیان جامعیت نقطہ باء بسم اللہ

دوسرے الفاظ میں حضرت نے یوں ارشاد فرمایا ہے سَلُوْنِیْ عَنْ اَسْرَارِ الْغُیُوْبِ فَاِنِّیْ وَارِثُ عُلُوْمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ[۱] یعنی غیب کی باتیں مجھ سے پوچھو کیونکہ میں وارث علوم انبیاء و مرسلین ہوں۔ اور صفین میں آپ نے یوں فرمایا کہ اَنَا الْقُرْاٰنُ النَّاطِقُ[۲] یعنی میں بولتا ہوا قرآن ہوں۔ اور حضرت کے ان دعووں کی تصدیق خداوند اصدق الصادقین یوں فرماتا ہے قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (سورۂ رعد پ۱۳ آیت۴۳) یعنی اے رسول کافروں سے کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان میں گواہی کیلئے خدا کافی ہے اور وہ شخص جس کے پاس پورے قرآن کا علم ہے۔ حضرت کے جامع علوم ہونے کی تفصیل بائیسویں مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ عرض حقیر مفسر۔ حضرات علمائے کرام میں سے ممکن ہے کہ کسی بزرگ نے اس بیان جامعیت کو تحریر فرمایا ہو لیکن میں نے ابھی تک کوئی تحریر اس بارہ میں نہیں دیکھی۔ میری ناقص تجویز اور پسندیدگی نے آمادہ کیا کہ اپنی اس کھوٹی اور معیوب تحریر کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کردوں۔ اگر آپ عزت افزائی فرمائیں اور پسند کریں تو میری صحت و سلامتی و زوال مرض و وسعت رزق و خیر دنیا و آخرت کیلئے مزید دعا فرمائیں۔ اگر آپ حضرات کی خستگی اور گھبرانے کا خوف نہ ہوتا تو اس بیانِ جامعیت کو میں کچھ اور بھی بسط دیتا۔ والسلام

دوسرا فائدہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ جو چیزیں انسان میں شیطان کے دخل ہونے کا ذریعہ ہیں وہ تین ہیں۔ ایک شہوت یعنی دنیاوی لذتوں کے حاصل کرنے کی خواہش دوسرے غصہ۔ تیسرے ہوائے یعنی آزاد اور خود سر رہنے کی خواہش۔ پس شہوت اور لذت پرستی جانوروں کی صفت ہے اور غصہ درندوں کی صفت اور ہوائے شیطانی صفت۔ اور شہوت اگرچہ بہت بری صفت ہے لیکن غصہ اوس سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔ اور ہوائے غصہ سے بھی زیادہ بری چیز۔ پس کلام پروردگار اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ میں فحشاء سے شہوت کے آثار مقصود ہیں (اور شہوت پرست یعنی اول) اور منکر سے غصہ کے نتیجے مقصود ہیں (اور خاصان خدا اور اوس کے برگزیدہ بندوں کو ستانے والا یعنی دوم) اور بغی سے ہوائے کے نتیجے مقصود ہیں (اور خدا کے برگزیدہ بندوں سے

---

[۱] ینابیع المودۃ ص۶۵ بحوالہ درمنظوم ۱۲ منہ [۲] ینابیع المودہ ص۲۸ بحوالہ مناقب ۱۲ منہ

بغاوت کرنے والا کنبہ پرست یعنی سوم (پس شہوت کی وجہ سے انسان اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور غصہ کی وجہ سے دوسروں پر۔ اور ہوائے کی وجہ سے خدا پر یعنی اُس کے مقابل میں سرکشی کرنے لگتا ہے اور اوس کے حقوق کو تباہ و برباد۔ اسی وجہ سے معصوم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ظلم کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو ہر گز نہ بخشا جائے گا۔ دوسرے وہ جس کا بدلا ضرور لیا جائے گا۔ تیسرے وہ جس کو امید ہے کہ خدا بخشدے۔ پس وہ ظلم جو نہیں بخشا جائیگا خدا کے ساتھ شرک کرنا ہے اور جس ظلم کا بدلا ضرور پائے گا وہ دوسروں پر ظلم کرنا ہے اور جس ظلم کے بخشدیئے جانے کی امید ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ پہلا ظلم جو قابل بخشائش نہیں ہے ہوی سے پیدا ہوتا ہے (اور سوم کی پیروی سے خاص اس صفت میں) اور دوسرا ظلم جس کا بدلا ضرور پائیگا غصہ سے پیدا ہوتا ہے (اور دوم کی پیروی) اور تیسرا ظلم جس کے بخشدیئے جانے کی امید ہے وہ شہوت سے پیدا ہوتا ہے (اور اول کی پیروی سے خاص اس صفت میں۔ اگرچہ اصل گمراہی میں تینوں کے پیرو برابر اور ناقابل بخشائش ہیں) اور ان میں سے بھی ہر ایک صفت سے کچھ بری صفتیں پیدا ہوتی ہیں پس شہوت سے حرص اور بخل پیدا ہوتا ہے۔ اور غصہ سے خود پسندی یعنی اپنی ذات اور صفتوں اور متعلق چیزوں کو اچھا سمجھنا۔ اور غرور یعنی دوسروں پر بڑائی کرنا اور ہوی سے کفر اور بدعت۔ پس انسان میں جب یہ چھ صفتیں جمع ہو جاتی ہیں تو ان سے ساتویں چیز یعنی حسد پیدا ہوتا ہے اور حسد کل بری صفتوں سے بدتر ہے جس طرح شیطان کل موجودات سے بدتر ہے۔ اسی وجہ سے خداوند حکیم نے کل بری صفتوں کے ذکر کو حسد کے ذکر پر ختم کیا ہے۔ یعنی قران مجید کے بالکل آخر میں اسی کو بیان کیا ہے اور وہ کلام پروردگار مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ہے۔ جس طرح کل شیطانی خیانتوں یعنی شرارتوں کو وسوسہ پر ختم کیا ہے اور یُوَسْوِسُ فِی صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ فرمایا ہے۔ (یعنی ہزار برائیوں سے بڑھکر ایک برائی خدا کی مخالفت اور نافرمانی کا خیال دل میں پیدا ہونا ہے۔ پس اولاد آدم میں حسد سے بدتر کوئی دوسری صفت نہیں ہے جس طرح شیطانوں میں وسواس عـــہ سے بدتر کوئی دوسرا شیطان نہیں۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ حسد کرنے والا شیطان سے

عـــہ وسواس سے ذی الوسواس یعنی وسواس پیدا کرنے والا مقصود ہے جس کو خدا نے خناس فرمایا ہے ۱۲

بھی زیادہ بُرا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ شیطان فرعون کے دروازہ پر پہونچا اور آواز دی۔ فرعون نے پوچھا کون ہے؟ شیطان نے کہا کہ اگر تو خدا ہوتا تو سمجھ جاتا اور پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ پس جب فرعون کے پاس پہونچا تو اوس نے پوچھا کہ زمین پر مجھ سے اور تجھ سے بھی زیادہ بُرا کوئی ہے؟ کہا ہاں حاسد ہے۔ اور حسد ہی کی وجہ سے میں اس مصیبت میں مبتلا ہوا (یعنی خدا کی بارگاہ سے مردود ہوا اور تمام دنیا کی لعنتوں کا نشانہ بنا) جب یہ تم کو معلوم ہو چکا تو اب کہتا ہوں کہ کل برائیوں کی جڑ یہی تین صفتیں ہیں۔ یعنی شہوت اور غصہ اور ہوٰی۔ اور سات بُرائیاں۔ یعنی حرص اور بخل اور خود پسندی اور غرور اور کفر اور بدعت اور حسد۔ اوس کی اولاد اور نتیجے ہیں پس انھیں سات کو دفع کرنے کیلئے خداوند عالم نے سورۃ الحمد نازل کیا جس میں سات آیتیں ہیں۔ اور سورہ الحمد کی اصل بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے جس میں خدا کے ناموں میں سے تین نام ہیں۔ جو اُن تینوں بُرائیوں کے مقابل میں ہیں جو ان سات کی جڑیں ہیں یعنی شہوت اور غصہ اور ہوائے۔ اور سورۂ الحمد مثل جڑ اور ماں کے ہے اور پورا قران مثل شاخوں اور اولاد کے۔ (اسی وجہ سے سورۂ الحمد کو ام القران کہتے ہیں۔) اسی طرح ساتوں بُرائیاں جو ذکر کی گئیں مثل جڑ اور ماں کے ہیں۔ اور باقی کل بُرائیاں مثل شاخوں اور اولاد کے۔ پس ضرور ہوا کہ پورا قرآن کل بُرائیوں کا علاج قرار پائے۔ بیانِ مقابلہ تینوں ناموں کا تینوں جڑوں کے مقابل میں ہونے کا بیان یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو پہچانے اور لا الٰہ الا اللہ کا اعتقاد کرے تو شیطان اور ہوٰے اُس سے جُدا ہو جاتے ہیں کیونکہ ہوٰی خدا سے جُدا ایک خدا ہے اور ثبوت اس کا کلام پروردگار ہے اتخذ الٰہہ ھواہ ہے۔ یعنی جو شخص اپنی خواہشوں کو اپنا خدا قرار دے۔ اور جو شخص یہ سمجھے کہ خدا رحمٰن ہے وہ غصہ نہیں کریگا۔ کیونکہ غصہ سرداری اور غلبہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے حالانکہ سرداری اور غلبہ خاص خدا ہی کے لئے ہے۔ جیساکہ خداوندِ عالم فرماتا ہے الملک یومئذ الحق للرحمٰن یعنی ریاست اور سرداری کا حق اوس دن خدا ہی کے لئے حاصل ہے اور جو شخص سمجھ لے کہ خدا رحیم ہے وہ ضرور ہے کہ رحمدل ہونے میں خدا کی مشابہت اختیار کرے۔ اور جب رحمدل ہو جائے گا تو اپنے اوپر ظلم نہ کریگا۔ اور حیوانی صفتیں اختیار نہ کریگا۔ رہگئیں ساتوں برائیاں جو شاخ ہیں اور اُن کے مقابلوں کو

یہ ہے کہ جو شخص الحمد للہ کہے اوس نے خدا کا شکریہ ادا کیا اور جو کچھ خدا نے اس کو دیا ہے اوس پر قناعت کی پس ایسے شخص سے شہوت جاتی رہیگی اور جو شخص سمجھ لے کہ خدا رب العالمین ہے تو جو چیز اوس کو حاصل نہیں ہوئی ہے اُس کی حرص دفع ہو جائیگی اور جو چیز حاصل ہو چکی ہے اوس میں بخالت نہیں کریگا۔ اور جو شخص یہ سمجھ لے کہ خدا رحمن اور رحیم اور مالک یوم الدین ہے اوس سے غصہ جاتا رہیگا۔ اور جو شخص ایاک نعبد و ایاک نستعین پڑھیگا اوس سے خود پسندی اور غرور جاتا رہیگا۔ اور جو شخص اھدنا الصراط المستقیم پڑھیگا اوس سے ہوی دفع ہو جائیگا۔ اور جو شخص صراط الذین انعمت علیہم پڑھیگا اوس سے کفر دفع ہو جائیگا۔ اور جو شخص غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھیگا اوس سے بدعت دفع ہو جائیگی۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہ ساتوں آیتیں ان ساتوں بری صفتوں کو دفع کر دیتی ہیں[1]۔ میں کہتا ہوں کہ اس بیان میں اگرچہ کئی مقام قابل مناقشہ ہیں لیکن چونکہ مواعظ اور نصیحتوں پر شامل ہے اس لئے نقل کر دینا پسند کیا۔

تیسرا فائدہ۔ اس سورہ مبارکہ میں خداوند عالم نے اسماء حسنیٰ یعنی اپنے ناموں میں سے جو قرآن مجید اور کلمات حضرت سرور عالم اور ائمہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اوسکی ذات اقدس پر بولے گئے ہیں، پانچ کو ذکر فرمایا ہے ۱۔ لفظ اللہ۔ ۲۔ رحمن۔ ۳۔ رحیم ۴۔ رب۔ ۵۔ مالک اور تعداد ان ناموں کی اکثر علماء کی رائے کے مطابق ننانوے ہے لیکن بعض علماء کی تحریر کے مطابق ایک سو اڑتیس[۱۳۸] تک پہونچتی ہے۔ ان میں بعض اسم ذات ہیں اور بعض صفات ذات۔ اور کچھ صفات افعال۔ اور ان تینوں قسموں کے معانی عنقریب بیان کئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہی تینوں قسمیں صفات ثبوتیہ کہلاتی ہیں۔ اور میرے خیال میں مسلمانوں میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو یہ معلوم ہو کہ ان میں سے اسم ذات کون کون ہیں اور صفات ذاتیہ کون اور صفات افعال کون۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جدا جدا پہچاننے کیلئے عام پہچان اور ان سے تعلق رکھنے والی بعض تحقیقیں چند نمبروں میں ذکر کر دی جائیں جن سے مومنوں کو بہت سے اعتقادی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

۱۔ اسم ذات اور صفات ذات اور صفات فعل میں فرق سمجھنے کے لئے عام اور کافی پہچان کا

---

[1] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ فصل ۲ قسم ۲۔ ۱۲ منہ

بیان مع تفصیل اسمار ذات اور صفات ذات اور صفات افعال کے۔ ۳؎ صفات ثبوتیہ کی تعداد علماء نے کتنی لکھی ہے۔ ۳؎ ان لوگوں کی تحریریں بیان تعداد میں مختلف کیوں ہیں۔ ۴؎ ان صفتوں میں کوئی صفت ایسی جامع بھی ہے جس میں باقی صفتیں داخل ہوسکیں یا نہیں۔ اگر ہے تو باقی صفتوں کو علماء نے جدا کرکے کیوں بیان کیا۔ اور جدا کرکے بیان کرنا غلط اور بیکار ہے یا صحیح اور بافائدہ۔ ۵؎ جن علماء نے آٹھ صفتیں یا کم و بیش لکھی ہیں کیا اس تعداد کو مخالفوں کی رد کی غرض سے اختیار کیا ہے۔ ۶؎ اصول دین میں ظن یعنی گمان معتبر ہے یا نہیں۔ ۷؎ خاتمہ بیانِ عقائد مصنف میں مع چند جدید تحقیقی فائدوں کے توحید کے متعلق۔ یہ ساتوں چیزیں سوال و جواب کی صورت میں لکھی جائیں گی انشاءاللہ۔

عام پہچان اور تحقیقی فائدوں کا بیان۔ سوال ۱؎ اسم ذات اور صفات ذات اور صفات افعال میں فرق سمجھنے کیلئے کافی پہچان کیا ہے۔ جواب ایک پہچان کلینی علیہ الرحمہ نے اور دو پہچانیں کراجکی علیہ الرحمہ نے بیان کی ہیں۔ پہلا معیار کلینی علیہ الرحمہ نے کافی میں بیان کیا ہے جس کو مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی رسالہ صفات ذات و صفات فعل میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ جس صفت سے قدرت اور ارادہ کا تعلق نہوسکے وہ صفت ذات ہے جیسے علم اور بادشاہی یعنی مالکیت اور عزت۔ کہ ان صفتوں کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا قادر ہے جاننے پر اور قادر ہے نہ جاننے پر۔ اور قادر ہے بادشاہ ہونے پر اور قادر ہے بادشاہ نہ ہونے پر اور قادر ہے عزیز ہونے پر اور قادر ہے عزیز نہ ہونے پر۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ عالم اور رب اور قدیم اور عزیز اور حکیم اور مالک اور قادر ہو کیونکہ یہ کل چیزیں اُس کی عین ذات ہیں۔ ارادہ کرنے پر حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ اور جس صفت سے ان دونوں کا تعلق ہوسکے وہ صفت فعل ہے جیسے پیدا کرنا۔ رزق دینا بخشنا۔ عذاب کرنا وغیرہ پس یہ کہنا صحیح ہے کہ خدا قادر ہے پیدا کرنے اور نہ کرنے پر اور قادر ہے رزق دینے اور نہ دینے پر اور خدا نے ارادہ کیا پیدا کرنے یا نہ کرنے کا اور ارادہ کیا رزق دینے اور نہ دینے کا اور ثواب دینے اور نہ دینے کا اور عذاب کرنے اور نہ کرنے کا۔ غالباً اسی معیار پر بنا کرکے صدوق علیہ الرحمہ نے دس صفتیں قرار دی ہیں۔ اور کلینی علیہ الرحمہ نے پندرہ جو آگے ذکر کی جائینگی اور ممکن ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے نزدیک صفات ذات اس سے بھی زیادہ ہو

اور مذکورہ عددوں کو بطور مثال کے ذکر فرمایا ہو۔ دوسرا معیار۔ جو چیزیں خدا کی خالص صفتوں سے ہیں اور ان کا تعلق کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا جیسے موجود۔ قدیم۔ باقی۔ حی۔ یا غیر سے تعلق ہوتا ہے لیکن اوس کے وجود اور عدم دونوں حالتوں میں یہ صفت اوس سے متعلق ہوتی ہے۔ جیسے علم و قدرت جو معلوم اور مقدور کی دونوں حالتوں میں اس سے متعلق ہوتی ہے۔ ان دونوں قسم کی صفتیں صفات ذات ہیں۔

اور جو صفت غیر سے متعلق ہونے کیلئے اُس کے موجود ہونے کو چاہتی ہے وہ صفت فعل ہے۔ جیسے رزق دینا۔ مرض دینا۔ صحت دینا۔ رحم کرنا وغیرہ۔ تیسرا معیار۔ جس صفت میں اس طرح تخصیص نہ ہو سکے کہ ایک وقت خدا کیلئے ثابت ہو اور ایک وقت ثابت نہ ہو یا ایک چیز کے حق میں ثابت ہو اور دوسری چیز کے حق میں ثابت نہ ہو۔ وہ صفتِ ذات ہے۔ جیسے وجود۔ قدرت۔ حیات۔ علم۔ جس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا کیلئے کبھی ثابت ہے اور کبھی ثابت نہیں ہے۔ اور جس صفت میں تخصیص ہو سکے وہ صفت فعل ہے جیسے فعل۔ رحم۔ رزق۔ تکلم وغیرہ جن کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ خدا بُرا کام نہیں کرتا اور اچھا کام کرتا ہے اور مومن پر رحم کرتا ہے اور کافر پر رحم نہیں کرتا۔ اور زید کو رزق دیتا ہے اور عمرو کو نہیں دیتا۔ اور حضرت موسیٰ سے کلام کیا اور فرعون سے نہ کیا۔ ان دونوں معیاروں کو مولانا کراجکی علیہ الرحمہ نے کنز الفوائد میں تحریر فرمایا ہے۔ اور ایک معیار تیسرا بھی تحریر فرمایا ہے جس کا مضمون پہلے معیار کے مضمون سے ملتا جلتا ہے اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ ان مرحوم نے صفات کی تین قسمیں کی ہیں۔ ایک صفاتِ حقیقیہ جن میں حی و باقی۔ و قادر و عالم و موجود و قدیم کو داخل کیا ہے۔ دوسرے صفاتِ مجازیہ جن میں مرید و کارہ و غضبان و راضی و محب و مبغض و سمیع و بصیر و رائی و مدرک کو داخل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ صفتیں قرآن و حدیث میں خدا وندِ عالم پر مجازاً بولی گئی ہیں۔ تیسرے صفات فعل جن میں الہ و رب و مالک و فاعل و جواد و رازق و راحم و متکلم و صادق وغیرہ کو داخل کیا ہے اور انھیں معیاروں اور اپنی تحقیق اور رائے کی بنا پر صفات ذات چھ قرار دیے ہیں۔

ان تینوں پہچانوں میں سے دوسری پہچان کو میں اختیار کرتا ہوں جس کو کراجکی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے لیکن بعینہ اس کی تقریر کے مطابق نہیں بلکہ تصرف کے ساتھ۔

اس پہچان کو پڑھنے کے وقت یہ امر آپ کے ذہن میں رہے کہ کراجکی علیہ الرحمہ نے کنز الفوائد میں تحریر فرمایا ہے کہ خداوند عالم کے جس قدر نام ہیں وصفی معنی سب میں پایا جاتا ہے اور کوئی نام اس سے خالی نہیں ہے اور وصفی معنی کا ان میں ہونا واجب ہے یہاں تک کہ لفظ اللہ جس کے اسم ذات ہونے پر کل علمار کا اتفاق ہے۔ کراجکی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ وصفی معنی اس میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ معنی اس کا معبود اور مرجع اور معین ہونا ہے۔ یعنی بندوں کا اس کی عبادت کرنا اور اس سے لو لگانا اور سختیوں کے وقت اس سے حاجت چاہنا۔ یا جامعِ صفاتِ کمال ہونا جس کو طریحی علیہ الرحمہ نے مجمع البحرین میں لکھا ہے۔ غرض میری اس بیان سے یہ ہے کہ اسم ذات میں وصفی معنی دیکھ کر گھبرانا نہ چاہئے کیونکہ خدا کا کوئی نام اس سے خالی نہیں ہے۔ بیان معیار و پہچان۔ پہچان کی تقریر یہ ہے کہ اسمارِ حسنیٰ جو ننانوے یا ایک سو تین ہیں۔ تین طرح کے ہیں۔ ایک قسم وہ جنکا تعلق غیر سے اس طرح نہیں ہوتا کہ اس تعلق کی وجہ سے اس نام کا اسم مفعول اس غیر پر حمل کیا جاسکے یعنی بولا جاسکے اور وہ غیر اوس کا مصداق ہوسکے جیسے لفظ اللہ کہ ذاتِ پروردگار کو اگرچہ اپنے بندوں سے بہت بڑا تعلق ہے لیکن اس تعلق کی وجہ سے بندے مالوہ (معبود و مرجع) نہیں کہے جاسکتے۔ اسی طرح لفظِ حی کہ اس تعلق کی وجہ سے جو خدا کو بندوں سے ہے اور لفظِ حی خدا کا نام ہے، بندے محیٰی نہیں کہے جاسکتے۔ دوسری قسم وہ جن کا تعلق غیر کو اوس نام کے اسمِ مفعول کا مصداق بنا دیتا اور اس پر اس کے بولے جانے کا اوس کو مستحق کر دیتا ہے جیسے عالم۔ قادر۔ خالق۔ رازق کہ ان چاروں کے تعلق سے غیر معلوم۔ مقدور۔ مخلوق۔ مرزوق۔ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق غیر کے وجود اور عدم دونوں حالتوں میں اس سے ہوسکے۔ اور یہ تعلق اس کے وجود کو اس طرح نہ چاہتا ہو کہ جب تک غیر موجود نہ ہولے یہ صفت اس سے متعلق نہ ہوسکے یا متعلق ہوسکے لیکن اس صفت کا اسم مفعول اس پر بولا نہ جاسکے۔ جیسے عالم۔ قادر۔ کہ یہ دونوں غیر سے ہر حال میں متعلق ہوتے ہیں خواہ وہ موجود ہو یا نہ ہو۔ اور وہ غیر دونوں حالتوں میں معلوم و مقدور کہا جاسکتا ہے۔ دوسرے وہ جس کا تعلق غیر کے وجود کو اس طرح چاہتا ہو کہ جب تک وہ موجود نہ ہولے یہ صفت اس سے متعلق نہ ہوسکے یا متعلق ہوسکے لیکن جب تک وہ موجود نہ ہوجائے اس صفت کا اسم مفعول اس پر بولا نہ جاسکے جیسے خالق۔ رازق کہ صفت خالقیت

کا تعلق غیر سے اُس کے عدم ہی کے وقت ہوتا ہے اور اس طرح ہوتا ہے کہ اوس کے تعلق اور غیر کے موجود ہونے کا زمانہ ایک ہوتا ہے لیکن مخلوق اُس کو اُسی وقت کہتے ہیں جب موجود ہو لیتا ہے اور صفتِ رازقیت کا تعلق بھی نہیں ہوتا جب تک غیر موجود نہیں ہو لیتا۔ پہلی قسم کو میں اسمارِ ذات میں داخل کرتا ہوں اور دوسری قسم کو صفاتِ ذات میں اور تیسری قسم کو صفاتِ افعال میں کوئی حدیث یا آیت میری نگاہ سے ایسی نہیں گذری جس میں اسمارِ ذات اور صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال کی تعیین اور تفصیل کی گئی ہو۔ اس لئے حضرات علمار کرام نے معیار اور پہچانیں تجویز فرمائیں۔ اور میں نے بھی اپنی ناقص عقل کو صرف کیا وَالفَضلُ لِلمُتَقَدِّم۔ میں اپنی تجویز کردہ پہچان کے مطابق تینوں قسم کے اسمارِ حسنیٰ کی تفصیل مع ان کے معانی کے جن کو بعض علمار کرام نے لکھے ہیں لکھتا ہوں آپ میری تجویز کردہ پہچان کو اون پر مطابق کریں اور غور کریں۔ خطا اور لغزش اقتضائے بشریت ہے۔ اگر کوئی غلطی ملاحظہ کریں تو ضرور مجھے مطلع فرمائیں کہ عقلی نقص یا شرعی مخالفت اُس میں کیا ہے۔ **اسماءِ ذات**۔ اللہ (ذات جامعِ صفاتِ کمالی) قُدُّوس (پاک) سلام (بے عیب) عزیز (بے مثل و بے نظیر) عظیم (بڑا) متکبر (بڑا) علی (بڑا) کبیر (بڑا) جلیل (بزرگ) غنی (غیر محتاج) حق (ثابت موجود) حمید (لائقِ تعریف) حیّ (زندہ) قائم (باقی) واجد (غیر محتاج) واحد احد (یکتا) اوّل آخر (سب سے پہلے موجود اور سب کے بعد باقی رہنے والا) ظاہر و باطن (روشن اور آنکھوں سے پوشیدہ) متعالی (برتر) ذوالجلال والاکرام (بزرگ) ذوالمعارج (بلند مرتبہ) باقی (ہمیشہ رہنے والا) قدیم۔ ازلی۔ ابدی (ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا) سُبّوح (پاک) طاہر (پاک) فرد وتر (یکتا) صمد (باقی) **صفاتِ ذات**۔ علیم (جاننے والا) سمیع (سننے کی چیزوں کو جاننے والا) بصیر (دیکھنے کی چیزوں کو جاننے والا) خبیر (جاننے والا) شہید (جاننے والا) محصی (عالم) علّام (بہت علم والا) حفی (عالم) دانی (عالم) محیط (عالم قادر) مقیت (قادر) قوی (قادر) متین (بہت قوت والا) قدیر۔ قادر۔ مقتدر (صاحبِ قدرت)۔

تنبیہ ان ناموں میں سے نو نام عالم کے معنی میں ہیں اس لئے اس میں داخل کیے جائینگے اور سات قادر کے معنی میں ہیں اس لئے اس میں داخل کئے جائیں گے اور دسواں یعنی محیط

چونکہ عالم اور قادر دونوں کے معنی میں ہے اس لیئے اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس میں چاہیں داخل کر دیں۔ پس اکثر حضرات علمار کی تحریر کردہ آٹھ صفتوں میں جن کو اونھوں نے متکلمین کی پیروی میں تحریر فرمایا ہے صرف دو صفتیں صفات ذات میں داخل ہیں۔ ایکؔ عالم۔ دوسرےؔ قادر۔ اور حی اور قدیم میرے معیار کے مطابق اسمار ذات میں داخل ہو گئے۔ اور چونکہ صحیح السند حدیثوں میں بصراحت مذکور ہے کہ ارادۂ پروردگار خود اُس کا فعل ہے اس لیئے اوس کو اور کراہت کو جو ارادۂ ترک کے معنی میں ہے میں صفاتِ افعال میں داخل کرتا ہوں کیونکہ ایک تو معصومین علیہم السلام نے انھیں صفات میں داخل فرمایا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ ارادہ کو علم بمصلحت کے معنی میں لینا غلط اور کلامِ پروردگار اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ؎۱ (یعنی جب چاہے کسی چیز کو تو کہتا ہے اوس سے ہو جا پس ہو جاتی ہے) کے مخالف ہے کیونکہ یہ آیت دو چیزوں کو بتاتی ہے۔ ایکؔ حدوث ارادہ کو جس پر "اذا اراد" دلالت کرتا ہے۔ دوسرےؔ ارادہ اور مراد کی معیت زمانی یعنی ایک وقت حاصل ہونے کو جس پر آخر کا جملہ اوس بیان کی بنا پر دلالت کرتا ہے جو حاشیہ میں لکھا گیا۔ ارادہ سے در حقیقت مقصود پروردگار اوس شئے کے وجود کو اوس کے عدم پر ترجیح دینا اور اُس کو موجود کر دینا ہے۔ اگر ارادہ علمِ مصلحت و مفسدہ کے معنی میں لیا جائے تو علاوہ مخالفتِ ظاہر آیت کے قدم مراد لازم آئیگا۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ ارادہ کو علم بمصلحت کے معنی میں لینے والے حضرات اس کو عین علم اور صفاتِ ذات سے سمجھتے ہیں اور علم پروردگار عین ذات ہے پس اُس کا ارادہ بھی ؎۲ قدیم ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی چیز کے پیدا ہونے میں پورا موثر اور علت تامہ ارادہ یعنی علم بمصلحت ہے یا کوئی دوسری چیز اگر ارادہ اور علم ہے اور مصلحت وجود

؎۱ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اوس سے کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے (ملاحظہ ہو یٰسٓ پ ۲۳ آیت ۸۲) اور چونکہ کسی چیز کے پیدا کرنے میں خدا کا اوس سے کہنے کی طرف محتاج ہونا اور اوس معدوم کا خطاب کو سمجھنا محال اور غلط ہے اس لئے صحیح معنی اس آیت کا یہ ہے کہ خدا کا ارادہ اور اوس چیز کا وجود ساتھ ساتھ ہوتا ہے کیونکہ ذاتِ خدا ہر چیز کے لئے پوری علت ہے ۱۲ منہ

؎۲ عین ذات ہوا۔ اور عین ذات پروردگار قدیم ہے پس ارادہ بھی قدیم

معلول بھی ارادہ و علم کے ساتھ ساتھ ہے تو چونکہ علت تامہ اور موثر تام معلول اور اثر سے جدا نہیں ہوتا اور علم و ارادہ قدیم ہیں اس لئے معلول اور اثر بھی قدیم ہو جائیگا اور علت کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ اور اگر شئے مطلوب کے عدم پر اوس کے وجود کو ترجیح دینے والی چیز مشیت یعنی خواہش ایجاد ہے جیساکہ ملا عبدالرزاق اعلی اللہ مقامہ نے سرمایۂ ایمان میں لکھا ہے تو علاوہ اس کے کہ لغت میں ارادہ اور مشیت کے معنی میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اور خدا کے لئے ارادہ کے علاوہ مشیت کے ایک مستقل صفت ہونے پر کوئی سکت عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ ملا عبدالرزاقؒ خود لکھتے ہیں کہ خدا کی ذات کیلئے اوس کا اختیار اور ارادہ اور مشیت تینوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں آپس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اور اختیار کا درجہ وہ مرحوم مشیت کے بعد اور اوس کا اثر و نتیجہ قرار دے کر اوس کا معنی فعل کی ترجیح ترک پر یا ترک کی ترجیح فعل پر بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کی ذات کیلئے ترجیحِ فعل یا ترک اوس فعل یا ترک سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اور فعل حادث ہے اس لئے ارادہ و مشیت و اختیار تینوں حادث ہوں گے۔ بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا اَلْمَشِیَّۃُ مُحْدَثَۃٌ یعنی مشیت حادث ہے۔ اور چونکہ بقول ملا صاحب کے ان تینوں کا وجود ساتھ ساتھ ہوتا ہے اس لئے اگر اختیار یعنی ترجیح کو بھی قدیم اور عین ذات پروردگار قرار دیا جائے تو قدم ممکنات لازم آئے گا کیونکہ ترجیح فعل خدا کیلئے ایجادِ فعل سے جدا نہیں ہو سکتا جیساکہ اسی کتاب میں وہ مرحوم لکھتے ہیں کہ "ہمین کہ دانست مصلحت در وجود چیزے د۔ و قتیکہ مصلحت مخصوص بآن وقت بود البتہ می خواہد فعل آن چیز را و اختیار فعل کند چہ وجود معارض و منازع در شانِ وے متصور نباشد و تردد در امرِ وے روا نبود" اور اگر یہ کہا جائے کہ فلاں چیز کے وجود میں دس سال کے بعد مصلحت پیدا ہو گی اِس وقت اس میں مصلحت نہیں ہے لیکن جو مصلحت پیدا ہو گی اوس کو خدا اِس وقت جانتا ہے۔ اور جب وہ مصلحت پیدا ہو گی اوس وقت اوس کے وجود کو اوس کے عدم پر ترجیح دینے والی چیز خود اوس کی ذاتِ اقدس مختارِ غیر مضطر ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ لاریب مرجح اوسی کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔ پس ایسی صورت میں ارادہ فعل سے جدا کوئی چیز نہ ٹھہرا۔ اور اس چیز کے پیدا ہونے میں صرف دو چیزوں کو دخل ہوا۔ ایک علم بمصلحت کو جس کیلئے صفتِ علم کافی ہے۔

دوسرے، مرجع کو جو ذاتِ پروردگار ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث کی مخالفت کر کے ارادہ کو ایک مستقل صفتِ ذات قرار دینا بے وجہ ہے۔ حدیث صحیح میں حضرت امام رضاؑ ارشاد فرماتے ہیں اَلْمَشِیَّۃُ مِنْ صِفَاتِ الْاَفْعَالِ فَمَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَزَلْ مُرِیْدًا شَائِیًا فَلَیْسَ بِمُوَحِّدٍ یعنی مشیت صفاتِ فعل سے ہے۔ پس جو شخص خیال کرے کہ خدا کا ارادہ اور مشیت قدیم ہے وہ موحد نہیں ہے۔ اور یہی میری غرض ہے کہ ارادہ صفاتِ ذات سے نہیں ہو سکتا بلکہ صفاتِ فعل سے ہے جیسا کہ اہلبیتِ عصمت و طہارت علیہم السلام کی فرمائشوں میں لبندِ صحیح بصراحت مذکور ہے۔ رہا کلام یعنی کسی چیز میں آواز پیدا کر دینا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ فعل حادث ہے اس لیے یہ بھی صفاتِ افعال ہی میں داخل کیا جائے گا۔ بسند معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْکَلَامَ صِفَۃٌ مُحْدَثَۃٌ لَیْسَتْ بِاَزَلِیَّۃٍ کَانَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا مُتَکَلِّمَ یعنی کلام صفتِ حادث ہے ازلی نہیں ہے خداوند عالم تھا اور متکلم نہ تھا۔ اور صدق کلام کا تابع ہے اس لیے یہ بھی صفاتِ افعال ہی میں داخل کیا جائیگا۔ رہگیا سمیع و بصیر تو اگرچہ یہ دونوں علم ہی کے معنی میں ہیں لیکن چونکہ متعدد روایتوں میں جن میں صحیح السند بھی ہیں یہ دونوں عالم اور قادر کے ساتھ خاص کر کے ذکر کیے گئے ہیں اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے افرادِ علم سے جدا کر کے یہ دونوں خاص کر کے ذکر کیے گئے اس لیے سمعاً و طاعۃً اور بغرض پیروی اہلبیتِ عصمت و طہارت علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ شیخ المشائخ مولانا شیخ مفید علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے مِنْ جِھَۃِ السَّمْعِ وَالْاِتِّبَاعِ وَالتَّسْلِیْمِ۔ میں بھی ان دونوں صفتوں کو مستقل دو صفتیں قرار دیتا ہوں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آٹھ صفتوں میں سے حیؔ اور قدیمؔ اسمارِ ذات میں داخل ہوئے اور مریدؔ اور کارہؔ اور متکلمؔ اور صادقؔ۔ صفاتِ افعال میں رہ گئے چار عالم اور قادر اور سمیع اور بصیر۔ بس یہی چار صفاتِ ذات میں داخل ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حدیث صحیح السند میں ارشاد فرماتے ہیں وَالْعِلْمُ ذَاتُہٗ وَلَا مَعْلُوْمَ وَالسَّمْعُ ذَاتُہٗ وَلَا مَسْمُوْعَ وَالْبَصَرُ ذَاتُہٗ وَلَا مُبْصَرَ وَالْقُدْرَۃُ ذَاتُہٗ وَلَا مَقْدُوْرَ یعنی علم اُس کی ذات تھی جبکہ معلوم نہ تھا اور سمع اوس کی ذات تھی جبکہ مسموع نہ تھا اور بصر اوس کی ذات تھی جبکہ مبصر نہ تھا اور قدرت اُس کی ذات تھی جبکہ مقدور نہ تھا۔ اور دوسری حدیث میں فرماتے ہیں لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ تَعَالٰی ذَاتُہٗ

عَالِمٌ سَمِيعٌ بَصِيرٌ قَادِرٌ یعنی اللہ ذات ہے عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ قادر۔ واضح رہے کہ اگر میرا تجویز کردہ معیار قبول نہ کیا جائے اور یہ بھی ارادہ کیا جائے کہ کل صفات ذات دو صفتوں یعنی عالم اور قادر میں داخل ہو جائیں اور کلینی اور کراجکی علیہما الرحمۃ والرضوان کے تینوں معیار صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال کی جانچ کے لئے اختیار کئے جائیں تو وہ اسماء حسنیٰ جن کو میں نے اسماء ذات میں داخل کیا ہے کسی طرح نہ تو صفاتِ افعال میں داخل ہو سکیں گے اور نہ عالم اور قادر میں۔ پس یا تو پینتیس ۳۵ صفات ذات ماننے پڑیں گے یا مجبوراً اون کو اسماءِ ذات ہی میں باقی رکھنا پڑیگا جیسا کہ میں نے کیا ہے۔ مگر یہ کہ پانچواں معیار درست کیا جائے۔ تنبیہ اہلبیت عصمت و طہارت کی فرمائشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صفاتِ پروردگار کے متعلق چار چیزیں ناجائز ہیں۔ ایک اون کے صفاتِ کمال سے انکار کرنا۔ دوسرے اُس کے صفات کو صفاتِ مخلوق کا مثل یعنی اسکی ذات سے جدا سمجھنا۔ تیسرے صفاتِ افعال کو جو حادث ہیں صفاتِ ذات یعنی قدیم سمجھنا چوتھے ایسے لفظ کو خدا پر بولنا جس کا استعمال شریعت سے ثابت نہیں ہے لیکن اون چند ذاتی صفتوں کے سوا جو معین طور پر حدیثوں میں ذکر کر دیئے گئے ہیں باقی اسماء حسنیٰ میں سے اسم ذات اور صفتِ ذات اور صفتِ فعل کی تشخیص اور تعین کرنے کی ممانعت کسی آیت یا حدیث سے معلوم نہیں ہوتی۔ اسلیئے اپنی اپنی دلیل اور تحقیق کے مطابق ہر وہ شخص جو اس کی قابلیت اور اہلیت رکھتا ہو تشخیص اور تعین کر سکتا ہے۔

صفاتِ افعال۔ مُرِيدٌ (چاہنے والا) كَارِهٌ (منع کرنے والا) رَحْمٰنٌ۔ رَحِيمٌ (رحم کرنے والا) مُؤْمِنٌ (عذاب سے بچانے والا) خَالِقٌ (پیدا کرنے والا) بَارِئٌ (پیدا کرنے والا) رَازِقٌ (روزی دینے والا) مُتَكَلِّمٌ (آواز پیدا کرنے والا) عَادِلٌ (انصاف کرنے والا) غَفُورٌ (بخشنے والا) مَلِكٌ (بادشاہ) مُهَيْمِنٌ (بندوں کے لئے رزق و موت مقرر کرنے والا اور اعمال کو دیکھنے والا) جَبَّارٌ (حاجتوں کو پورا کرنے والا) مُصَوِّرٌ (صورت بنانے والا، پیدا کرنے والا) غَفَّارٌ (بخشنے والا) قَاهِرٌ قَهَّارٌ (جابروں کو ذلیل کرنے والا اور مارنے والا) وَهَّابٌ۔ رَزَّاقٌ (نعمت و رزق دینے والا) فَتَّاحٌ (بندوں پر حکومت کرنے والا) بَاسِطٌ (رزق دینے والا) قَابِضٌ (رزق وغیرہ روکنے والا) خَافِضٌ (ذلیل کرنے والا) رَافِعٌ (عزت دینے والا) مُعِزٌّ (عزت دینے والا) مُذِلٌّ (ذلیل کرنے والا) حَكَمٌ (فیصلہ کرنے والا) لَطِيفٌ (مہربان) حَلِيمٌ (سزا کرنے میں جلدی نہ کرنے والا) عَفُوٌّ (بخشنے والا)

عہ ۳۳ اسماء ذات و دو صفات عالم و قادر = ۳۵

شکور (قلیل اطاعت پر ثواب دینے والا) حفیظ (حفاظت کرنے والا) حسیب (ہر امر میں کافی)
کریم (زیادہ بھلائی کرنے والا) رقیب (نگہبان) مجیب (دعا قبول کرنے والا) قریب (قبول کرنے والا)
واسع (زیادہ رزق دینے والا) مغنی (رزق دینے والا) حکیم (دنیا کو پیدا کرنے میں درست اور پختہ بد سوچ سمجھے)
ودود (محبت رکھنے والا) مجید ماجد (بزرگ) باعث (مردوں کو زندہ کرنے والا) وکیل (رازق و
ولی (ناصر و مددگار) مولیٰ (ناصر) مبدی و معید (خالق اور زندہ کرنے والا) محیی و ممیت (زندہ
کرنے والا اور مارنے والا) موخر و مقدم (ترتیب سے پیدا کرنے والا) ضار و نافع (نقصان اور نفع پہونچانے
مقسط (انصاف کرنے والا) جامع (سب کو جمع کرنے والا قیامت میں) بر (مہربان) مانع (کافروں کو
ثواب سے محروم رکھنے والا) تواب (توبہ قبول کرنے والا) منتقم (ظالم کو سزا کرنے والا) رؤف (مہربان)
مالک الملک (بادشاہ) ذو الطول (بخشش کرنے والا) نور (روشن کرنے والا) بدیع (خالق)
رشید (بھلائیاں سکھانے والا) صبور (عذاب اور سزا میں جلدی نہ کرنے والا) رب (پرورش کرنیوالا)
سید (مالک) جواد (کثیر الاحسان) شدید العقاب (سخت عذاب کرنے والا) ناصر (مددگار)
فاطر (خالق) کافی (حاجتوں کو پوری کرنے والا) اکرم (بہت زیادہ نعمت دینے والا) ذاری (
صانع (پیدا کرنے والا) صادق (سچا) غیاث (فریاد رس) قاضی (حکم کرنے والا۔ پورا کرنے والا
انجام دینے والا) منان (بہت احسان کرنے والا) مبین (اپنی حکمتوں کو اچھی طرح ظاہر کرنے والا)
کاشف الضر (تکلیف دفع کرنے والا) خیر الناصرین (اچھا مددگار) وفی (وعدہ وفا کرنے والا)
دیان (بدلا دینے والا) شافی (صحت دینے والا) **سوال ۲ صفات ثبوتیہ کی تعداد** علمائے کرام
نے کتنی لکھی ہے؟ **جواب۔** صفات ثبوتیہ دو ہیں۔ ایک صفات ذات جو عین ذات ہیں
دوسرے صفات فعل جو حادث ہیں۔ صفات فعل چونکہ بہت ہیں اس وجہ سے حضرات
علمائے کرام نے اصول دین کے ذیل میں ان کو ذکر نہیں کیا ہے بلکہ انھیں صفتوں کو لکھا ہے
جن کو صفات ذات میں داخل سمجھا۔ اور ان کی تعداد میں تحریریں ان حضرات کی بلحاظ انکی
تحقیقوں کے مختلف ہیں چنانچہ ہر بزرگ کی تحریر مع حوالہ کتاب کے عرض کی جاتی ہے۔
شیخ کلینی علیہ الرحمہ نے اصول کافی میں پندرہ تحریر فرمایا ہے۔ ۱ حی ۲ عالم ۳ قادر
۴ ملک ۵ جواد ۶ عزیز ۷ حکیم ۸ غفور ۹ رب ۱۰ قدیر ۱۱ سمیع
و بصیر ۱۲ غنی ۱۳ حلیم ۱۴ عدل ۱۵ کریم۔ اور ممکن ہے کہ ان کے نزدیک لفظ اللہ
اور صفات افعال کے سوا باقی کل اسمائے حسنیٰ صفات ذات ہوں اور پندرہ کو بطور مثال کے